

فیض الباری اردو

شرح

صحیح البخاری

افادات

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

جمع و ترتیب

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالی

ترجمہ

حضرت مولانا شیخ محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ کھروڈ، گجرات

جلد دوم

کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم

ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

فیض الباری اردو



فیض الباری اردو

شرح

صحیح البخاری

افادات

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

جمع و ترتیب

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

حضرت مولانا شیخ محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ کھروڈ، گجرات

جلد دوم

کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم

ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

فیض الباری اردو

شرح

صحیح البخاری

افادات

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

جمع وترتیب

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

حضرت مولانا شیخ محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ کھروڈ، گجرات

باھتمام: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف دیوبند، سہارنپور، یوپی، الہند

Hujjat al-Islam Academy
Al Jamia Al-Islamia Darul Uloom Waqf Deoband
Eidgah Road, P.O.Deoband - 247554,
Distt: Saharanpur U.P. India
Tel: +91 84394 12767, +91 92599 87074
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in,
hujjatulislamacademy2013@gmail.com
Printed at: Markazi Publications, New Delhi

ISBN 978-93-84775-49-0



فہرست مضامین

كِتَابُ الْحَيْض

كِتَابُ التَّيَمُّم ۴۳۳





فيض الباری اردو

شرح

صحیح البخاری



بسم الله الرحمن الرحيم

كِتَابُ الوُضُوءِ

١ - بَابُ مَا جَاءَ فِي الوُضُوءِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلوٰةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ : "وَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فَرْضَ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً وَتَوَضَّأَ أَيْضًا مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا، وَلَمْ يَزِدْ عَلىٰ ثَلَاثٍ، وَكَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ الْإِسْرَافَ فِيهِ، وَأَنْ يُجَاوِزُوا فِعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".

ترجمہ: یہ باب وضوء میں وارد روایات کے بیان میں ہے۔ اور اللہ ربّ العزت کے اس ارشاد کے بیان میں کہ ”جب (تمہارا) نماز کے لیے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کے لیے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت دھولو۔“

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ وضوء میں فرض (اعضاء کا) ایک ایک مرتبہ دھونا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو-دو اور تین-تین مرتبہ بھی اعضائے وضوء کو دھویا ہے، لیکن تین مرتبہ سے زائد نہیں دھویا، اہل علم نے اِس میں اِسراف اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے تجاوز کو ناپسند فرمایا ہے۔“



وضوء لغت میں صفائی اور روشنی کو کہتے ہیں اور شریعت میں بروزِ محشر اعضائے وضوء کے روشن ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

امر سے فرض اور مستحب دونوں وضو مراد ہیں:

﴿إِذَا قُمۡتُمۡ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾......علماء فرماتے ہیں کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم حدث کی حالت میں نماز کا ارادہ کرو۔ میں یہاں تقدیر کا قائل نہیں ہوں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ محدث کے لیے وضوء کا حکم وجوبی ہے، ورنہ یہ حکم استحباب پر محمول ہوگا، میرے نزدیک فرض اور مستحب دونوں ایک ہی لفظ میں بلا مجاز کے بھی داخل ہو سکتے ہیں، اور جب وضوء اور نماز کا اطلاق فرض اور مستحب دونوں پر درست ہے تو ان کے مشتقات کے اطلاق میں کیا حرج ہے؟

تعجب کی بات ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المحصول'' میں فرمایا ہے کہ لفظ ''صلوٰۃ'' کا اطلاق فرض نماز کے لیے حقیقی ہے اور نفل نماز کے مجازی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ حقیقت اور مسمّٰی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے، دونوں کے درمیان فرق خارجی اوصاف کے اعتبار سے ہوتا ہے، لہٰذا اصل شئے اور اس پر خارج سے طاری ہونے والے اوصاف کے درمیان تمیز ہونی چاہیے۔ اور جب نماز کی حقیقت (فرض اور نفل) دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے تو دونوں پر لفظ صلوٰۃ کا حقیقی اطلاق بھی درست ہونا لازم ہے۔

پھر شریعت میں جو بھی عبادت واجب ہوتی ہے تو اس کی جنس کی ایک نفل عبادت بھی ہوتی ہے، فقہ میں یہ اصول ہے کہ نذر اُن امور میں منعقد ہوسکتی ہے جن کی جنس کا کوئی واجب ہو، اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر نفل کی جنس کا کوئی نہ کوئی واجب بھی ضرور ہے، اس کے باوجود امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس جانب گئے ہیں کہ لفظ صلوٰۃ کا اطلاق نفل کے لیے مجازی ہے۔

پھر امر کا وجوب کے لیے ہونا بھی میرے نزدیک ثابت نہیں ہے بلکہ وہ مشترک ہے، جیسا کہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، اس کی مزید تفصیل کے لیے میرا رسالہ "فصل الخطاب في مسألة الفاتحة خلف الإمام" ملاحظہ ہو۔

پھر مذکورہ آیت کریمہ اگرچہ نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے لیکن حکم کے اعتبار سے مقدّم ہے، میں کہتا ہوں کہ ''سیرتِ محمد بن اسحاق'' میں مذکور ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ اقرأ کے شروع کی پانچ آیتیں لے کر آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وضوء اور دو نمازیں بھی سکھائیں۔ اور شرحِ مشکوٰۃ میں علّامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اِس روایت کی سند میں ایک راوی متکلم فیہ ہیں۔

گہری نظر، دقیق غور وفکر اور فنونِ عربیہ میں مہارت کے بعد مختار مذہب کے مطابق

آیتِ وضوء میں دونوں قراءات کی وجہ

آیت کریمہ: ﴿وَأَرۡجُلَكُم﴾ میں جَر والی قراءت سے شیعوں نے پاؤں پر مسح کے جواز پر استدلال کیا ہے،

حالانکہ یہ لوگ مسح علی الخفین کے متواتر ہونے کے باوجود اسے جائز نہیں سمجھتے!! علّامہ ابن حاجب، علّامہ تفتازانی نے ''التلویح'' کے آخر میں اور علّامہ ابن ہمام رحمہم اللہ وغیرہ علمائے اُمّت نے ان کا جواب دینے کی سعی فرمائی ہے۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ نے نصب والی قراءت کی جو توجیہ منکشف فرمائی وہ یہ ہے کہ "وَأَرْجُلَكُم" نصب کے ساتھ مفعولِ معہ ہے، یہ عطف نہیں ہے، واوِ عطف اور مفعولِ معہ کے واو کے درمیان فرق ہوتا ہے، کیوں کہ عطف معطوف علیہ اور معطوف کے کسی امر میں شرکت کو بیان کرتا ہے، جیسے: "جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو" کے معنیٰ ہوں گے کہ آنے میں دونوں شریک ہیں، اور اگر ہم "عَمْرًوا" نصب کے ساتھ کہیں تو اس کے معنیٰ ہوں گے کہ فی الجملہ عمرو کی زید کے ساتھ مصاحبت ہے۔ اب یہ مصاحبت بطورِ خاص فعل میں ہے یا کسی اور چیز میں؟ تو یہ خارجی قرینے سے معلوم ہوسکتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "إِذَا خُلِّيَ وَطَبعَهٗ" تو یہ بالکل شرکت پر دلالت نہیں کرتا، اگرچہ بعض مواقع میں شرکت لازم ہوتی ہے، لیکن وہ شرکت الفاظ کی جہت سے ہوتی ہے نہ کہ مدلول کی جہت سے۔

پھر مصاحبت کے معنیٰ مقارنت کے ہیں، مقارنت کبھی زمانے میں ہوتی ہے، جیسے: "جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ" نصب کے ساتھ ہو تو اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ جبے آنے میں سردی کے ساتھ شریک ہیں اور آنے والے سردی اور جبے دونوں ہیں، بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آنے والی صرف سردی ہے، البتہ اس کی جبوں کے ساتھ زماناً مصاحبت ہے، اب یہ مصاحبت آنے میں ہے یا جبوں کے سِلنے میں؟ تو یہ مفعولِ معہ کے مدلول سے خارج ہے، اور مطلب یہ ہوگا کہ سردی آئی اور جبے اسی زمانے سِلنے لگے، لہٰذا سردی کی جبوں کے ساتھ زماناً مصاحبت ہوگئی، اور اگر مصاحبت سِلنے میں ہو تو مطلب ہوگا کہ سردی آئی اور جبے سِلنے لگے، یہ بھی مصاحبت کی ایک نوع ہے۔

اور کبھی مصاحبت مکان (جگہ) میں ہوتی ہے، جیسے کہا جائے: "سِرْتُ وَالطَّرِيْقَ" تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ راستہ بھی متکلم کی طرح چلا، اِس میں شرکت فی الفعل نہیں ہے، کیوں کہ چلنے کی نسبت اس میں راستے کی جانب نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ چلنے والا متکلم ہے، لیکن راستے کی مصاحبت چلنے کے دوران اخیر تک رہی، تو راستے کے ساتھ یہ مصاحبت مکانیہ ہے۔ اور کبھی مصاحبت زمانیہ ومکانیہ دونوں ہوتی ہیں، جیسے: "سِرْتُ وَالنِّيْلَ" کہا جائے گا جب آپ یہ مُراد لیں کہ پانی کا چلنا ایک وقت تک آپ کے ساتھ تھا۔

یہاں اور بھی چند مثالیں ہیں، جیسے: "لَوْ تَرَكْتَ النَّاقَةَ وَفَصِيْلَتَهَا لَرَضَعَتْهَا" (اگر تم اونٹنی کو اس کے بچّے کے ساتھ چھوڑ دیتے تو وہ دودھ پی لیتا) یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ ترک کا وقوع اونٹنی اور اس کے بچّے دونوں پر ہوا، یہ مثال عطف اور شرکت فی الفعل کی نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تم صرف اونٹنی کو چھوڑ دیتے اور اس کا بچّہ اس کے

ساتھ ہوتا تو دودھ پی لیتا۔ جیسے اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا﴾ [المدثر: ۱۱]

اس میں بھی شرکت فی الفعل مُراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف مجھے چھوڑ دیجیے، پھر دیکھ لیں کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ نیز جیسے شاعر (مطیع بن اِیاس) کا یہ شعر ہے:

وَكُنْتُ وَيَحْيَىٰ كَيَدَيْ وَاحِدٍ نَرْمِيْ جَمِيْعًا وَنُرَامَىٰ مَعًا

''میں اور یحییٰ ایک شخص کے دو ہاتھ کی طرح ہیں، ہم مل کر طعن کرتے ہیں اور ہم دونوں پر ایک ساتھ طعن کیا جاتا ہے۔''

اس شعر میں شاعر شرکت فی الکون مُراد نہیں لے رہا ہے، کیوں کہ اس کا کوئی مطلب نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں اور یحییٰ جو میرا ساتھی ہے، دونوں کا مجموعہ ایک شخص کے دو ہاتھ کی طرح ہے۔ اسی طرح دوسرے ایک شاعر کا شعر ہے؟

فَكُونُوا أَنتُم وَبَنِي أَبِيكُم مَكَانَ الكُلْيَتَينَ مِنَ الطِّحَالِ

''تم اور تمہارے بھائی ایک ساتھ ہو جاؤ، جس طرح تلی کے دونوں گُردے ہوتے ہیں۔''

شاعر نے لفظ "بَنِيْ" کو ماقبل کے رفع کے اعراب سے کاٹ کر نصب دیا ہے تا کہ شرکت فی الفعل سے اعراض ہو اور مصاحبت کا فائدہ ہو، جیسا کہ علّامہ محمد بن حسن رضی رحمۃ اللہ علیہ نے شاعرہ (میسون بنت بجدل) کے اس شعر میں یہی تقریر فرمائی ہے:

لَـلُبْسُ عَـباءَةٍ وتَقَـرَّ عَينِي أَحَبُّ إلَيَّ مِن لُبْسِ الشُّفُوفِ

''اونی جبہ پہننا آنکھوں کی ٹھنڈک کے ساتھ مجھے پتلے کپڑے پہننے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

علّامہ رضی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ فعل مضارع "تَقَرَّ" کا نصب عطف سے قطع کرنے اور مصاحبت کے معنیٰ بتانے کے لیے ہے، اس کو نحویوں کے نزدیک واوِصرف کہا جاتا ہے، کیوں کہ یہ اپنی حقیقت یعنی عطف سے پھیر دیتا ہے، اس لیے کہ شاعرہ کی مُراد یہاں یہ ہے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کے ساتھ اونی جبہ پہننا اس کے نزدیک پسندیدہ ہے، یعنی دونوں کا مجموعہ پسندیدہ ہے، یہ مُراد نہیں ہے کہ یہ بھی پسند ہے اور یہ بھی پسند ہے۔

ابن ہشام انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مغنی اللبیب'' میں اس پر فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے ایک اور قسم کا اضافہ کیا جس کو واوِصرف کہا جاتا ہے، جیسا کہ اس شعر میں ہے: "لَـلُبْسُ عَبَاءَةٍ... الخ" پھر ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو واوِ صرف قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ہم حرفِ ناصب کو مقدّر مانتے ہوئے کہتے ہیں: "وَلَـلُبْسُ عَبَاءَةٍ

وَأَنْ تَقَرَّ عَيْنِيْ... الخ". میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست نہیں جیسا کہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ ہے، کیوں کہ اس سے معنیٰ میں فساد پیدا ہوگا، صحیح بات وہی ہے جو علّامہ رضی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی ہے۔

اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ ربّ العزت کے ارشاد:

﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ﴾ [المائدة : ۱۷]

اس میں واو عطف کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ ربّ العزت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو آپ کی والدہ اور روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کے ان کو تحفظ دینے کے باوجود ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ یہاں ہلاکت اِن تمام پر واقع نہیں ہے، اس لیے کہ مقصود اُن لوگوں کے ہلاک کرنے پر قدرت کا اظہار ہے جن غیر اللہ کو معبود بنالیا گیا اور اُن کے بارے میں الوہیت کا جھوٹا عقیدہ رکھا گیا، اگرچہ وہ تمام لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے حامی ہوں، روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کو ہلاک کرنا مُراد نہیں ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو زمین کے تمام انسانوں کے ساتھ ان کو تحفظ دینے کے باوجود ہلاک کرنے اور صرف زمین کے تمام لوگوں کو ہلاک کرنے میں فرق واضح ہے، کیوں کہ اِہلاک کی پہلی صورت میں جو قوت ہے وہ دوسری صورت میں نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یہ آیت کریمہ ہے:

﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾﴾ [الإسراء : ۸۸]

''فرما دیجیے: ''اگر تمام انسان اور جنّات اِس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی نظیر نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''

تو آپسی تعاون کے باوجود قرآن کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہونا بغیر تعاون کے عاجز ہونے کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے، اسی طرح تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا اگرچہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اِہلاک پر بھی قادر ہونے کی دلیل ہے، مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو تمام زمین والوں کے ساتھ ہلاک کرنا یہ قدرتِ الٰہیہ کی زیادہ قوی دلیل ہے بہ نسبت پہلی صورت کے، کیوں کہ تمام کو ہلاک کرنے کی صورت میں قدرت کا بیان ضمناً ہے برخلاف اِس صورت کے۔

حاصل یہ نکلا کہ نصاریٰ نے جن کو معبود بنا رکھا تھا ان کی ہلاکت کو بیان کرنا اِس جگہ مقصود ہے، اور یہ معنیٰ مفعولِ معہ سے ایسا مکمّل ہوتا ہے جو عطف کے ذریعے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ آپ نے جان لیا۔ اور اِس صورت میں یہ آیت کریمہ اُن

لوگوں کے خلاف زبردست قطعی دلیل ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں اور اِس آیت کریمہ کے ذریعے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ آیت کریمہ میں روزِ روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ زندہ ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک کرنا چاہتے تو کوئی بھی آپ کو بچا نہیں سکتا تھا، معلوم ہوا کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی، اگر آپ کی وفات ہو چکی ہوتی تو اس کو ذکر کرنا صرف قدرت علی الاہلاک کو بیان کرنے سے زیادہ مناسب ہوتا، لیکن مقام کے تقاضے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہلاکت کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی، ورنہ آپ کی ہلاکت کو بیان کرنا نصاریٰ کے لیے مزید خاموش کُن ہوتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہلاکت کو بیان کرنے کے بجائے اپنی قدرت کو بیان فرمایا، پھر اس پر سورۂ نساء میں صراحت کے ساتھ فرمایا:

﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ [النساء : ۱۵۹]

''اور اہل کتاب میں سے ہر ایک آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان ضرور لائے گا۔''

تو اللہ ربّ العزت نے اعلان فرمادیا کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی، اگر آپ کی وفات ہوئی ہوتی تو اسے الوہیت کے رد میں بھی اللہ تعالیٰ بیان فرماتے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ کا درد ِزہ اور آپ کا عام لوگوں کی طرح مولود ہونا ذکر فرمایا، مگر چوں کہ آپ کی ولادت عام لوگوں کی ولادت کے برخلاف نفخ روح کے ذریعے تھی اس لیے اِس انوکھی بات پر متنبہ فرمایا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انسان خلافِ عادت نفخ روح کے ذریعے پیدا ہونے کی وجہ سے معبود نہیں بن جاتا، وہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی معبود ہے جو اپنی مشیت کے مطابق پیدا فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا آپ کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تشریف لائیں تاکہ لوگ آپ کو دیکھ لیں کہ جس طرح لوگ پیدا ہوتے ہیں آپ بھی پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا دیکھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کی ولادت کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ فرمایا، جب کہ آپ کی وفات کا ذکر اشارۃً بھی نہیں فرمایا، حالانکہ آپ کی وفات کا ذکر نصاریٰ کی حجّت کے خلاف دلیل قاطع ہوتا۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ ایسی حجّت قویہ ہے کہ باطل اس کے قریب بھی نہیں آسکتا۔

اور جب واوِ عطف اور مفعولِ معہ کا فرق آپ نے سمجھ لیا تو یہ جان لیں کہ آیت کریمہ میں "وَأَرْجُلَكُمْ" نصب کے ساتھ مفعولِ معہ ہے، اس میں شرکت فی الفعل کے معنیٰ نہیں ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ پاؤں کا معاملہ مسح رأس کے ساتھ ہے، لیکن یہ معاملہ مسح کا ہے یا غسل کا؟ تو اس سے آیت کریمہ ساکت ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ واو کبھی شرکت فی الحکم کے لیے نہیں بلکہ اعراب کے اشتراک کے ساتھ محض مصاحبت کے لیے

آتا ہے، جس کو میں واوِ معیت کہتا ہوں، اور میں نے یہ بات علّامہ رضی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مستنبط کی ہے جو آپ نے "لَلُبْسُ عَبَاءَةٍ ... الخ" میں فرمائی ہے، اور اِس صورت میں جَر والی قراءت میں بھی واو کا مصاحبت کے لیے ہونا ممکن ہے، نہ کہ افادۂ شرکت کے لیے۔ اور اس میں خوبی یہ ہے کہ آیت کریمہ میں چہرے اور ہاتھ کو ایک جانب ذکر کیا گیا تو سَر اور پاؤں کو دوسری جانب میں ذکر کیا گیا، اس لیے کہ دونوں انواع بعض احکام میں مشترک اور بعض میں مخصوص ہیں، جیسے کہ سَر اور پیر تیمّم میں ساقط ہیں، اور اس کی جانب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اشارہ فرمایا ہے، شاید ''الفوز الکبیر'' میں ہے کہ چہرے اور ہاتھ دونوں کو دھویا جاتا ہے اور دونوں تیمّم میں معتبر ہیں، جب کہ سَر اور پیر کبھی دھونے کے حکم سے ساقط ہوجاتے ہیں، چنانچہ پہلے دونوں (چہرے اور ہاتھ) کا حکم الگ ہے اور بعد والے دونوں (سَر اور پیر) کا حکم الگ ہے، اسی لیے مسح کو بیان کرتے وقت آیت کریمہ میں دونوں کو جمع کیا گیا۔

میرے پاس ایک قدیم تذکرے میں ہے کہ ہاتھ اور چہرے کو تمام اقوال میں دھونے کا حکم ہے، برخلاف سَر اور پیر کے، کیوں کہ شریعت نے سَر اور پیر کے وظیفے کو علاحدہ بیان فرمایا ہے۔ اس تقریر سے بخاری شریف میں مروی حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت جو شارحین کے لیے دشوار ہے وہ بھی حل ہوجاتی ہے کہ "آمَنْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ". شارحین اس سے یہ سمجھے کہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے، حالانکہ یہاں معیت زمانیہ مُراد لینا صحیح نہیں ہے، لہٰذا شارحین تاویلات کرنے پر مجبور ہوئے، حالانکہ مُراد یہ ہے کہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کی ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان کی بقا کے ساتھ مقارن ہوگئی، اس معنیٰ میں معیت درست ہوگی۔

اور یہی مشکل مفسرین کو ایک دوسری آیت میں بھی درپیش ہے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ [الصٰفٰت: ۱۰۲] مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں "مَعَ" یہ "السعي" کا متعلّق ہے، "بَلَغَ" کا نہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ فی الجملہ اقتران سے معیت و مصاحبت کا ثبوت ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ کچھ حضرات کا خیال ہے۔

بخاری شریف کی روایت: "يَكْفِيْكَ الوَجْهَ وَالكَفَّيْنِ" جو نصب کے ساتھ ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے، کیوں کہ یہاں "الكفَّين" مفعولِ معہ ہے، اس میں حکم مجموعے پر دائر ہے، انفرادی طور پر ہر ایک کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

پھر اللہ ربّ العزت کے فرمان: "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ" اور ہمارے قول: "وَامْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ" بغیر باء کے درمیان فرق جان لیں جو کہ ظاہر ہے، اس لیے کہ ''مسح'' بذاتِ خود متعدی ہوتا ہے، جیسے بولا جاتا ہے: "أَوْتَرَهٗ،

وَأَوْتَرَ بِهِ"اور"قَرَأَ الفَاتِحَةَ، وَقَرَأَ بِالفَاتِحَةِ".

علّامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ: ﴿وَهُزِّيٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ﴾ [مریم : ۲۵] کے تحت اس کو بیان فرمایا ہے، حالانکہ "الھزّ" بذاتِ خود متعدی ہے۔ باب الوتر میں ہم اس پر مفصل بحث کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فرق کا خلاصہ یہاں یہ ہے کہ اگر "امسَحُوْا رُؤُوْسَكُمْ" کہا جائے تو مسح کے لیے بغیر تَری کے صرف ہاتھ پھیر دینا بھی کافی ہے، اس لیے کہ لغۃً مسح میں تَری کا اعتبار نہیں ہوتا، لیکن جب معہودِ شرعی کا اعتبار کیا جائے جو کہ تَر ہاتھ کو پھیرنا ہے تو اب "امسَحُوْا" لازم ہوگا، جس کے لیے باء کے ذریعے تعدیہ ضروری ہے۔ اور اِس صورت میں "وَامْسَحُوْا" کے معنیٰ ہوں گے: "افعَلُوْا فِعْلَ المَسْحِ" یعنی معہود مسح جو تَر ہاتھوں کے ذریعے ہوگا۔

اور چوں کہ عامۃً اہل عرب عمامہ نہیں پہنتے تھے اس لیے قرآن میں ان کے عرف کے مطابق فرمایا گیا: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ عمامے کو ذکر نہیں فرمایا، اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کی عامۃً روایات میں عمامے پر مسح کا ذکر نہیں ہے، اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ پہنا تھا تو وہاں راوی نے اس کو ذکر کیا ہے، جیسے سنن ابی داود کی روایت میں مسح کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسح فرمایا لیکن اپنے عمامے کو نہیں کھولا۔

مسحِ رأس کی مقدار:

پھر میرے نزدیک آیت کریمہ میں مسح کے متعلّق کوئی اجمال نہیں ہے، جیسا کہ ہمارے علماء نے اس کی تقریر فرمائی ہے، اور چوتھائی سَر کے مسح پر اقتصار اس لیے ہے کہ اس سے کم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اگر چوتھائی سَر سے کم کا مسح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوتا تو ہم اسی کی فرضیت کے قائل ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ہمیں معلوم ہوا کہ فرض مسح چوتھائی سَر کا ہے، اگر پورے سَر کا مسح فرض ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوتھائی حصے تک کمی نہ فرماتے، اسی طرح اگر فرض مسح چوتھائی سَر سے کم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بھی بیانِ جواز کے لیے عمل فرماتے، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھائی سَر کے مسح پر اکتفا فرمایا اور اس سے کم مقدار کا مسح نہیں فرمایا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ مقدار فرض ہے، اِس باب میں بلاشبہ ہمارا مذہب زیادہ محتاط ہے، حتیٰ کہ بعض شافعیہ نے بھی اس کا اعتراف فرمایا ہے۔

خبرِ واحد کے ذریعہ قرآن میں زیادتی:

"قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ"...... میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اصولی مسئلہ بیان کرنے کی جانب توجّہ فرمائی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ خبرِ واحد کے ذریعے قرآن میں زیادتی جائز ہے، اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض کی مقدار

بیان فرمائی، کیوں کہ قرآن میں مقدار کا ذکر نہیں ہے، اس کی تحقیق مقدّمے میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارے نزدیک اِس مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ خبر واحد کے ذریعے زیادتی رُکنیت اور شرطیت کے درجے میں ممنوع ہے، درجۂ وجوب اور استحباب میں ممنوع نہیں ہے۔ اور غالباً شوافع کا نظریہ اس طرح کے مواقع میں یہ ہے کہ جب حکم فی نفسہٖ قطعی ہو تو طریق کی ظنیت سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لہٰذا خبر واحد اگر چہ فی نفسہٖ ظنی ہے مگر چوں کہ وہ ہم تک حکم قطعی کے پہنچنے کا ذریعہ ہے، لہٰذا اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

جب کہ احناف کا نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد اگر چہ حکم کے معلوم ہونے کا ذریعہ ہے، لیکن وہ حکم کے ساتھ لازم ہے، اور اِس حکم قطعی کی تحصیل میں اُس طریق ظنی سے علاحدگی ممکن نہیں، اور جب حکم سے طریق علم کی علاحدگی ممکن نہیں ہے تو اس کا حکم میں اثر انداز ہونا لازمی ہے، اور فی نفسہٖ حکم کی رعایت درست نہیں، چنانچہ طریق کی ظنیت کا اثر حکم میں یقیناً ہوگا اور وہ حکم کو ظنی بنادے گا۔

بالفاظِ دیگر شافعیہ نے یہاں تجرید اختیار کی اور انھوں نے حالت طریق کا لحاظ کیے بغیر صرف فی نفسہٖ حکم کی طرف توجّہ کی، جب کہ حنفیہ نے حکم اور اس کے طریق دونوں کا لحاظ کیا، لہٰذا احناف کے لیے اِس مجموعے پر ظنیت کا حکم لگانا ضروری ہو گیا، کیوں کہ نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شافعیہ نے قرآنِ کریم کو متن اور حدیث کو شرح کا درجہ دیا ہے، لہٰذا انھوں نے مجموعے سے حکم کو حاصل کیا، جب کہ ہم نے اولاً قرآن سے حکم لیا اور حدیث پر عمل ثانوی درجے میں واجب کیا، تو ہم نے اس کو ایک درجے میں رکھا۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حنفیہ نے اصل راہِ عمل قرآن کو قرار دیا ہے، مگر جس حکم سے قرآن ساکت ہے اس میں جب حدیث وارد ہوئی تو اس کے لیے طریقۂ عمل بنا کر حدیث پر بھی عمل کیا، گویا احناف نے قرآن کے ساتھ حدیث کا جوڑ اس طرح قرار دیا ہے جیسا کہ ظاہر الروایۃ کا جوڑ نوادر کے ساتھ ہے۔

نسخ اور تخصیص میں ایک اہم فرق:

نسخ اور تخصیص کا مسئلہ بھی ہمارے اِس موضوع سے متعلّق ہے، ایک چیز سے دوسری چیز یاد آتی ہے، لہٰذا جان لیں کہ ہمارے نزدیک ناسخ کے نزول کے بعد منسوخ کی قطعیت باقی رہتی ہے، برخلاف تخصیص کے، کہ وہ عام کو ظنی بنا دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ مخصوص ایک وقت تک عام میں داخل رہتا ہے، تو گویا کہ مخصِص کے لاحق ہونے کے بعد اُس نے عام میں سے چند افراد کو خارج کر دیا، تو مخصوص حجت نہ رہا، لہٰذا یہاں ذہن میں علت مشترکہ کی وجہ سے دیگر

افراد کی تخصیص کا بھی احتمال رہتا ہے، برخلاف ناسخ کے، اس لیے کہ ناسخ زماناً منسوخ سے مؤخر ہوتا ہے، لہٰذا وہ حجّت رہے گا، چنانچہ جب ناسخ نازل ہوا اور اس وقت منسوخ محکم اور حجّت تھا تو ناسخ اس کی قطعیت میں اثر انداز نہیں ہوگا۔

اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوگا کہ ناسخ میں تعلیل کرنا ممنوع ہے، لیکن مخصوص میں تعلیل کرنا ممنوع نہیں ہے، اس لیے کہ ناسخ میں تعلیل کرنے سے اور بھی کچھ افراد کو حکم سے نکالنا لازم آئے گا، حالانکہ نص نے چند معلوم افراد ہی کو حکم سے خارج کیا ہے، تو ناسخ میں تعلیل کرنے سے نص کے ساتھ معارضہ لازم آئے گا، جب کہ مخصوص میں یہ بات نہیں ہے۔



۲ - بَابٌ: لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ بغیر طہارت کے کوئی نماز قبول نہیں ہوگی۔

بعض مرتبہ یہ خیال ہوتا ہے کہ قبولیت کی نفی صحت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبولیت کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے، پہلا معنیٰ تو وہی جو معروف ہے، اور دوسرا وہ جو صحت کے مرادف ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ قبولیت رد کی ضد ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوگی، یہاں تقسیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ طہارت نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔

کیا نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت شرط ہے؟

البتہ نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت کے بارے میں بعض شاذ اقوال ہیں، جیسے بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ باوضو ہو کر سجدۂ تلاوت کرتے تھے، مگر شیخ احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیے میں اس کی نقیض مروی ہے، چنانچہ اس میں بھی تردّد ہے۔

رہی بات نمازِ جنازہ کی تو بعض حضرات بغیر طہارت کے اس کے جواز کے قائل ہیں، شاید ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''صلوٰۃ'' نمازِ جنازہ کے معنیٰ میں پوشیدہ ہے، اور پوشیدگی مسمّٰی میں کسی کمی یا زیادتی کی وجہ سے ہوتی ہے، چنانچہ جب مسمّٰی سے کوئی چیز کم ہو یا زیادہ ہو تو اس بات میں تردّد ہو جاتا ہے کہ وہ مسمّٰی میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے؟ جیسا کہ جیب کترے اور کفن چور کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ لفظ سارق (چور) ان دونوں میں خفی ہے، اسی طرح یہاں بھی نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت میں معنیٰ کی کمی ہونے کے سبب دونوں پر ''صلوٰۃ'' کا اطلاق مخفی ہے، سجدۂ تلاوت میں تو معنیٰ کا نقص ظاہر ہے اور نمازِ جنازہ میں اس وجہ سے نقص ہے کہ اس میں رکوع اور سجود نہیں ہیں۔

ائمۂ اربعہ اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ صلوٰۃ کے مسمّٰی میں داخل ہے، اور سجدۂ تلاوت نماز کے خاص ارکان میں سے ہے، چنانچہ اس کے لیے بھی وہی شرط ہوگی جو نماز کے لیے ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جانب جو نسبت کی گئی ہے کہ آپ کے نزدیک بغیر طہارت کے نماز جائز ہے، تو یہ نسبت غلط ہے۔

۱۳۵ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ". قَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ: "مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" قَالَ: "فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''محدث کی نماز وضوء کیے بغیر قبول نہ ہوگی۔'' حضر موت کے ایک شخص نے سوال کیا: اے ابو ہریرہ! حدث کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: ''بغیر آواز کے یا آواز کے ساتھ ریح خارج کرنا۔''



"مَا الْحَدَثُ؟"...... چوں کہ یہ سوال اُس وقت پوچھا گیا جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے، اس لیے آپ نے جواب میں فساء اور ضراط کا ذکر فرمایا، اس لیے کہ مسجد میں یہی دونوں ہو سکتے ہیں۔ پھر مسجد میں عمداً حدث کرنا ہمارے نزدیک مکروہِ تحریمی ہے اور ایک قول کے مطابق مکروہِ تنزیہی ہے، جیسا کہ ''شرح المنیۃ'' میں ہے، اور ''طبقاتِ مالکیہ'' میں ہے کہ یہ قطعاً حرام ہے۔ میرے نزدیک معتکف ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔

فائدہ:

''الخیر الجاری'' کا مطالعہ کریں جو ملّا محمد یعقوب بمبانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، آپ ''مختصر الحسامی'' کے محشّی ہیں، آپ کی شرح ''الخیر الجاری'' عمدۃ القاری اور فتح الباری کی تلخیص ہے، آپ نے تشریحات عمدۃ القاری سے اخذ کی ہیں اور اس پر فتح الباری کے فوائد کا اضافہ فرمایا ہے۔ اہل ہند کا زیادہ تر مشغلہ علم فلسفہ اور منطق تھا، بہت کم علماء فقہ، حدیث اور اصولِ فقہ کا شغل رکھتے تھے، چنانچہ شیخ محمد عابد ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ میں ایک کتاب تصنیف فرمائی، اسی طرح ''فتاوی ابراہیم شاہی، مجمع سلطانی'' اور ''خاقانی'' ہیں، جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسی طرح لاہور کے ایک عالم کی مطالب المؤمنین بھی ہے، علم حدیث کا مشغلہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تین پشتوں تک رہا، پھر ختم ہو گیا۔



٣ - بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُونَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوءِ

١٣٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ: "رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ، فَقَالَ: "إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ".

ترجمہ: یہ باب وضوء کی فضیلت اور وضوء کی برکت سے جن کے اعضاء چمک دار ہوں گے ان کے بیان میں ہے۔

حضرت نعیم مجمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "میری اُمّت کو قیامت کے دِن اس حال میں بلایا جائے گا کہ آثارِ وضوء سے ان کے اعضائے وضوء چمک رہے ہوں گے، لہٰذا تم میں سے جو بھی اپنی چمک کو بڑھانا چاہے وہ بڑھا لے۔"



یہاں "فضل" فضیلت اور باقی ماندہ کے معنیٰ میں ہے، صرف فضیلت کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ جاننا چاہیے کہ نماز بنی اسرائیل میں بھی تھی، نسائی شریف میں ہے کہ اُن پر دو نمازیں فرض تھیں، بیضاوی میں جو روایت ہے کہ اُن پر پچاس نمازیں فرض تھیں، یہ درست نہیں، اور جب بنی اسرائیل پر نماز کی فرضیت ثابت ہے تو بعید نہیں کہ وضوء بھی فرض ہو۔ بخاری شریف میں حضرت سارہ رحمہا اللہ کا وضوء ثابت ہے، اور ترمذی شریف میں ہے کہ "هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ". یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے۔ چنانچہ فی الجملہ اُمم سابقہ میں وضوء کا ثبوت ملتا ہے۔

اِس اُمّت کے اعضائے وضوء روشن ہونے کی وجہ:

جب وضوء ہمارے اور اُمم سابقہ کے درمیان مشترک ہے تو بطورِ خاص اسی اُمّت کے اعضائے وضوء روشن ہونے

کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا وضوء اُن کے مقابلے میں زیادہ ہے، کیوں کہ ہم پر دِن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، لہٰذا ہمارا وضوء ان سے بڑھ گیا۔

کسی نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اعضائے وضوء کا روشن ہونا اِطالۃ (اسباغِ وضوء) کے سبب سے ہے، اور شاید اِسباغِ وضوء اُمم سابقہ میں نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ تب تو اِس اُمّت کا جو شخص اپنے اعضائے وضوء کی روشنی کو نہ بڑھائے تو اسے نفس روشنی بھی حاصل نہ ہونی چاہیے، حالانکہ میرے نزدیک نفسِ روشنی صرف وضوء کی وجہ سے ہے اور روشنی میں اضافہ اسباغِ وضوء کی وجہ سے ہے، لہٰذا اعضائے وضوء کا چمکنا صرف اِسباغِ وضوء کی وجہ سے ہو یہ میرے نزدیک درست نہیں ہے۔

مجھے اِس باب میں تلاشِ بسیار کے بعد صرف ایک روایت مل سکی ہے جو ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی ''حلیۃ الاولیاء'' میں اِس امّت کے اوصاف میں مروی ہے: "مُتَوَضِّئِيْنَ الأَطْرَافِ". اور تورات میں ہے کہ ''میں تختیوں میں ایسی امّت کو پاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والی اور وضوء کرنے والی ہوگی، اے میرے رب! اسے میری اُمّت بنادے۔''

دارمی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

نجده مكتوبًا محمد رسول الله ﷺ لا فظ ولا غليظ، ولا صخَّاب بالأسواق، ولا يجزي بالسيئة السيئة، ولكن يعفو ويغفر، وأمته الحمادون يكبرون الله عزوجل على كل نجد، ويحمدونه في كل منزلة، ويتأزَّرُون على أنصافهم، ويتوضؤون على أطرافهم، مناديهم ينادي في جو السماء، صفهم في القتال وصفهم في الصلاة سواء، لهم بالليل دوي كدوي النحل، ومولده بمكة، ومهاجره بطيبة، وملكه بالشام. (سنن الدارمي، رقم:۵)

''ہم (تورات میں) یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ سخت گو ہیں، نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، وہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیں گے، بلکہ عفوو درگزر فرمائیں گے، آپ کی اُمّت اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والی ہوگی، وہ لوگ ہر اونچائی پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں گے اور ہر ڈھلان پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے، پنڈلیوں کے آدھے حصے تک اِزار پہنیں گے، اپنے اعضاء پر وضوء کریں گے، ان کا مؤذّن کھلے آسمان میں اذان دے گا، ان کی صفیں جنگ اور نماز میں برابر ہوں گی، رات کے وقت ان کی تلاوت کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح سُنائی دے گی، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت مکہ ہوگی، آپ کی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہوگی اور حکومت ملک شام تک پھیل جائے گی۔''

اِس سے مجھے پتا چلا کہ اِس اُمّت کے وضوء کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو اُمم سابقہ میں نہیں تھیں، اسی لیے ہمارا

وضوء ہمارا وصف مشہور بن گیا۔ اور میرا خیال ہے کہ اُمم سابقہ میں وضوء صرف حدث پیش آنے کے وقت تھا، جب کہ اِس اُمّت کے لیے نمازوں کے وقت بھی وضوء کرنا ہے، یہی اِس آیت کریمہ کی مُراد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ [المائدة: ٦]

چنانچہ اِس اُمّت سے ہر نماز کے وقت وضوء مطلوب ہے، اگرچہ واجب نہیں، وضوء صرف حدث ہی کے وقت کرنا ہے یہ معنیٰ نہیں۔

اسی وجہ سے میں اِس آیت کریمہ میں "وَأَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ" کو مقدّر نہیں مانتا، جیسا کہ دیگر حضرات مانتے ہیں، کیوں کہ اِس تقدیر کے ماننے سے شارع علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ بات یعنی ہر نماز کے لیے وضوء کرنا پوشیدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ نیز ابوداود میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نماز کے لیے وضوء کا حکم فرمایا ہے، خواہ باوضوء ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اندر اِس بات کی قوت پاتے تھے تو آپ ہر نماز کے لیے وضوء فرماتے تھے، لہٰذا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مطلوب اور پسندیدہ بات یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے وضوء کیا جائے، صرف حدث پیش آنے ہی کے وقت نہیں، نیز اس کو ہمارے فقہائے کرام نے بھی مستحب قرار دیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اعضائے وضوء کا روشن ہونا اِس اُمّت کی خصوصیت ہے، تو اب اِس اُمّت اور اُمم سابقہ کے درمیان کوئی التباس نہیں رہے گا، کیوں کہ ہر اُمّت اپنے نبی کے ساتھ کھڑی ہوگی، ہاں، التباس اِس اُمّت کے ایسے شخص کا ہوگا جو وضوء نہیں کرتا تھا، کیوں کہ اسے یہ علامت حاصل نہ ہوگی، ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگ جامِ کوثر سے بھی محروم رہیں۔ تو یہ ان کے لیے وضوء کی حکمت ہے جو احکامِ شرعیہ کی حکمتیں جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔

بعض حضرات نے مسح رأس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے، حالانکہ یہ ساری حکمتیں کسی روایت سے مستند نہیں ہیں۔ مجھے اِس باب میں ایک روایت ملی ہے جو علّامہ عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الترغیب والترہیب'' میں بیان فرمائی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں سَر پر مسح کرتا ہوگا وہ قیامت کے دِن پراگندہ بال نہیں ہوگا، اس کا سَر پُرسکون ہوگا، اور جو ایسا نہیں ہوگا وہ پراگندہ بال ہوگا۔

علماء نے حکمتوں کے بیان میں کئی تصانیف فرمائی ہیں، جن میں سے ایک شیخ عزّالدین شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''القواعد الکبریٰ'' ہے، جس کا ایک حصّہ میرے پاس موجود ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' وغیرہ ہیں۔

پھر فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اسباغِ وضوء نصف پنڈلی اور نصف بازو تک ہے، اور غرّہ (پیشانی کا روشن ہونا) کے باب میں صرف ابوداود شریف کی روایت مجھے معلوم ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ثم أخذَ بكفِّهِ اليمنى

قبضةً من ماءٍ فصبَّها على ناصِيَته، فتركها تَستَنُّ على وجهِهِ'' (سنن أبي داود، رقم:۱۱۷)'' آپ جب وضوء فرما کر فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلّو بھر کر اپنی پیشانی پر چھڑکا، حتیٰ کہ پانی آپ کے سینے اور ڈاڑھی پر ٹپکنے لگا۔ شارحین کے لیے اس کی شرح مشکل ہوگئی، کیوں کہ اِس میں بظاہر تعداد میں اضافہ ہے جو کہ ممنوع ہے، لہٰذا بعض حضرات نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ عمل ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ عمل اطالۂ غرہ (اسباغِ وضوء) کے لیے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔



٤ - بَابٌ: لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ

١٣٧ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّهُ شَكَا إِلىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الرَّجُلُ الَّذِي يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ". فَقَالَ: "لَا يَنْفَتِلْ أَوْ: لَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ شک کی وجہ سے وضوء نہ کرے جب تک کہ حدث کا یقین نہ ہو۔

حضرت عباد بن تمیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا (حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تکلیف پیش کی کہ ایک شخص کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اسے نماز کے دوران کچھ (خروجِ ریح جیسا) محسوس ہوتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نماز سے نہ ہٹے، یا نہ لوٹے، جب تک کہ (خروجِ ریح کی) آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے۔''



مالکیہ نے تفصیل کی ہے کہ جب نماز کے دوران وضوء کے متعلّق شک ہوجائے اور وضوء کر لینے کے بعد وضوء ٹوٹنے کا شک ہوجائے، تمام صورتوں میں انھوں نے الگ الگ حکم ذکر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک مسئلہ وہی ہے جو فقہ میں مذکور ہے۔

"حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا" ...... یہ حدث کے یقین کا کنایہ ہے۔ اور ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ ہم نے کنایہ اور مجاز کے فرق کو مقدّمے میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے، جو بہت اہم ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور عن قریب شرح میں مزید تفصیل آئے گی۔



٥ - بَابُ التَّخْفِيفِ فِي الْوُضُوءِ

١٣٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ صَلَّى". وَرُبَّمَا قَالَ: "اضْطَجَعَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى".

ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا، يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ، وَقَامَ يُصَلِّي، فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: "عَنْ شِمَالِهِ"، فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ، فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِي فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ". قُلْنَا لِعَمْرٍو: "إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: "إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ". قَالَ عَمْرٌو: "سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ: "رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ". ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾

ترجمہ: یہ باب وضوء میں تخفیف کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے یہاں تک کہ خرّاٹے لینے لگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی، راوی نے بعض مرتبہ کہا کہ لیٹ گئے یہاں تک کہ خرّاٹے لینے لگے، پھر آپ نے اٹھ کر نماز ادا فرمائی۔

پھر سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مرتبہ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے کریب رحمۃ اللہ علیہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک رات گزاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو بیدار ہوئے، جب رات کا کچھ حصّہ گزر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر لٹکے ہوئے مشکیزے سے ہلکا سا وضوء فرمایا، راوی عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کبھی اس وضوء کا ہلکا پن ذکر کرتے ہیں اور کبھی قلّت کو ذکر کرتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح وضوء کیا، پھر میں آکر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ "عَنْ يَسَارِهِ" کے بجائے "عَنْ شِمَالِهِ" کا لفظ ذکر کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پھیر کر اپنی دائیں جانب کر لیا، پھر نماز پڑھی جتنی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، پھر آپ لیٹے اور سو گئے یہاں تک کہ خرّاٹے لینے لگے، پھر مؤذّن نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی، تو آپ ان کے ساتھ نماز کے لیے تشریف لے گئے، پھر نماز پڑھی حالانکہ وضوء نہیں فرمایا۔ (راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ہم نے عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں، آپ کا دِل مبارک نہیں سوتا، عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے عبید بن عمیر کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۱۰۲]



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وضوء میں تھوڑے سے دھونے کو ضبط فرمانا چاہتے ہیں، جو کہ مشکل ہے، اس لیے لفظ تخفیف ذکر فرمایا ہے، اور تخفیف کبھی کم پانی کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی تعدادِ غسل کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

"نَامَ حَتّٰى نَفَخَ"...... یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے سے مُراد نفل نماز کے درمیان سونا ہے یا نوافل سے فارغ ہو کر سنّت فجر سے پہلے سونا مُراد ہے، اور یہی ظاہر ہے۔

"تَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ"...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس وضوء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ نہیں دھوئے، اور دونوں ہاتھوں کو دھونے سے مُراد وضوء کے شروع میں دونوں پہنچوں تک ہاتھ کو دھونا ہے۔ معلوم نہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مفہوم کہاں سے اخذ فرمایا ہے۔

"وُضُوْءًا خَفِيْفًا"...... تخفیف سے مُراد پانی کم بہانا ہے اور تقلیل سے مُراد تعدادِ غسل میں کمی کرنا ہے، مسلم شریف کی روایت میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس رات دو مرتبہ وضوء فرمایا، ایک مرتبہ قضائے حاجت سے فراغت کے بعد جب آپ نے سونے کا ارادہ فرمایا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چہرے اور ہاتھ ہی کو دھویا، اور دوسری مرتبہ جب

آپ نماز کے لیے بیدار ہوئے تب وضوء فرمایا، یہ نہیں معلوم کہ دونوں وضوء میں سے کونسا وضوء مُراد ہے، غالباً تخفیف اور تقلیل کا تعلق پہلے وضوء سے ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۃ الباب دونوں صورتوں میں ثابت ہے۔

وضوء کی ایک اور نوع:

نیز اِس حدیث سے وضوء کی ایک اور نوع معلوم ہوئی جس میں صرف چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے جاتے ہیں، یہ نوع قرآنِ پاک کے اسلوبِ بیان سے نکلتی ہے، جہاں قرآن نے سَر اور پیر کے درمیان مصاحبت کی جانب اشارہ کیا، چنانچہ جب نیند کے وضوء میں دونوں میں سے ایک ساقط ہو گیا تو دوسرا بھی ساقط ہو گیا، دیکھیے! کیسے مصاحبت آشکارا ہو رہی ہے، نیز یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ چہرے اور ہاتھ کا حکم الگ ہے، جب کہ سَر اور پیر کا حکم الگ ہے، لہٰذا جب بھی چہرہ دھویا جائے گا تو اس کے ساتھ دونوں ہاتھ بھی دھوئے جائیں گے اور جب سَر کا وظیفہ (مسح) ساقط ہوگا تو پیر کا وظیفہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

پھر جاننا چاہیے کہ قرآن جس عنوان کو بیان کرتا ہے اس کا کسی بھی درجے میں معمول بہٖ ہونا ضروری ہوتا ہے، یہ عنوان محض نظری اور علمی نہیں ہوتا، جیسے اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ﴾ [البقرۃ: ۱۱۵]

''اور مشرق و مغرب (سب) اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، لہٰذا تم جدھر بھی رُخ کرو ادھر اللہ تعالیٰ کی توجّہ ہے۔''

یہ ایک عام عنوان ہے، اس میں تمام جہت کی جانب رُخ کرنا مُراد نہیں ہے، لیکن یہ محض علمی عنوان بھی نہیں ہے، بلکہ نفل نماز میں اس کا معمول بہٖ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ ربّ العزت کے ارشاد ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭﴾ [طٰہٰ: ۱٤] کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز ذکر میں منحصر ہے، یہ اگرچہ تمام احوال میں معمول بہٖ نہیں ہے لیکن محض عقلی بات بھی نہیں ہے، بلکہ اس پر صلوٰۃ الخوف میں عمل ہوگا، جیسا کہ علّامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب خوف کی حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہو جائے تو تکبیر کافی ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ حائضہ عورت وضوء کر کے نماز کے وقت میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گی۔ یہ تمام مثالیں قرآن کے عنوان پر کسی نہ کسی درجے میں عمل کرنے کی ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ عنوانِ قرآن معمول بہٖ رہنا چاہیے، خواہ کسی بھی شکل اور درجے میں ہو، اور جب قرآنِ کریم نے چہرے اور ہاتھ کو ایک جانب بیان کیا اور سَر اور پیر کو دوسری جانب بیان کیا، حالانکہ پیر کا حکم بھی غسل کا ہے، تو ضروری ہے

کہ اِن دونوں کا اور اُن دونوں کا کوئی حکم خاص بھی ہو، اور اُسی حکم خاص پر نیند اور تیمّم میں عمل ظاہر ہوتا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنابت کے وضوء کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں پیر کو دھوئے بغیر جو سَر کے مسح کا ذکر ہے میرے نزدیک مسلّم نہیں ہے، جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ آپ نے وضوء میں تین اعضاء کو شامل کر کے چوتھے کو چھوڑ دیا ہو، لہٰذا اس روایت کو وضوئے کامل پر محمول کیا جائے گا جس میں پیروں کا دھونا بھی شامل ہے، اور اختصار راوی کی طرف سے ہوا ہے۔

"فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ"...... اس کا طریقہ مسلم شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے سے میرے ہاتھ کو پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب کر دیا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ دورانِ نماز اگر کوئی کراہت کی چیز پیش آئے تو اس کو دور کرنا ضروری ہے۔

"ثُمَّ صَلّٰى مَا شَاءَ اللهُ"...... اس بارے میں روایات کا اختلاف آپ کو معلوم ہو چکا۔

"ثُمَّ اضْطَجَعَ"...... اس میں لیٹنے کی صراحت ہے، اس لیٹنے کے بارے میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ اللیل کے بعد تھا یا فجر کی سنّت کے بعد، حالانکہ یہ لیٹنا سنّت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اس طرح لیٹتا ہے تو اسے ان شاء اللہ اتباع کا اجر ضرور ملے گا۔ لیکن یہ لیٹنا سنّت بالکل نہیں ہے۔ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں تفرد ہے کہ وہ اِس لیٹنے کو فجر کی نماز صحیح ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، لیکن جب انھوں نے یہ رائے اپنائی تو اس میں شدّت برتی ہے۔

"تَنَامُ عَيْنُهٗ"...... یہ کشف کی طرح کیفیات کے قبیل سے ہے، مگر یہ بحالت بیداری ہے، جس پر کشف ہوتا ہے وہ اسی طرح چیزیں دیکھتا ہے جو دوسرے لوگ بحالت بیداری دیکھتے ہیں، لیکن لیلۃ التعریس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکوینی طور پر نیند طاری کر دی گئی تھی۔ حدیث پاک میں وارِد ہے کہ "إِنِّيْ أُنَسَّىٰ لِأَسُنَّ" کہ مجھ پر (من جانب اللہ) نسیان اس وجہ سے طاری کیا جاتا ہے تاکہ (احکام و مسائل کے سلسلے میں) لوگوں کے لیے طریقہ رائج کر سکوں۔

"رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ"...... میں کہہ چکا ہوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب میں بھی تقسیم ثلاثی کا احتمال ہے، اور اس اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "إِنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِه" جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خواب دیکھ کر فرمایا تھا اس میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ شارحین نے اس کی تاویل اس وجہ سے کی ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی دو ہی قسمیں قرار دی ہیں۔ اسے خوب سمجھ لیں۔



٦ - بَابُ إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ الإِنْقَاءُ".

١٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: "دَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ، فَقُلْتُ: "الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللهِ!" فَقَالَ: "الصَّلَاةُ أَمَامَكَ". فَرَكِبَ، فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ، فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّى، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا".

ترجمہ: یہ باب وضوء کو مکمّل کرنے کے بیان میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اِسباغِ وضوء سے مُراد اعضائے وضوء کو صاف کر کے دھونا ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ سے روانہ ہوئے، حتیٰ کہ جب گھاٹی میں پہنچے تو سواری سے اتر کے قضائے حاجت سے فارغ ہوئے، پھر وضوء فرمایا، حالانکہ وضوء خوب اچھّی طرح نہیں فرمایا، میں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: نماز آگے جا کر پڑھنی ہے، پھر آپ سوار ہو گئے، جب مزدلفہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری سے اتر کر وضوء فرمایا تو خوب اچھّی طرح وضوء فرمایا، پھر نماز کھڑی ہوئی تو آپ نے مغرب کی نماز ادا فرمائی، پھر ہر ایک نے اپنی سواری اپنی جگہ بٹھا دی، پھر عشاء کی نماز کھڑی ہوئی تو آپ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، اور اِن دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔"



اسباغ کا مطلب:

اِسباغِ وضوء کا مطلب اعضاء کو پانی ٹپکنے تک دھونا ہے، جس میں صرف پانی بہا دینا نہ ہو اور نہ ہی زیادہ پانی کا

اسراف ہو، نیز اِسباغ کا مطلب یہ بھی ہے کہ اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا جائے اور اچھی طرح وضوء کیا جائے جس سے اعضائے وضوء روشن ہوں۔

"وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ"......اِس سے وضوئے ناقص مُراد ہے، یا تعدادِ غسل میں کمی مُراد ہے۔ فقہائے کرام نے کسی عبادت کے بغیر اور مجلس کی تبدیلی کے بغیر مکرّر وضوء کو مکروہ قرار دیا ہے اور اس مسئلے کو مفصل ذکر کیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اگر پہلے مکمّل وضوء فرمایا ہو تب بھی اِس مکرّر وضوء میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی مجلس بدل گئی۔ یا یہ توجیہ کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ جو وضوء فرمایا تھا اس میں تخفیف فرمائی تھی، لہٰذا جب آپ مزدلفہ پہنچے اور پانی پایا تو اکمل الطہارتین کو حاصل کرنے کے لیے مکمّل وضوء فرمایا۔ ہم بھی بسا اوقات اس طرح کرتے ہیں کہ جب پانی کم ہو تو وضوء میں صرف فرض مقدار پر اکتفا کر لیتے ہیں، پھر جب پانی کی گنجائش ہوتی ہے تو دوسری دفعہ وضوء کرتے ہیں۔

یہاں یہ توجیہ نہیں کی جا سکتی کہ آپ ﷺ نے پہلے وضوء میں مقدارِ فرض کو پورا نہیں کیا تھا، اس لیے کہ اِس صورت میں راوی کا یہ دریافت کرنا کہ اللہ کے رسول! کیا آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ یہ بے محل ہو جائے گا، کیوں کہ یہ دریافت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا وضوء فرمایا تھا جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لہٰذا بہتر جواب وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

مزدلفہ میں مغرب کو مؤخر کرنا واجب ہے:

"الصَّلَاةُ أَمَامَكَ"......اس سے احناف نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مزدلفہ میں مغرب کو مؤخر کرنا واجب ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے بغیر کسی خاص وجہ کے مغرب کو مؤخر فرمایا، اس لیے کہ مزدلفہ کی جانب روانگی غروبِ شمس کے بعد ہی ہوتی ہے، تو جب مغرب کا وقت ہو جانے کے باوجود اسے نہیں پڑھا تو معلوم ہوا کہ اُس دِن مغرب کا معروف وقت بدل گیا اور اس کا اور عشاء کا وقت ایک ہو گیا، آپ ﷺ کے فرمان: "الصَّلَاةُ أَمَامَكَ" سے یہی مُراد ہے، یعنی یہاں مغرب کا وقت نہیں ہوا ہے۔ برخلاف عرفہ میں عصر کی تقدیم کے، کیوں کہ اس کی ظاہری وجہ ہے، لہٰذا فقہاء نے اس کے لیے شرائط طے کر کے اسے موردِ نص پر منحصر کرتے ہوئے واجب نہیں قرار دیا، لہٰذا عرفہ میں جمع تقدیم وہی کرے گا جو تمام شرائط کی پابندی کرتے ہوئے امام کے ساتھ نماز پڑھے، لیکن مزدلفہ میں ہر ایک شخص دونوں نمازوں کو جمع کرے گا، خواہ منفرد ہو یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو۔

تقدیم عصر اور تاخیر مغرب کی وجہ وقتی عبادت کو ترجیح دینا ہے، کیوں کہ جب نماز اور وقوفِ عرفہ دونوں عبادتیں متعارض

ہوگئیں تو شریعت نے وقتی عبادت کے لیے گنجائش نکالی اور اسے ایسی عبادت پر ترجیح دی جس کا وقت پوری عمر رہتا ہے۔ اور حنفیہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جمع کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، بلکہ یہ معروف طریقۂ کار ہے، چنانچہ احناف نے اس کو سفر میں جمع کرنے پر محمول کیا، دیگر حضرات نے اس کا انکار کرتے ہوئے اسے مناسک کے لیے جمع کرنے پر محمول کیا ہے۔

خبر واحد کے ذریعہ نص قطعی پر زیادتی: ایک تفریع:

جمع ثانی (جمع تاخیر) سے متعلّق ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب کی نماز عرفہ میں پڑھ لے تو یوم النحر کی صبح صادق سے پہلے تک اس کا اعادہ کرے، پھر بھی اگر صبح صادق طلوع ہوجانے تک اعادہ نہیں کیا تو بعد میں اعادہ نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ بھی اُن تفریعات میں سے ایک ہے جن میں خبر واحد کے ذریعے زیادتی کا جواز ہے، کیوں کہ نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا نص قطعی سے ثابت ہے کہ نماز مؤمنین پر وقت مقرّرہ کے ساتھ فرض ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اعتبار اسی نماز کا ہے جو اس کے وقت میں پڑھی جائے اور اس پر قضا واجب نہ ہو، پھر نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنے کے بارے میں خبر واحد وارِد ہوئی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نماز اگر اُس کے معروف وقت میں پڑھی گئی تو وہ واجب الاعادہ ہوگی، لہٰذا اگر ہم طلوعِ فجر کے بعد بھی اس نماز کے اعادے کو جائز قرار دیں تو سِرے سے وقتیہ نماز والی آیت کا عموم ہی باطل ہوجائے گا۔ اس لیے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ خبر واحد کا اعتبار کرتے ہوئے اگر رات باقی ہو تو اس نماز کا طلوعِ فجر سے پہلے تک اعادہ کرلے، لیکن طلوعِ فجر کے بعد نص قطعی کی وجہ سے اعادہ نہ کرے، کیوں کہ اس نے نماز کو اپنے وقت میں پڑھا ہے تو نص قطعی کی وجہ سے اس کا بھی اعتبار کرنا چاہیے، اس طرح دونوں تقاضے جمع ہوگئے کہ نہ تو ہم نے خبر واحد کو بالکل چھوڑ دیا اور نہ ہی آیت کریمہ کو چھوڑا، بلکہ حتی الامکان دونوں کی رعایت کی۔

بالفاظِ دیگر یہ کہا جائے گا کہ جمع بین الصلاتین کی خبر واحد (ظنی) پر عمل کرنا صرف طلوعِ فجر سے پہلے تک ہی ممکن ہے، اس لیے کہ عشاء کا وقت باقی رہتا ہے، اگر اس میں اعادہ کرلے تو جمع بین الصلاتین ہوجائے گا، لیکن طلوعِ فجر کے بعد خبر واحد پر عمل فوت ہوجائے گا، وقت ختم ہوجانے کی وجہ سے جمع بین الصلاتین ممکن نہیں رہے گا، لہٰذا طلوعِ فجر کے بعد اعادہ واجب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، پھر بھی اگر ہم طلوعِ فجر کے بعد اعادے کو واجب قرار دیں تو خبر واحد پر عمل کے فوت ہونے کے ساتھ نص قطعی کا ترک بھی لازم آئے گا، جو کہ غیر معقول بات ہے۔

جمع بین الصلاتین کے وقت دونوں نمازوں کے درمیان نفل کا حکم:

پھر جمع سے متعلّق ایک مسئلہ یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل یا اور کوئی بھی نماز نہ پڑھی جائے، جیسا کہ

عارف باللہ علّامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''المناسک'' میں مذکور ہے، میں نے اِس مسئلے کو اِس کتاب کے علاوہ کہیں نہیں دیکھا۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدلفہ پہنچے تو آپ نے سواری سے اتر کر مکمّل وضوء فرمایا، پھر نماز کھڑی ہوئی تو آپ نے نماز پڑھی، پھر ہر ایک نے اپنی سواری کو اپنی جگہ بٹھا دیا، پھر عشاء کی نماز کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی، لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کے بعد اپنی سواریاں بٹھائیں، وجہ الجمع یہ ہے کہ بعض لوگوں نے عشاء کی نماز سے پہلے اور بعضوں نے نماز کے بعد سواریاں بٹھائیں۔

نیز مسائل جمع میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ مزدلفہ میں جمع تاخیر ایک اذان واقامت کے ساتھ ہوگی، لیکن اگر دونوں نمازوں کے درمیان کسی وجہ سے فاصلہ ہوجائے تو دوسری نماز کے لیے بھی اقامت کہی جائے گی، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں گزرا۔



٧ - بَابُ غَسْلِ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

١٤٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ مَنْصُورُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ بِلَالٍ ـ يَعْنِي سُلَيْمَانَ ـ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ، أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هٰكَذَا، أَضَافَهَا إِلٰى يَدِهِ الْأُخْرٰى، فَغَسَلَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى حَتّٰى غَسَلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً أُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهُ، يَعْنِي الْيُسْرٰى، ثُمَّ قَالَ: "هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ".

ترجمہ: یہ باب ایک چلّو سے دونوں ہاتھ کے ذریعے چہرے کو دھونے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے وضوء کیا تو اپنے چہرے کو دھویا، اور ایک چلّو پانی لیا، پھر اس سے کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر ایک چلّو پانی لے کر اسی طرح کیا، یعنی دوسرے ہاتھ کو ساتھ ملا کر دونوں ہاتھ کے ذریعے اپنا چہرہ دھویا، پھر ایک چلّو پانی لے کر اُس سے اپنا دایاں ہاتھ دھویا، پھر ایک چلّو پانی لے کر اُس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر ایک چلّو پانی لے کر اپنے دائیں پیر پر چھڑکا، حتیٰ کہ اسے دھولیا، پھر ایک چلّو پانی لے کر اس سے اپنا بایاں پیر دھویا، پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح وضوء کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"



"الغُرْفَةُ" یہ "اللُقْمَةُ" کی طرح اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ اور "الغَرْفَةُ" غین کے فتحہ کے ساتھ اسم مرّہ ہے، یہی زیادہ فصیح ہے۔

"فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ اليُمْنٰى" ...... اس کو "رَش" سے تعبیر کیا، اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے

اپنے پیر پر مارا اور اسے تھوڑا تھوڑا کر کے دھویا، سنن ابی داود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''أخذَ حَفْنةَ من ماءٍ فضرَبَ بها على رجلِهِ وفيها النَّعلُ ففتَلَها بها، ثمَّ الأخرى مثل ذلك'' (سنن أبي داود، رقم:۱۱۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی کا ایک چلّو لے کر اپنے پیر پر مارا، پیر میں جوتیاں تھیں، جن کو آپ نے ہٹایا، پھر دوسرا پیر بھی اسی طرح دھویا۔ ہوسکتا ہے یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو، میں نے اس کو اس لیے نقل کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ کبھی صرف پانی بہا دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ چھڑکنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔



٨ - بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الْوِقَاعِ

ترجمہ: یہ باب ہر حال میں اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے بیان میں ہے۔

وضوء سے قبل تسمیہ کا حکم:

جان لیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی وجوبِ تسمیہ کا قائل نہیں ہے، صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شاذ روایت منقول ہے، حالانکہ ترمذی میں آپ سے منقول ہے کہ اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ اِس باب میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضرور کوئی قابل عمل روایت ہوگی، خواہ ادنیٰ مرتبۂ حسن ہی کی روایت ہو، ورنہ آپ سے وجوب کا یہ قول منقول نہ ہوتا۔ احناف میں سے علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ متفرد ہیں، آپ وجوبِ تسمیہ کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اِس باب میں وارِد احادیث ایک دوسری کی تائید سے درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہیں، لہٰذا تعددِ طرق کی وجہ سے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے۔ اور شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی وجوب کے قائل ہیں جیسا کہ آپ کے رفیق سفر داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ بھی وجوب کے قائل ہیں۔ پہلے میرا خیال یہ تھا کہ داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کوئی محقق آدمی نہیں ہیں، پھر جب میں نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ آپ جلیل القدر اور بلند پایہ عالم ہیں۔

امام بخاری کا ایک خاص طرزِ عمل:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ترجمۃ الباب میں وضوء کی صراحت اس وجہ سے نہیں فرمائی کہ اِس باب میں مروی احادیث کی تحسین کی جانب آپ کی طرف سے اشارہ نہ ہو، اور ترمذی کی حدیث آپ کے نزدیک اِس ترجمۃ الباب کے بھی قابل نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بلند معیار دیکھیے کہ دیگر ائمہ اپنے ابواب کے تحت جن احادیث کی تخریج فرماتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنے ترجمۃ الباب میں بھی ذکر نہیں فرماتے، بلکہ اس کی طرف اشارہ بھی پسند نہیں فرماتے، حالانکہ اِس ترجمۃ الباب میں آپ کا مقصد وضوء کے وقت بسم اللہ کا اثبات ہی ہے، مگر چوں کہ اِس باب میں بطورِ خاص آپ کے نزدیک کوئی معتبر حدیث نہیں تھی اس لیے آپ نے عمومات سے دلیل حاصل کر کے وضوء کو اُن کے تحت داخل

قرار دیا اور اس کے ساتھ جماع کو بھی بیان فرمایا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ تسمیہ جب جماع سے پہلے مشروع ہے تو وضوء کے وقت بدرجۂ اولیٰ مشروع ہونا چاہیے، گویا یہ نظائر سے استدلال ہے۔

کبھی میرے دِل میں یہ بات آتی تھی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اِتنے سارے قیاس موجود ہیں پھر آپ قیاس کا اِنکار کیسے کر سکتے ہیں؟ پھر میرے سامنے یہ بات آئی کہ آپ تنقیح مناط پر عمل کرتے ہیں، اِس پر کسی شارح نے توجّہ نہیں دِلائی، چنانچہ یہ حدیث اگر چہ جماع کے ایک ہی جزیئے کے بارے میں وارِد ہے، لیکن تنقیح مناط کے بعد وہ عام ہو گئی، لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حال میں بسم اللہ پڑھنے کا باب قائم فرمایا۔

عمومی احوال میں تسمیہ کا حکم:

میں کہتا ہوں کہ نظر معنوی کا تقاضا یہ ہے کہ تسمیہ ہر حال میں واجب ہو، کیوں کہ شیطان مسلسل انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے، وہ اپنی دسیسہ کاری کا کوئی موقع نہیں چھوڑتا، مثلاً قضائے حاجت کے وقت انسان کے مقعد سے کھیلتا ہے، کھانے پینے اور جماع میں شریک ہو جاتا ہے، برتنوں کو گندا کر دیتا ہے، جب کوئی سترہ قائم نہ کیا ہو تو نماز میں خلل ڈالتا ہے، وضوء میں وسوسے ڈالتا ہے، سوتے وقت ناک کے بانسے پر بیٹھ جاتا ہے، جب نماز میں بندہ ''ہا'' کہتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہنستا ہے، وغیرہ ایسے بہت سے مفاسد ہیں جو شریعت نے بیان کیے ہیں، اِن تمام سے چھٹکارا بسم اللہ پڑھنے ہی سے مل سکتا ہے۔

پھر یہ بات واضح ہے کہ وجوب وحُرمت کا ترتّب نظر معنوی پر نہیں ہوتا، بلکہ دونوں کا تعلق شارع کے امر و نہی سے ہے، لہٰذا جب شارع کی جانب سے امر یا نہی ہو گی تو وہ چیز واجب یا حرام ہو گی، اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ تمام واجبات منافع پر اور محرّمات نقصان پر مشتمل ہیں، مگر اس کا عکس ضروری نہیں ہے، بسا اوقات کوئی چیز مضر ہوتی ہے پھر بھی شارع کی جانب سے لوگوں پر شفقت و رحمت کے خاطر اسے حرام نہیں قرار دیا جاتا، اور بسا اوقات کسی شئے میں بڑا فائدہ ہونے کے باوجود شارع کی جانب سے اس کا حکم نہیں دیا جاتا، البتہ وہ چیز خیر خواہی والی ضرور ہوتی ہے، مثلاً حالت جنابت میں سونا، ملائکہ ایسے شخص کے جنازے میں حاضر نہیں ہوتے، اس سے بڑا نقصان کیا ہو سکتا ہے؟ پھر بھی بندے کی آسانی کے لیے غسل (فوری طور پر) واجب نہیں کیا گیا، بے شک دین آسان ہے۔

---

١٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَبْلُغُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ

إِذَا أَتَىٰ أَهْلَهُ قَالَ: "بِاسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری سے پہلے یہ پڑھے کہ ''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا لیجیے اور جو (اولاد) آپ ہمیں عطا فرمائیں اس سے شیطان کو دور رکھیے، پھر اگر دونوں کے مقدّر میں اولاد ہوگی تو اسے شیطان نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''



"لَمْ يَضُرَّهُ"......اس جیسے الفاظ کے ساتھ جب ضمیر لاحق ہو تو ضمہ متعین ہو جاتا ہے، امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے، اس میں "لَمْ يَمُدَّ" کی طرح تینوں وجہیں (فتحہ، کسرہ اور فک ادغام) جاری نہیں ہوں گی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہاں ضرر سے مُراد بچّوں کی مِرگی کی بیماری ہے۔ یہ اشکال نہ کیا جائے کہ ہم بسم اللہ پڑھنے کے باوجود نقصان کو دیکھتے ہیں، ہم جواباً کہیں گے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کو واضح کیا گیا ہے، اس کے ساتھ یہاں شرائط وموانع بھی ملحوظ ہیں جن کو ذکر نہیں کیا گیا، لہٰذا جب ان تمام شرائط کے لحاظ کے ساتھ موانع کو دور کر کے بسم اللہ پڑھی جائے تو اس کا اثر وہی ہوگا جو شریعت میں بیان ہوا ہے، کبھی اس سے برعکس نہیں ہوگا۔



٩ - بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْخَلَاءِ

١٤٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ".

تَابَعَهُ ابْنُ عَرْعَرَةَ عَنْ شُعْبَةَ. وَقَالَ غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ: "إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ". وَقَالَ مُوسَىٰ عَنْ حَمَّادٍ: "إِذَا دَخَلَ". وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ: "حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ: "إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ".

ترجمہ: یہ باب بیت الخلا جانے کے وقت پڑھنے کی دعا کے بیان میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلا جاتے تو یہ دعا پڑھتے کہ "اے اللہ! میں گندگی اور بُرے کاموں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

اس روایت کی متابعت ابن عرعرہ نے شعبہ سے کی ہے، اور غندر نے شعبہ سے نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: "إِذَا أَتَى الخَلَاءَ"۔ اور موسیٰ نے حماد سے "إِذَا دَخَلَ" نقل کیا ہے۔ سعید بن زید فرماتے ہیں کہ ہمیں عبدالعزیز نے اِن الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کی: "إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ".



۱۰ - بَابُ وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ

۱۴۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ، فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءًا قَالَ: "مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟" فَأُخْبِرَ. فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ".

ترجمہ: یہ باب بیت الخلا کے وقت وضوء کے لیے پانی رکھنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلا گئے تو میں نے آپ کے لیے وضوء کا پانی رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ پانی کس نے رکھا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ نے دعا دی: اے اللہ! اِس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔''

کیا یہاں ابواب قائم کرنے میں بے ترتیبی ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اِن ابواب میں بے ترتیبی کا وہم ہوسکتا ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احکامِ وضوء کے درمیان احکامِ استنجاء کو لے آئے، جب کہ ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ استنجاء کے احکام کو احکامِ وضوء سے پہلے ذکر فرماتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بہت عمدہ ترتیب ہے، اس لیے کہ جب آپ نے محدثین کے طرز کے مطابق احکامِ وضوء کو مقدّم فرمایا تو اب وضوء کی کچھ حقیقت ذکر کرنا چاہا، لہٰذا اولاً اس کے مسمّٰی کی تعیین کے لیے صرف کچھ احکام کو ذکر فرمایا، جیسے فقہائے کرام کی یہ بحث ہوتی ہے کہ کتنا پانی استعمال کرنے کو غسل کہا جاتا ہے؟ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً وضوء کی فضیلت بیان فرمائی جو کہ وضوء کی حقیقت پر مقدّم ہے، پھر یہ واضح فرمایا کہ وضوء شک کی وجہ سے واجب نہیں ہوگا، پھر وضوء میں تخفیف اور اِسباغ کو ذکر فرمایا جس میں اعضائے اربعہ سے کوئی بحث نہیں ہے، اس لیے کہ تخفیف اور اِسباغ دونوں ایک عضو میں بھی ہو سکتے ہیں، پھر مزید تعیین کے لیے چہرہ دھونے کو ذکر فرمایا، حتیٰ کہ جب تسمیہ تک پہنچ گئے اور

ذہنوں میں وضوء کی حقیقت راسخ ہوگئی تو اب ترتیب حسی کی جانب آئے، چنانچہ جو چیز حسی طور پر مقدّم ہے اسے ذکر فرمایا، اور وہ قضائے حاجت کے آداب ہیں، لہٰذا یہ ابواب مسلسل وضوء کے مسمّٰی اور اس کی حقیقت کے اثبات میں ہیں، احکامِ وضوء کے بیان میں نہیں ہیں۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کی متابعت میں لفظ "أَرَادَ" لا کر اشارہ اس بات کی جانب فرمایا ہے کہ یہ دعا بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے اس کے ارادے کے وقت پڑھی جائے گی، بیت الخلا میں داخل ہونے کے بعد نہیں، جیسا کہ الفاظ کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد'' میں صراحۃً "إِذَا أَرَادَ الدُّخُول" کے الفاظ کے ساتھ روایت بیان فرمائی ہے۔



١١ - بَابٌ: لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ إِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ جِدَارٍ أَوْ نَحْوِهِ

١٤٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ، شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلے کا رُخ نہ کیا جائے مگر جب دیوار یا اس جیسی کوئی تعمیر حائل ہو۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کا ارادہ کرے تو قبلے کی جانب اپنا رُخ اور پشت نہ کرے، تم مشرق یا مغرب کا رُخ کرو۔''



بوقت استنجاء استقبال اور استدبار کا حکم:

محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اہل مدینہ اور اُن لوگوں کے لیے ہے جن کا قبلہ اہل مدینہ کی سمت میں ہے۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ مسئلہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تمام تفصیلات اور فروع سمیت اختیار فرمایا ہے یا نہیں؟ رہی بات ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استثناء کی تو وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ماخوذ ہے، یہ استثناء حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث الباب سے ماخوذ نہیں ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے تکلّف کرتے ہوئے کہا ہے کہ لفظ ''غائط'' صحرا اور فضا کے لیے بولا جاتا ہے، گویا یہ حدیث تعمیر سے متعلّق نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث اُن لوگوں کے باب میں ہے جو قضائے حاجت کے لیے صحرا اور بیابان میں جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ لغت میں ''غائط'' پست اور پُرسکون جگہ کو کہتے ہیں، اور لوگ ستر پوشی کے لیے پست زمین کو پسند کرتے تھے، دیہاتیوں میں یہ طریقہ آج بھی جاری ہے۔ اِس صورت میں یہ حدیث ہمارے خلاف حجّت بننے کے بجائے ہمارے حق میں حجّت شمار ہوگی، اس لیے کہ پست زمین عمارت کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا پھر اس کی طرف رُخ کر کے پیشاب کیا۔ پھر راوی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مُراد وہ نہیں ہے جو وہ لوگ سمجھے ہیں، کیوں کہ ترمذی میں آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''فقدمنا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت مستقبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله'' (سنن الترمذي، رقم:۸) جب ہم ملک شام آئے تو وہاں کے بیت الخلاء دیکھے جو قبلہ رُخ بنے ہوئے تھے، لہٰذا ہم اس سے ہٹ کر بیٹھتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے، معلوم ہوا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نہی کو عموم پر محمول کرتے ہوئے عمارت اور صحرا کو یکساں قرار دے رہے ہیں۔

اور تعجب کی بات ہے کہ علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب یہ نسبت فرمائی ہے کہ آپ کے نزدیک پوری زمین پر مشرق ومغرب کی جانب قبلہ ہی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ نسبیت کیسے کردی؟ حالانکہ اہلِ بخاریٰ مغرب ہی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، تو کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کے سامنے عمر بھر قبلہ کی سمت پوشیدہ رہی؟ دراصل علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کو ابواب القبلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت: "لَيْسَ فِيْ المَشْرِقِ وَلَا فِيْ المَغْرِبِ قِبْلَةٌ" سے وہم ہوگیا، اس کی شرح عنقریب اپنی جگہ آئے گی۔

ائمہ اربعہ کے مذاہب اور ان کے استدلالات:

جان لیں کہ اس باب میں علماء نے متعدد مذاہب ذکر فرمائے ہیں، ہم یہاں صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب ذکر کریں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ عمارت اور فِضا میں استقبال واستدبارِ قبلہ مکروہِ تحریمی ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ استدبارِ قبلہ مطلقاً (عمارت و فِضا میں) جائز ہے، لیکن استقبالِ قبلہ مطلقاً مکروہ ہے۔ یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور ''النہر الفائق'' میں ہے کہ یہ مکروہِ تنزیہی ہے، اور اسی جیسی روایت ''المسویٰ'' اور ''المصفیٰ'' میں بھی ہے۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ استقبال واستدبار دونوں بیابان میں مکروہ ہیں، عمارت میں

نہیں۔ گویا ان دونوں حضرات نے صحرا اور عمارت کے حکم میں فرق کیا ہے، استقبال و استدبار میں فرق نہیں کیا، جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے استقبال و استدبار کا فرق کیا ہے اور بیت الخلا و صحرا میں دونوں کو یکساں قرار دیا ہے، عمارت اور صحرا کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اِس باب میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو سب سے زیادہ صریح، اصح اور موقع کے مناسب ہے۔

اور دیگر حضرات کی اجمالی دلیل ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور ابن ماجہ میں عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''رَقِيتُ يومًا علَى بَيْتِ حَفْصَةَ، فَرَأَيْتُ النبيَّ ﷺ على حاجَتِهِ، مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ، مُسْتَدْبِرَ الكَعبَة'' (سنن الترمذي، رقم:۱۱) ''میں ایک دِن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر چڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہوئے دیکھا کہ آپ کا رُخ ملک شام کی طرف اور پشت کعبۃ اللہ کی طرف تھی۔'' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''نهَى النبيُّ ﷺ أن نستقبلَ القبلةَ ببولٍ، فرأيتُه قبلَ أن يقبضَ بعامٍ يستقبلُها'' (سنن الترمذي، رقم:۹) ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیشاب کے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع فرمایا، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلہ رُخ تھے۔ اور عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث جو سنن ابن ماجہ میں مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''ذكر عند رسول الله ﷺ قوم يكرهون أن يستقبلوا بفروجهم القبلة، فقال: أراهم قد فعلوها، استقبلوا بمقعدتي القبلة'' (سنن ابن ماجه، رقم: ۳۲۴) ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُن لوگوں کا تذکرہ ہوا جو اپنی شرمگاہ کو کعبۃ اللہ کی جانب کرنا پسند نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ ایسا کر رہے ہیں؟ تم میری جگہ کو قبلہ رُخ کر دو۔''

احناف نے حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں حدیث فعلی ہیں، اور فعل قول کے معارض نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اصولِ فقہ میں تفصیل مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مجھے یہ عنوان صحیح نہیں لگتا، اس لیے کہ فعل نبی بھی قولِ نبی کی طرح حجت ہے، چنانچہ میں نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کی ہے کہ دونوں حدیثیں ایک وقتی حالت کو بیان کر رہی ہیں، ان میں عموم نہیں ہے، جب کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ والی حدیث اِس باب میں صریح اور مسئلے کی مشروعیت بیان کر رہی ہے، نیز اس میں ایک باضابطہ وصف معلوم پر حکم لگایا گیا ہے، جب کہ دیگر احادیث کا سبب کبھی معلوم نہیں ہو سکا، تو مجہول السبب کی وجہ سے معلوم السبب کو کیسے ترک کیا جا سکتا ہے؟ اور ساکت کی وجہ سے ناطق سے صرفِ نظر کیسے کیا جا سکتا ہے؟

پھر میں نے اِس جواب کو نظم کی شکل میں پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

يَا مَنْ يُؤَمَّلُ أَنْ تَكُوْنَ لَهٗ سِمَاتُ قَبُوْلِهٖ
خُذْ بِالأُصُوْلِ وَمِنْ نُصُوْصِ نَبِيِّهٖ وَرَسُوْلِهٖ
نَصًّا عَلٰى سَبَبٍ أَتىٰ بِالسَّاكِتِ المَجهولِه
دَعْ مَا يَفُوْتُكَ وَجْهُهٗ بِالبَيِّنِ المَنقُوْلِه
وَخُذِ الكَلَامَ بِغَوْرِهٖ لَا عِرْضِهٖ أَوْ طُوْلِهٖ
لَيْسَ الوَقَائِعُ فِيْ شَرَائِعِهٖ كَمِثْلِ أُصُوْلِهٖ
لِتَطْرُقَ الأَعْذَارُ فِي فِعْلٍ خِلَافَ أُصُوْلِهٖ

ترجمہ: اے وہ شخص جس کے بارے میں یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اس کی مقبولیت کی علامات قائم ہوں، تو ساکت مجہول کو چھوڑ کر اصول کو تھام لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نصوص میں سے ایسا حکم اختیار کر جس میں سبب کی صراحت ہے۔ تو واضح منقول نص کے مقابلے میں اس بات کو چھوڑ دے جس کی وجہ معلوم نہ ہو، بات کو اس کی گہرائی سے سمجھ اور اس کے طول وعرض کے پیچھے نہ پڑ، شریعت میں واقعاتِ جزئیہ کا اعتبار اصول کی طرح نہیں ہوتا، کہ خلافِ اصول کسی فعل میں عذر کی گنجائش ہو۔

اور اِس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو دیکھا اور روایت کیا اس کے بارے میں نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل نہی کو منسوخ کرنے کے لیے تھا، یا عمارت میں اِس عمل کی تخصیص کے لیے تھا، یا جگہ کے تقاضے سے کسی عذر کی وجہ سے تھا، یا اس بات کی وضاحت کے لیے تھا کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھنا محقق طور پر نہیں ہوسکتا بلکہ اچانک ہی نظر پڑی ہو یہ طے ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کون ایسی جرأت کرسکتا ہے کہ آپ کو اس حال میں دیکھے؟ یہ محض سہواً یا خطا ہی سے ممکن ہے۔

نیز بخاری شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اینٹوں کی آڑ میں دیکھا تھا، اور اِس صورت میں زیادہ سے زیادہ صرف یہی ممکن ہے کہ اِس حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک ہی کو دیکھا ہو۔ حالانکہ اس مسئلے میں اعتبار عضو مخصوص کا ہے نہ کہ سینے کا، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عضو مخصوص کے ساتھ قبلے سے منحرف ہوں اور آپ کا چہرہ اور سینہ قبلہ رُخ ہو۔ پھر اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کرلیں تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبالِ قبلہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سمجھا؟ یہ تو محض آپ رضی اللہ عنہما کا اجتہاد، فہم اور گمان ہے، آپ کے پاس اس مشتبہ رویت کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے، نیز حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا فہم بھی اس کے معارِض ہے، جیسا کہ آپ جان چکے۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ایک دوسرا مضمون ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ عینی میں ہے، میں ایک مدّت تک اس کی مُراد سمجھ نہیں پایا تھا اور اس جانب عام لوگوں کا ذہن بھی نہیں گیا، اس کے بعد یہ حدیث ہماری اس بحث سے سِرے سے خارج ہو جاتی ہے اور اس کا مضمون دوسرے باب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ مضمون یہ ہے کہ اِس حدیث کا منشا ان لوگوں کی تردید ہے جو استقبالِ بیت المقدس کی کراہت کے قائل ہیں، اس میں بالارادہ استقبالِ بیت اللہ سے متعلّق بحث نہیں ہے، اور یہ بات مسلم کی شریف کی روایت کے سیاق سے واضح ہو جاتی ہے جو حضرت واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ”كُنْتُ أُصَلِّي فِي المَسْجِدِ وَعَبْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إلى القِبْلَةِ، فَلَمَّا قَضَيْتُ صَلَاتِي انْصَرَفْتُ إِلَيْهِ مِن شِقِّي، فَقالَ عبدُ اللهِ: يقولُ نَاسٌ: إِذَا قَعَدْتَ لِلْحَاجَةِ تَكُونُ لَكَ، فلا تَقْعُدْ مُسْتَقْبِلَ القِبْلَةِ وَلَا بَيْتِ المَقْدِسِ“ (صحيح مسلم، رقم:٢٦٦) میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی پشت قبلے کی جانب کیے ہوئے تھے، میں نماز پوری کر کے آپ کی طرف متوجّہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ”کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب قضائے حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نہ بیٹھو۔۔۔۔۔۔الخ“

اِس روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کلام ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بیت المقدس کی جانب رُخ کرنا مکروہ سمجھتے ہیں اور اس کو قبلے کی طرح قرار دیتے ہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں قبلوں کا رُخ کرنے کی ممانعت بھی مروی ہے، چنانچہ ابوداود میں حضرت معقل بن ابی معقل اسدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نهى رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ أن نستقبلَ القبلتينِ ببولٍ أو بغائطٍ“ (سنن أبي داود، رقم:١٠) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیشاب اور پاخانے کے وقت دونوں قبلوں کا رُخ کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان حضرات سے معارضہ فرما رہے ہیں جو بیت اللہ کی طرح بیت المقدس کا رُخ کرنے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں، آپ کی حدیث کا بیت اللہ کے مسئلے سے قصداً کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کے بیان میں صرف بیت المقدس کا ذکر فرمایا۔

بعض روایات میں "مُسْتَدْبِرَ الكَعْبَةِ" کا لفظ وارِد ہے، جو لزومی ہے اور جہت کی تحقیق پر مبنی ہے کہ دونوں

قبلے ایسی سمت میں ہوں کہ ایک کا رُخ کرنا دوسرے کی جانب پشت کرنے کا سبب بنتا ہو، اور یہ معلوم نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو صرف بادی النظر میں اپنا اندازہ بیان فرمایا ہے، اور استدبار و استقبال کا مسئلہ نفس الامر میں اُس جہت کے متحقق ہونے پر مبنی ہے، اور یہ اسی وقت متحقق ہوسکتا ہے جب علمائے جغرافیہ اس کو ثابت کریں۔

نیز مکہ اور بیت المقدس کا عرض مختلف ہونے کے باوجود ہم پر کوئی اشکال نہ ہوگا، کیوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت استدبار کے جواز کی بھی ہے۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کے درمیان بھی تطبیق دی جائے جیسے احادیث کے درمیان تطبیق دی جاتی ہے، چنانچہ اس میں مراتب قائم کر کے یہ کہا جائے گا کہ استقبالِ بیت اللہ کی کراہت استدبار کے مقابلے میں شدید ہے، اس طرح دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق ممکن ہوگی۔

رہی بات حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی تو اس میں کچھ کلام وہی ہے جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں گزر چکا۔ علاوہ ازیں ظاہر یہی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنا صحرا میں کسی سفر کے درمیان تھا، عمارت میں نہیں دیکھا، اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی رشتے داری نہیں تھی کہ اہل بیت کی طرح آنا جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتا رہتا ہو، تو ظاہر بات یہی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحرا میں دیکھا ہے، اور یہ شوافع کی مُراد کے خلاف ہے۔

بعض حضرات نے اِن دونوں روایتوں کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً بیت اللہ سے افضل تھے، لہٰذا آپ کے لیے بطورِ خاص استقبال و استدبار جائز ہوگا، لیکن بقیہ اُمّت کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جواب دینے کا طریقہ یہ ہے کہ استدلال کسی ایسے امر خاص سے کیا جائے جو بعینہٖ اسی باب میں مروی ہو، ایسے مسئلے میں عمومات سے استدلال درست نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیت اللہ سے افضل ہونا ایک عام بات ہے، لہٰذا اس سے استقبال و استدبار کے جواز پر استدلال کرنا میرے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، جب تک کہ بطورِ دلیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی خصوصیات ذکر نہ کی جائیں جو بعینہٖ اسی باب میں مروی ہوں، کیوں کہ یہ کہنا بجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت عالم تکوین میں ظاہر ہے، لیکن مسائل کے باب میں اس کا ظہور نہیں ہوا ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تمام لوگوں کی طرح استقبالِ قبلہ کے پابند ہیں، نیز زیادہ تر احکامِ شرعیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امّت کی طرح ہیں۔

اِس جواب کی تقریر میں میری توجیہ یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اِس باب کے بعض احکام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے ہے، چنانچہ جب ہم اِس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت جان لیں گے تو استقبالِ قبلہ کو بھی آپ کی خصوصیت پر محمول کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور اِس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات سے متعلّق ہمیں ''المواہب'' میں ایک روایت ملی ہے جو امام

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ:

عن عائشة قالت: يا رسول الله، إني أراك تدخل الخلاء ثم يأتي الذي بعدك فلا يرى لما يخرج منك أثرا، فقال: «يا عائشة أما علمت أن الله أمر الأرض أن تبتلع ما يخرج من الأنبياء. (أخرجه الدارقطني في الأفراد، كما في المواهب اللدنية:ج٢،ص:٣١٥،ط: دار الكتب العلمية)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! آپ کی قضائے حاجت (سے فراغت کے بعد) میں سے ہمیں کچھ نظر نہیں آتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں نہیں معلوم کہ زمین انبیائے کرام علیہم السلام کے فضلات کو نگل لیتی ہے۔ اس کی سند معنیً قوی ہے۔

نیز ترمذی کے ابواب المناقب میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''لا يَحِلُّ لأحدٍ أَن يُجْنِبُ في هذا المسجدِ غيري وغيرِكَ'' (سنن الترمذي، رقم: ٣٧٢٧)''میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ جنبی ہونے کی حالت میں مسجد سے گزرے۔'' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ علّامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوعات میں شمار فرمایا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ روافض نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت دیکھی کہ خصوصی طور پر آپ کا روشندان مسجد نبوی میں باقی رکھا گیا تھا، تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایک خصوصیت گھڑنی چاہی، چنانچہ یہ حدیث روافض نے گھڑ لی، لیکن حفاظِ حدیث نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حدیث قوی ہے۔

پھر میں ان دونوں حضرات کی خصوصی وجہ اباحت کے بارے میں سوچتا رہا اور اپنے جی میں کہتا تھا کہ شاید دونوں کا راستہ مسجد ہی سے گزرتا ہوگا، پھر میں نے ''السیرۃ المحمدیہ'' میں ایک قصّہ پڑھا کہ جب حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام نے مصر میں مسجد بنائی تو اعلان فرمایا کہ کوئی بھی حالت جنابت میں مسجد کے اندر نہ بیٹھے سوائے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے۔ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا نبوت کی خصوصیات میں سے ہے، اور اسی وجہ سے صاحب السیرۃ المحمدیہ نے اس کو خصوصیات کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ اس بنیاد پر میں کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حالت جنابت میں مسجد سے گزرنا بھی اسی خصوصیت کی وجہ سے ہے، نہ کہ دوسرا کوئی راستہ نہ پانے کی وجہ سے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی نہ ہونے کے باوجود جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخصت عطا فرمائی اس کی وجہ صحاح میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِن مُوسَى'' (صحيح مسلم، رقم: ٢٤٠٤) اے علی! تم میرے لیے

ایسے ہی ہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت ہارون کی طرح ہوئے تو ان کے لیے وہ چیز مباح کردی جو حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے مباح تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اِس فرمان کے ذریعے صراحت بھی فرمادی کہ ''إِلَّا أَنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي'' (صحیح مسلم، رقم: ۲۴۰۴) ''میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔'' تاکہ آپ کی اُمّت کا دجال لوگوں کو دھوکہ دے کر انھیں گمراہ نہ کرے، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنالیا، اس نے اس جیسی احادیث کو دلیل بنایا، حالانکہ یہ احادیث اس کے خلاف ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

پھر مذاہب اربعہ کی کتابوں میں فضلاتِ انبیاء کی طہارت کا مسئلہ ملتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سلسلے میں ائمہ کرام سے کوئی قول منقول نہیں ہے، صرف ''المواہب'' میں علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول مذکور ہے، لیکن مجھے وہ عینی میں نہیں مل سکا۔

کنز العمال میں ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام فرشتوں کے اجسام سے بنتے ہیں۔لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اور مُراد یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا حال ان کی زندگی میں فرشتوں کی طرح ہوتا ہے، برخلاف عوام الناس کے، کہ ان کی یہی حالت جنّت میں ہوگی، چنانچہ ان کے فضلات پسینے کے قطرات کی طرح ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ چند خصوصیات ہیں جو جنس یا نوع کے اعتبار سے احکامِ خلاء سے متعلّق ہیں، لہٰذا دیگر خصوصیات کی طرح استقبالِ قبلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہونی چاہیے، خصوصیت کا جو دعویٰ پہلے کیا گیا اس کے مقابلے میں یہ طریقہ اقرب ہے، کیوں کہ ذہن میں جب اِس باب کی بعض خصوصیات کا تصوّر ہوگا تو ان خصوصیات پر دیگر خصوصیات کو قیاس کر کے ملحق کرنا آسان ہوجائے گا۔

اور رہی بات حدیث عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی، تو اس کا جواب لوگوں کے لیے مشکل ہوگیا ہے، بعض حضرات نے اس کے موصول اور مُرسل ہونے میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ ''المراسیل'' میں ابن ابی حاتم سے منقول ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو معلّل قرار دے کر فرمایا ہے کہ عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہے، جس کا جواب دیا گیا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سماع ثابت کیا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث بھی نقل فرمائی ہے:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي زِيَادٍ مَوْلَى ابْنِ عَيَّاشٍ حَدَّثَهُ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ

اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "جَاءَتْنِي مِسْكِينَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا". (صحیح مسلم: الرقم: ۲۶۳۰)

میری رائے یہ ہے کہ اِس باب میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اتباع کے قابل ہے، یہ حدیث اگر چہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معلّل ہے۔ اور علّامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن ابی الصلت کے حالات میں فرمایا ہے کہ وہ منکر ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ پھر یہ خالد بن ابی الصلت اور جعفر بن ربیعہ عراک کے باب میں ضابط اور قابل حجّت ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حضرت عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ اس کا انکار فرماتی تھیں، اس روایت کو خالد بن ابی الصلت نے مرفوعاً ذکر نہیں کیا، اور اس کے موقوف ہونے کا سب سے واضح قرینہ یہ ہے کہ راوی خالد بن ابی الصلت نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں یہ حدیث بیان کی کہ عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں، تو آپ نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔

اس روایت کو امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون بن عبداللہ کے طریق سے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن ابی طالب کے طریق سے، ان دونوں نے علی بن عاصم سے روایت نقل کی ہے کہ خالد الحذاء نے خالد بن ابی الصلت سے روایت کی ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت میں آپ کے پاس بیٹھا تھا، آپ کے پاس عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اتنی مدّت سے قبلے کی جانب نہ رُخ کیا ہے اور نہ پشت کی ہے، تو عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ مجھے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان فرمائی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اِس سلسلے میں لوگوں کی باتیں پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹھنے کی جگہ کو قبلہ رُخ کروادیا۔ یہ روایت طحاوی میں بھی موجود ہے، اس کے باوجود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر عمل نہیں فرمایا، حتیٰ کہ آپ کا موقف تو یہ تھا کہ قبلے کی سمت میں تھوکنا بھی حرام ہے، تو قضائے حاجت کا سوال ہی نہیں ہے، اور آپ کا یہ عمل اِس روایت کے موقوف ہونے ہی کی وجہ سے تھا۔

پھر یہ حدیث اِس باب میں اجنبی ہے اور اِس باب میں مروی دیگر روایات کے ساتھ اس کا کوئی ربط نہیں ہے، اس لیے کہ یا تو یہ حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مقدّم ہوگی یا مؤخر، اگر مقدّم ہے تو حدیث ابی ایوب رضی اللہ عنہ اس کے لیے ناسخ شمار ہوگی، اور اگر مؤخر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان لوگوں پر تعجب کا کوئی مطلب نہیں ہوگا جب کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا ہو، کوئی بھی عقلمند اس بات کو قبول نہیں کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً لوگوں کو استقبال اور استدبارِ قبلہ سے منع فرمایا، پھر جب لوگوں نے آپ کا حکم مان لیا اور آپ کے منع کرنے کی وجہ سے رُک گئے تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی لوگوں پر تعجب کیا ہو، لہٰذا یہ حدیث اس کے موقوف ہونے کی دلیل ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی لوگوں کے اس فعل سے تعجب کیا، پھر انھیں وہ حکم فرمایا۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہیں ہے۔ اور شاید امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے اس کو اپنے افراد میں شمار کیا ہے۔

اس نہی کی مراد کے بارے میں اختلاف:

پھر جاننا چاہیے کہ اِس نہی کی مُراد کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، تاکہ معلوم ہو کہ نہی میں تفصیل اولیٰ ہے یا اِطلاق؟ کسی نے کہا کہ نہی سے ملائکہ کا اکرام مُراد ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ نمازیوں کا احترام مُراد ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قبلے کا احترام مُراد ہے، علّامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ وجوہ سے احترامِ قبلہ مُراد ہونے کی تائید فرمائی ہے، جو انھوں نے اپنی شرح میں مفصل ذکر فرمائی ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ مقصد احترامِ قبلہ ہے، اس لیے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس کی صراحت کی گئی ہے کہ "لَا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ ...الخ" اس میں لفظ قبلہ ذکر فرما کر اشارہ فرمایا کہ نہی کی وجہ احترامِ قبلہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرق ومغرب کا رُخ کرنے کی اجازت دی، کیوں کہ اِن دونوں صورتوں میں قضائے حاجت احترام کے منافی نہیں ہے، چنانچہ احترامِ قبلہ کا طرداً وعکساً اعتبار کرتے ہوئے نہی واباحت کا مدار اس پر رکھا ہے، اور قبلے کی جانب نماز میں رُخ کیا جاتا ہے تو پھر قضائے حاجت کے وقت اُس جانب رُخ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

پھر علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس مسئلے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی صحیح ابن حبان میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی روایت کو دلیل بنایا ہے کہ ''مَنْ تفلَ تِجاهَ القِبْلَةِ، جاءَ يومَ القيامةِ وتفلتهُ بينَ عينيْهِ'' (صحیح ابن حبان، رقم:۱۶۳۹) ''جو شخص قبلے کی جانب رُخ کر کے تھوکے وہ قیامت کے دِن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کے سامنے ہوگا۔'' جب تھوک کا یہ حال ہے تو قضائے حاجت کا کیا حال ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ حدیث کا یہ مضمون دیگر کتابوں میں نماز کی قید کے ساتھ مقید ہے، جس میں یہ ہے: "فَإِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ" اس لیے کہ نمازی کا رب اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔ چنانچہ اب تردّد ہوگیا کہ یہ معاملہ دوامی ہے یا صرف نماز کی حالت کے ساتھ خاص ہے؟ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ یہ حکم تمام احوال میں دوامی ہے۔

اور اِس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے، آپ کو نسیان طاری ہوگیا، اس لیے کہ تمام احوال کا اعتبار کرنے میں بیابان اور عمارت کی تفصیل کا کوئی مطلب نہیں رہے گا اور نہی حسب سابق اپنے اطلاق پر رہے گی۔ ہاں

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ قبلے کی طرف تھوکنے کے بارے میں یہ وعید صرف نماز کی حالت کے ساتھ خاص ہے، تمام احوال میں نہیں ہے، اگر یہی علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اور وِجدان ہوتا، تو یہ فیصلہ کیا جاسکتا تھا کہ وعید دوامی ہے، لیکن میرے پاس اس سلسلے میں کوئی نقل نہیں ہے۔ اور آخری بات یہی ہے کہ میں نے کسی بھی مرفوع روایت میں وہ تفصیل نہیں پائی جو دیگر حضرات نے بیان کی ہے، سوائے ان دونوں واقعات کے جن میں کلام ہے، اور اس کو آپ نے جان لیا ہے۔

استقبال قبلہ میں جہت قبلہ نہیں؛ بلکہ عرف معتبر ہے:

"شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا"...... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سے استنباط کیا ہے کہ دنیا چار جہتوں میں منقسم ہے اور استقبالِ قبلہ میں جہتِ قبلہ ہی معتبر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جہت قبلہ یا عین قبلہ کی جانب رُخ کرنے کا مسئلہ زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہے، اور میرے نزدیک اِس مسئلے کی بنیاد عرف پر ہے، نہ کہ دقائق ہندسیہ پر، اس لیے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کو دیکھ پاتا ہو اس کے لیے عین کعبہ کا رُخ کرنا ضروری ہے۔ لیکن جو بیت اللہ سے دور ہو اس کے لیے جہت قبلہ کا رُخ کرنا کافی ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ سامنے کی سمت طے کرنے میں اعتبار اس خط کا ہوگا جو نمازی کی جہت سے نکل کر بیت اللہ تک پہنچے، تو جب تک نمازی اور بیت اللہ کے درمیان اِس خط کا پہنچنا ممکن ہوگا نماز درست ہوگی، ورنہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بیت اللہ دور رہنے والے کے بارے میں ہے، لیکن جو شخص بیت اللہ سے قریب ہوگا تو منحرف ہونے کے باوجود بیت اللہ تک خط کا پہنچنا ممکن ہے، حالانکہ اِس صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔ چنانچہ مسئلہ پھر عرف ہی کی جانب لوٹ آیا۔ اور میں نے اِس سلسلے میں بہت سی چھوٹی بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور علامہ مقریزی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گفتگو فرمائی ہے اس کا بھی کچھ فائدہ نہیں ہے، لہٰذا تحقیقی بات یہی ہے کہ استقبالِ قبلہ اصولِ ہندسیہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عرف سے ہے۔



۱۲ - بَابُ مَنْ تَبَرَّزَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ

۱۴۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهٖ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّهٗ كَانَ يَقُولُ: "إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: "إِذَا قَعَدْتَ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ". فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهٖ". وَقَالَ: "لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلٰى أَوْرَاكِهِمْ؟" فَقُلْتُ: "لَا أَدْرِي وَاللهِ". قَالَ مَالِكٌ: "يَعْنِي الَّذِي يُصَلِّي وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْأَرْضِ، يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ کوئی شخص دو اینٹوں پر بیٹھ کر قضائے حاجت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے تھے کہ ''لوگ کہتے ہیں کہ جب قضائے حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی جانب رُخ نہ کرو، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (اُن لوگوں کی تردید میں) فرمایا کہ میں ایک دِن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے بیٹھا ہوا پایا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (راوی واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ سے) فرمایا کہ شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی سُرین کے بل بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، تو میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم، مجھے اِس بات کا شعور ہی نہیں تھا۔'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اِس سے مُراد وہ شخص ہے جو زمین سے لگ کر نماز پڑھے اور سجدہ کرے۔''



"يُصَلُّوْنَ عَلٰى أَوْرَاكِهِمْ" ...... یہ عورتوں کی نماز کا طریقہ ہے۔ اور یہ جملہ مسائل نہ جاننے سے کنایہ ہے۔ شارحین نے ماقبل سے اس کی مناسبت بیان کرنے پر بڑا زور لگایا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ کو

تعریضاً کہا ہے کہ تم قبلے کی جانب میرے پشت کر کے بیٹھنے پر تعجب کرتے ہو، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت کے لیے پیٹھ کر کے بیٹھا ہوا دیکھا ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث کے سیاق سے واضح ہوتا ہے، اس میں واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''كُنْتُ أُصَلِّي فِي المَسْجِدِ وَعَبْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إلى القِبْلَةِ، فَلَمَّا قَضَيْتُ صَلَاتِي انْصَرَفْتُ إِلَيْهِ مِن شِقِّي، فَقالَ عبدُ اللهِ: يقولُ نَاسٌ ......'' (صحيح مسلم، رقم: ٢٦٦)''میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، اس حال میں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبلے کی طرف پشت کیے ہوئے تھے، جب میں نے اپنی نماز پوری کر لی تو اپنے پہلو سے ان کی طرف متوجّہ ہوا، پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں......الخ۔

اس حدیث پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شاید واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے سجدے کی حالت میں کوئی ایسی چیز دیکھی جو آپ کے نزدیک ثابت نہیں تھی، اس لیے آپ نے اولاً "لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِيْنَ ...الخ" فرما کر ان سے سوال کیا، پھر پہلے قصے کو بیان فرمایا، اس لیے کہ وہ آپ کی مرفوع و محقق راویت تھی، چنانچہ پہلے مسئلے کو اُس خیالی بات پر مقدّم فرمایا۔

نیز یہ بات بھی بعید نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ ہی مدّت پہلے نقل کردہ (قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ و بیت المقدس کی کراہت) لوگوں کی بات سنی ہو، اس لیے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے واقف فرمادیں، تاکہ آپ کی جانب سے اس بات کو عام کریں۔

علاوہ ازیں اِن دونوں مسئلوں کے درمیان مناسبت بایں طور بھی قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ شخص جو پیٹ کو رانوں سے چمٹا کر سجدہ کر رہا تھا شاید اس کا خیال یہ ہو کہ قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ ہر حال میں ممنوع ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اشارہ فرمادیا کہ کپڑے کے ذریعے ستر کافی ہے، جیسے کہ ستر اور قبلے کے درمیان دیوار کا حائل ہونا بھی کافی ہے۔



۱۳ - بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْبَرَازِ

۱٤٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ، وَهُوَ صَعِيدٌ أَفْيَحُ، فَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "احْجُبْ نِسَاءَكَ". فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ. فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي عِشَاءً، وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ: "أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ! حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحِجَابُ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ".

ترجمہ: یہ باب عورتوں کے قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''ازواجِ مطہرات رات کے وقت جب قضائے حاجت کے لیے مناصع کی طرف جاتی تھیں جو ایک کھلا میدان تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے کہ آپ ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم فرما دیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف توجّہ نہیں فرماتے تھے، ایک رات عشاء کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نکلیں، آپ دراز قد تھیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پکارا: سودہ! ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمنّا تھی کہ حجاب کا حکم نازل ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔''

۱٤٧ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ". قَالَ هِشَامٌ: "يَعْنِي الْبَرَازَ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمھیں قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

"كُنَّ يَخْرُجْنَ"......اس سے پتا چلا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی دِن کے وقت نہیں نکلتی تھیں۔

چند اِشکال اور اُن کے جوابات:

اس جگہ چند اشکالات ہوتے ہیں: پہلا اشکال یہ ہے کہ روایۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکلنا آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ فرمایا، اس کے بعد حجاب کا حکم نازل ہوا۔ جب کہ کتاب التفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکلنا حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد تھا، حالانکہ یہ روایت سند و متن کے اعتبار سے ایک ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حجاب کی تقسیم فرماتے ہوئے جواب دیا ہے کہ حجاب کی ایک قسم یہ ہے کہ نکلتے وقت نقاب ڈال دیا جائے، جس کو میں حجابِ وجہ کہتا ہوں، اور دوسری قسم کو میں حجابِ اشخاص کہتا ہوں، چنانچہ روایۃ الباب حجابِ اشخاص کا حکم نازل ہونے سے پہلے نکلنے پر محمول ہے اور کتاب التفسیر والی روایت حجابِ وجہ کا حکم نازل ہونے کے بعد نکلنے پر محمول ہے، تو دونوں باتیں صحیح ہو جائیں گی۔

لیکن اِس جواب میں مجھے اشکال ہے، اس لیے کہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں شدّت پسند فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ ''قد عرَفناكِ يا سَودةُ'' ''اے سودہ! ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے، آپ کی تمنّا یہی تھی کہ حجاب کا حکم مزید سخت ہو جائے، اِس صورت میں "فَأَنْزَلَ اللهُ الحِجَابَ" کا ظاہری مطلب یہی ہوگا کہ آپ کی چاہت کے مطابق حجاب کا حکم سختی کے ساتھ نازل ہوا، کیوں کہ حجاب کے حکم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن احکام میں شمار فرماتے تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی موافقت فرمائی، جیسا کہ بخاری میں موجود ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشا حجاب میں سختی ہی کا تھا، اس کے باوجود اس میں گنجائش دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ" کہ تمھیں اجازت دی گئی ہے۔'' جیسا کہ اِس روایت کے بعد والی روایت میں ہے، چنانچہ اس کا سیاق سے ربط نہیں ہے، کیوں کہ "فَأَنْزَلَ اللهُ الحِجَابَ" سے سختی کا حکم معلوم ہو رہا ہے، جب کہ بعد والی روایت سے باہر نکلنے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے، نیز یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول کے بھی موافق نہیں ہے کہ میں نے حجاب کے حکم میں اپنے رب کی موافقت کی، کیوں کہ یہاں تو معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی چاہت کے مطابق حجاب میں سختی کا حکم نازل نہیں فرمایا، تو پھر موافقت کے کیا معنیٰ؟

میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہاں روای کی طرف سے قصہ بیان کرنے میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے، اور صحیح ترتیب کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکلنا حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چاہت حجابِ اشخاص کی تھی، لیکن اس باب میں وحی آپ کے موافق نہیں تھی، پھر بھی آپ نے حکم حجاب کو اپنی موافقات میں اس لیے شمار فرمایا کہ حکم حجاب کا ایک حصہ آپ کی رائے کے موافق تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: "قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخرُجْنَ" آیت کریمہ سے مستفاد نہیں ہے، بلکہ یہ ممکن ہے کہ وحیٔ غیر متلو کا حصہ ہو، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استنباط ہو، اور اسی وجہ سے وہاں آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے۔

کتاب التفسیر میں اُس روایت کا سیاق اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

خَرَجَتْ سَوْدَةُ بَعْدَما ضُرِبَ الحِجَابُ لِحَاجَتِها......فَرَآهَا عُمَرُ بنُ الخَطَّابِ فَقالَ: يا سَوْدَةُ، أما واللَّهِ ما تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا......فَانْكَفَأَتْ......فَقالَتْ: يا رَسولَ اللَّهِ، إنِّي خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَقالَ لي عُمَرُ كَذَا وكَذَا، قالَتْ: فأوْحَى اللهُ إلَيْهِ ثُمَّ رُفِعَ عنْه......فَقالَ: إنَّه قدْ أُذِنَ لَكُنَّ أنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ. (صحيح البخاري، رقم: ٤٧٩٥)

حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے نکلیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا تو فرمایا: اے سودہ! اللہ کی قسم تم ہم سے چھپ نہیں سکتیں، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنے لگیں کہ میں اپنی ضرورت کے لیے باہر نکلی تھی تو مجھ سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے یوں کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمائی، جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمھیں اپنی ضرورت کے لیے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔''

اس روایت میں صراحت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد نکلی تھیں، اس میں یہ نہیں ذکر کیا گیا ہے کہ باہر نکلنے کی اجازت وحیٔ متلو کی وجہ سے تھی، بلکہ ممکن ہے یہ اجازت وحیٔ غیر متلو کی وجہ سے ہو۔

میرے نزدیک اصل ترتیب یہی ہے، اس سے دونوں روایات کے درمیان تعارض کا اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے، نیز "فَأَنْزَلَ الله الحِجَابَ" میں کوئی اعتراض بھی باقی نہیں رہتا، کیوں کہ اصل میں وہ مقدّم ہے، لیکن راوی کے مؤخر ذکر کرنے کی وجہ سے اشکال پیدا ہوا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخرُجْنَ" میں بھی کوئی سوال باقی نہیں رہتا، اس لیے کہ اِس صورت میں باہر نکلنے کی اجازت آیت کریمہ سے بطورِ شرح مستفاد نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ہے۔ اس کے برخلاف اگر ترتیب روایۃ الباب کے مطابق مانی جائے تو باہر نکلنے کی اجازت آیت کریمہ

سے مستفاد ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ باہر نکلنے کی گنجائش وحیاً دی گئی ہے، جس سے اشکال ہوگا، اس لیے کہ سیاق کا تقاضا حجاب میں سختی کا ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اس ترتیب کا کوئی ربط نہیں رہے گا، کیوں کہ اگر آپ کی موافقت کا قول آیت حجاب کے نزول سے پہلے ہو جیسا کہ اِس روایت میں ہے، اور آیت حجاب میں بعد میں نازل ہوئی ہو تو ظاہر ہے کہ آیت کریمہ میں وحی آپ کی رائے کے موافق نازل ہوئی، جیسا کہ بخاری میں آپ سے مروی ہے، اور یہ تمام خرابی بے ترتیبی کی وجہ سے پیدا ہوئی، اگر ترتیب کتاب التفسیر والی روایت کے مطابق ہوتو اِن میں سے کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ اور جو حضرات رواۃِ حدیث کے تصرفات سے واقف ہیں وہ ہماری بات کو بعید نہیں سمجھیں گے۔ لیکن جن لوگوں کے پاس بغیر تجربے کا علم ہے وہ اس سے پریشان ہوں گے، ان کے ساتھ یہی ہونا بھی چاہیے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہنا چاہیے کہ "فَأَنْزَلَ الله الحِجَابَ" سے اس آیت حجاب کی جانب اشارہ ہے جو پہلے نازل ہوئی تھی اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی موافقات میں شمار فرمایا تھا، یہ اشارہ اُس حجاب کے حکم کی جانب نہیں ہے جو اِس وقت نازل ہوا، کیوں کہ اِس واقعے میں آپ کی تمنّا کے مطابق حجابِ اشخاص کا حکم نازل نہیں ہوا۔

دوسرا اِشکال یہ ہے کہ اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے قصے میں نازِل ہوئی ہے۔ جب کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التفسیر والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے کے وقت نازل ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس باب میں دوسرا واقعہ بھی ہے اور تمام واقعات ایک جیسے ہیں، اور آخری واقعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے کا ہے جس میں آیت حجاب نازل ہوئی، مگر چوں کہ تمام واقعات ایک جیسے ہیں اس لیے نزولِ آیت کی نسبت ہر ایک واقعے کی جانب ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث کے الفاظ سے متبادر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب کا نزول ہر ایک واقعے کے لیے ہوا ہے، یہ نہیں کہ آیت کا نزول ایک ہی واقعے میں ہوا، پھر دوسرے واقعات ایک جیسے ہونے کی وجہ سے نزول اُن کی جانب بھی منسوب ہوا، لہٰذا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے واقعے میں جو آیت نازل ہوئی وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے میں نازل شدہ آیت سے الگ ہے، مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صریح روایت ذکر فرمائی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے میں جو آیت نازل ہوئی وہ وہی ہے جو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے واقعے میں ہے۔ اور اس روایت کی سند میں کوئی کلام نہیں ہے۔

پھر یہ جان لیں کہ آیت حجاب کے نام سے جو آیت مشہور ہے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے میں نازل ہوئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ [الأحزاب : ۵۳]

''اے ایمان والو! تم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھروں میں (بغیر اجازت کے) داخل نہ ہو۔''

شاید اس باب میں یہی آیت بنیاد ہے، اور بقیہ تمام اس کی تفصیلات ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے میں اشکال ہے، کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حجاب کا حکم لوگوں کے باہر نکل جانے کے بعد نازل ہوا جس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے، نیز اسی واقعے میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد لوگ باہر نکلے۔

اگر آپ کو یہ سوال ہو کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے قصے میں جو آیت نازل ہوئی اس میں نہ حجابِ وجہ کا ذکر ہے اور نہ حجابِ اشخاص کا، بلکہ اس میں تیسری ہی بات کا ذکر ہے کہ ازواجِ مطہرات کے حجرات میں داخل ہونے سے روکا گیا ہے۔ تو میں جواباً کہوں گا کہ آیت کریمہ سے بطورِ عکس باہر نکلنے کی ممانعت بھی ضرورت کے استثناء کے ساتھ معلوم ہو رہی ہے۔

مسئلۂ حجاب سے متعلّق آیات:

پھر یہ جان لیں کہ یہاں چند اور بھی آیات ہیں جو مسئلۂ حجاب سے متعلّق ہیں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ [النور : ۳۰]

''اے نبی! آپ مؤمنین سے فرما دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں۔'' اِس آیت کریمہ میں مَردوں اور عورتوں کو نظریں جھکانے کا حکم ہے۔ دوسری آیت کریمہ یہ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط﴾ [الأحزاب : ۵۹]

''اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں۔'' نیز ایک آیت یہ بھی ہے:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ ص﴾ [النور : ۳۱]

''مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے گریبان پر دوپٹے ڈال لیا کریں۔''

"جِلْبَاب" اُس چادر کو کہتے ہیں جو پورا بدن ڈھانپ لے۔ اور "خِمَار" اُس چھوٹے کپڑے کو کہا جاتا ہے جو عمامے پر ڈالا جاتا ہے۔ اور عورتیں اسے اپنے سَروں پر رکھتی ہیں تاکہ گریبان چھپ سکے۔

اگر آپ کو سوال ہو کہ چادر اوڑھنے کے بعد گریبان پر دوپٹہ ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں جواباً کہوں گا کہ چادر

اوڑھنا اس وقت ضروری ہے جب عورت کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلے، جب کہ دوپٹہ ڈالے رکھنا عام حالت میں بھی ضروری ہے۔

اسی مضمون سے متعلّق ایک آیت ہے: ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ [النور:۳۱] ''مؤمن عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔'' ایک قول یہ ہے کہ زینت چہرے اور ہتھیلیوں کو کہا جاتا ہے، چنانچہ مختار مذہب کے مطابق فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔ اور متاخرین نے لوگوں کی بدحالی دیکھ کر ان کو ڈھانپنے کا فتویٰ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مُراد وہ زینت ہے جو کپڑوں اور زیورات سے حاصل ہو، چنانچہ چھپانے کی پوری کوشش کے بعد بھی کچھ ظاہر ہو جائے تو وہ معاف ہے۔ میری رائے میں زینت کا یہی مطلب ہے، اہل عُرف جس کو زینت کہتے ہیں وہ یہی ہے، اور اسی کی طرف اللہ ربّ العزت کا یہ فرمان مشیر ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ﴾ [النور : ۳۱]

''زمین پر اس زور سے پاؤں نہ ماریں کہ ان کا پوشیدہ بناؤ سنگھار ظاہر ہو جائے۔'' یعنی ان کی حاصل کردہ زینت ظاہر نہ ہو۔

نیز اِن آیات میں سے ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الأحزاب:۳۳] بھی ہے، اس آیت میں خطاب اگرچہ ازواجِ مطہرات کو خاص ہے، مگر حکم اس کا عام ہے۔ پھر ضرورت کے وقت نکلنا جاہلیت کی بے حجابی نہیں ہے، بلکہ بے حجابی یہ ہے کہ عورتیں مَردوں کی طرح بے حیائی اور بے پردگی کے ساتھ نکلیں۔ میرے نزدیک یہ آیاتِ حجاب کی ترتیب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: جان لیں کہ علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس مقام پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد کو خوب واضح فرمایا ہے، لہٰذا اسے دیکھ لیں۔



١٤ - بَابُ التَّبَرُّزِ فِي الْبُيُوْتِ

١٤٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "ارْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ، مُسْتَقْبِلَ الشَّأْمِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ "میں اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر چڑھا، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا، اِس حال میں کہ آپ کی پشت قبلے کی طرف اور رُخ ملک شام کی طرف تھا۔"

١٤٩ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ أَنَّ عَمَّهُ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ قَالَ: "لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَىٰ ظَهْرِ بَيْتِنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا عَلَىٰ لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "میں ایک دِن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے بیٹھا ہوا دیکھا۔"



اِس حدیث کے پیشِ نظر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل میں دیوار اور عمارت کے استثناء کا باب قائم فرمایا، اِس طرف عام لوگوں کا ذہن اس وجہ سے نہیں گیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں یہ ترجمہ قائم نہیں فرمایا، اور اب اِس حدیث پر یہ ترجمہ قائم فرمایا ہے، اس لیے کہ ایک مرتبہ اس کو پہلے بیان فرما چکے ہیں۔



١٥ - بَابُ الاستِنْجَاءِ بِالمَاءِ

١٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ وَاسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَجِيءُ أَنَا وَغُلَامٌ، مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ، يَعْنِي يَسْتَنْجِي بِهِ".

ترجمہ: یہ باب پانی کے ذریعے استنجاء کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ایک لڑکا اپنے ساتھ پانی کا ایک برتن لاتے، یعنی اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استنجاء فرماتے تھے۔''



استنجاء میں پتھر اور پانی کو جمع کرنا:

جان لیں کہ پتھر اور پانی میں سے کسی ایک کے ذریعے استنجاء کرنا جائز ہے، اور دونوں کو جمع کرنا مستحب ہے۔ علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے میں استنجاء بالماء کے مسنون ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس لیے کہ لوگ زیادہ کھانے کی وجہ سے پتلا پاخانہ کرتے ہیں۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دونوں کو جمع کرنا ثابت ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الام میں مذکور ہے۔ نیز مرفوع روایات سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے، مثلاً حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے گئے، پھر پانی طلب کرنے کے لیے ان کے پاس آئے، اور یہ بات بعید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈھیلے سے استنجاء کیے بغیر آئے ہوں، کیوں کہ اس سے آلودگی اور ناپاکی کا اندیشہ ہے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی سے استنجاء فرمایا تو دونوں کو جمع کرنا ثابت ہوگیا۔

"غُلَامٌ"...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ لڑکے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ میں کہتا ہوں کہ پتا نہیں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعیین کیسے فرمادی، حالانکہ لفظ ''غلام'' کا اطلاق کسی عمر رسیدہ بوڑھے پر نہیں ہوتا، اگر آپ نے یہ

تعیین اس وجہ سے کی ہو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے، تو دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ایک روایت کے الفاظ ہیں: "غُلَامٌ مِنَ الأَنصَارِ". اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں، چنانچہ میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ یہ کوئی دوسرے شخص تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



١٦ - بَابُ مَنْ حُمِلَ مَعَهُ الْمَاءُ لِطُهُورِهِ

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ الله عَنْهُ: "أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُورِ وَالْوِسَادِ؟".

ترجمہ: یہ باب کسی شخص کے ہمراہ اس کی طہارت کے لیے پانی لے جانے کے بیان میں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے (علقمہ بن قیس سے) فرمایا کہ کیا تم میں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) جوتوں، طہارت کے پانی اور تکیے والا نہیں ہے؟

---

١٥١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ هُوَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ مِنَّا، مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ہم میں سے ایک لڑکا اپنے ساتھ پانی کا ایک برتن لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جاتے۔"

یعنی اِتنی مدد کر دینا جائز ہے، اگر کسی مقتدیٰ شخص کے لیے پانی لے جائے تو اس کی گنجائش ہے، نیز پانی بہانا بھی مکروہ نہیں ہے، البتہ مَلنا مکروہ ہے۔[1]

"أَلَيْسَ فِيْكُمْ"......اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخذ فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیزوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے خدمت لیتے تھے۔

"والوِسَادِ"......بعض نسخوں میں "السِّوَاد" کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں سرگوشی، کیوں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا جانا اتنی کثرت سے ہوتا تھا کہ آپ گھر کے فرد کی طرح شمار ہوتے تھے، حتیٰ کہ آپ کو اجازت لینے کی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔



[1] یہ چند جملے فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے حدیث نمبر: ۱۵۳ کے تحت لکھ دیے گئے ہیں۔

۱۷ - بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الاِسْتِنْجَاءِ

۱۵۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ: سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ يَقُولُ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ، فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً، يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ".

تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ. "العَنَزَةُ": عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلا جاتے تھے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ اٹھا کر لاتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی کے ذریعے استنجاء فرماتے۔



"عَنَزَة" اُس لاٹھی کو کہا جاتا ہے جس میں نیچے کی جانب پھل لگا ہوا ہو۔

"حَمْلِ العَنزَةِ"...... یعنی وہ لکڑی جس میں نوک لگی ہوئی ہو۔



١٨ - بَابُ النَّهْيِ عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ

١٥٣ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ ـ هُوَ الدَّسْتُوَائِيُّ ـ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ، وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ".

ترجمہ: یہ باب دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے، اور جب بیت الخلا جائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو نہ چھوئے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے اسے صاف کرے۔''



"فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ"...... بلکہ برتن کے باہر سانس لینی چاہیے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ شریعت مطہرہ میں جب برتن میں سانس لینا ممنوع ہے تو پینے اور وضو کے لیے ایسے پانی کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے جس میں کتوں کا گوشت، بدبو اور حیض کا خون ہو۔

''مس'' اور ''مسح'' میں فرق:

"فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ"...... جان لیں کہ "مَسّ" (چھونا) تو ظاہر ہے، البتہ مسح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ ان حضرات کا معمول ڈھیلا استعمال کرنے کا تھا، اسلاف کا طریقۂ استنجاء وہ نہیں تھا جو ہمارے یہاں رائج ہے، یعنی قطرات پورے ٹپک کر بند ہوجائیں اس لیے انھیں چلنے اور کھانسنے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اس لیے کہ وہ قوت والے لوگ تھے، لہٰذا انھیں پیشاب اور پاخانے کے بعد پوچھ لینا ہی کافی ہوجاتا تھا، اس سے لفظ "مَسّ" اور "مَسْح" کا فرق معلوم ہوگیا۔ اور جو لوگ اسلاف کے معمول سے غافل ہوتے ہیں ان کو دونوں لفظ کے فرق میں حیرانی ہوتی ہے۔



١٩ - بَابٌ: لَا يُمْسِكُ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ إِذَا بَالَ

١٥٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب آدمی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے۔

حضرت **ابوقتادہ** رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے، اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے، اور پانی کے برتن میں سانس نہ لے۔''



۲۰ - بَابُ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

١٥٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ، عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ، فَقَالَ: "ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا، أَوْ نَحْوَهُ، وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ". فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي، فَوَضَعْتُهَا إِلَىٰ جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ، فَلَمَّا قَضَىٰ أَتْبَعَهُ بِهِنَّ".

ترجمہ: یہ باب ڈھیلے سے استنجاء کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلا اس حال میں کہ آپ قضائے حاجت کے لیے نکلے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِدھر اُدھر توجہ نہیں فرماتے تھے، میں آپ کے قریب ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے ڈھیلے تلاش کرو جن سے میں استنجاء کروں، یا اس جیسا کوئی لفظ فرمایا، (اور فرمایا کہ) ہڈی اور لید مت لانا، چنانچہ میں اپنے دامن میں چند ڈھیلے لے آیا اور آپ کے پاس رکھ کر پیچھے ہٹ گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو ان ڈھیلوں سے استنجاء فرمایا۔“



ہر نجاست دور کرنے والی چیز سے استنجاء کرنا جائز ہے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیح مناط کے ذریعے اِس مسئلے میں عموم فرمایا کہ ہر ایسی پاک چیز جو قابل احترام نہ ہو اور نجاست کو دور کرنے والی ہو استنجاء کے لیے کافی ہے، حالانکہ حدیث میں صرف ڈھیلے کا ذکر ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ تنقیح مناط منصوص میں بھی جاری ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ تعلیم عملی انداز کا ہوتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چیز اُمّت کو سکھانا چاہتے تو آپ اس پر عمل فرماتے اور پیروی کا حکم فرماتے، یہ نہیں کہ ایک

لگا بندا کلام لوگوں کے سامنے پیش کر دیں، کیوں کہ یہ غیر فطری طریقہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی عادت کے مطابق پتھر کو استعمال فرمایا، کیوں کہ وہ آسانی سے مل جاتے تھے، حالانکہ مقصد اس سے عام ہے۔ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ پتھر کے سوا کسی اور چیز سے استنجاء نہیں ہوگا۔

"وَكَانَ لاَ يَلْتَفِتُ"...... یہ آداب میں سے ہے۔

"أَسْتَنْفِضْ بِهَا"...... اس سے نجاست دور کرنا مُراد ہے۔



۲۱ - بَابُ لَا يُسْتَنْجىٰ بِرَوْثٍ

١٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: لَيْسَ أَبُو عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ وَلٰكِنْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ : أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ، فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ، وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ أَجِدْهُ، فَأَخَذْتُ رَوْثَةً فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: "هٰذَا رِكْسٌ" وقال إبراهيم بن يوسف عن أبيه عن أبي إسحاق: حدثني عبد الرحمن.

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ لید کے ذریعے استنجاء نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لائے تو مجھے حکم فرمایا کہ تین ڈھیلے لے آؤں، مجھے دو ڈھیلے ملے اور تیسرا تلاش کرنے کے باوجود نہ مل سکا تو میں لید کا ایک ٹکڑا آپ کے پاس لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو ڈھیلے لیے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے۔“

ابراہیم بن یوسف نے اپنے والد سے، انھوں نے ابواسحاق سے روایت کیا ہے کہ مجھے عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔



"لَيْسَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ"...... حالانکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور اس سند میں آپ نے اپنے شیخ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرتے ہوئے دعویٰ فرمایا ہے کہ زہیر کی اِس حدیث کے مقابلے میں ابواسحاق کی حدیث ابوعبیدہ عن عبداللہ کے طریق سے ان کے نزدیک اصح ہے اور اپنی جامع میں اس کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا رُجحان زہیر کے طریق کو راجح قرار دینے کا ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو راجح قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اشکال کا جواب بھی دیا ہے۔

بوقت استنجاء ڈھیلے کی تعداد کے بارے میں اختلاف:

"وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ"......ڈھیلے کی تعداد کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، شافعیہ فرماتے ہیں کہ تین ڈھیلے

واجب ہیں اور طاق عدد مستحب ہے، لہٰذا اگر کسی نے دو ڈھیلے استعمال کر کے نجاست صاف کر لی تب بھی ان کے نزدیک تیسرے ڈھیلے سے استنجاء واجب ہوگا، ہمارے نزدیک نہیں۔ ہمارے نزدیک نجاست کو دور کرنا ضروری ہے، جب کہ تین ڈھیلے اور طاق عدد مستحب ہے، جیسا کہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ فن حدیث سے شغف رکھنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ البحر الرائق میں مذکور اس مسئلے کی تائید کرے، تاکہ ہمارا مذہب اقرب الی الحدیث ہو جائے۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی پر اعتراض کیا ہے کہ اِس حدیث کے ذریعے دو پتھر سے استنجاء پر استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ اس روایت میں "وائتِنِيْ بِثَالِثٍ" کی زیادتی بھی ثابت ہے، اگر یہ اعتراض امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ پر ہے تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ہوگا، اس لیے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس پر "الاستنجاء بالحجرين" کا باب قائم فرمایا ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس زیادتی کو قبول نہیں فرمایا ہے۔

ہماری دلیل ابوداود شریف کی روایت ہے کہ ''من استجمر فليوتِرْ، من فعل فقد أحسَنَ، ومن لا فلا حرجَ'' (سنن أبي داود، رقم: ۳۵) ''جو ڈھیلوں سے استنجاء کرے تو اسے چاہیے کہ طاق عدد سے کرے، جو ایسا کرے تو بہتر ہے، اور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔'' لفظ "إِيْتَار" کا اطلاق تین یا اس سے زائد پر ہوگا۔

لیکن اِس سے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا عدد کے مسنون ہونے کی نفی پر استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ایک ڈھیلے سے بھی طاق عدد پر عمل ہو جائے گا، یہ درست نہیں، اس لیے کہ اگر طاق عدد کو ایک پر بھی محمول کریں تو سِرے سے استنجاء کی نفی ہو جائے گی، کیوں کہ جب ایک کے عدد میں بھی اختیار ہوگا تو اِس سے استنجاء کی نفی ہو جائے گی، حالانکہ استنجاء بالاتفاق واجب ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک ڈھیلے پر اکتفا ثابت نہیں ہے، لہٰذا لفظ "إِيْتَار" کو ایک کے عدد پر محمول کرنا محض لفظ کے مطابق چلنا ہوا۔ اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا تین سے زائد پر محمول کرنا بھی غرضِ شارع کو باطل کرنے اور شئے کو اس کی نوع سے نکال دینے کے مرادف ہے۔

اِس باب میں وارِد روایات سے جو حاصل نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دراصل شارع کا مقصود نجاست کی صفائی اور اس کا ازالہ ہے، اور تین کا عدد چوں کہ عموماً صفائی کے لیے کافی ہو جاتا ہے اس لیے تین کا ذکر روایات میں وارِد ہے، اور طاق عدد چوں کہ تمام احوال میں مطلوب ہے تو اِس باب میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے، اور جب تین کا عدد صفائی کے لیے کافی ہے اور وہ طاق عدد بھی ہے تو احادیث میں اس کا ذکر بہ کثرت ہوا ہے، لہٰذا تین کا ذکر واجب ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ صفائی میں کافی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس پر ابوداود کی روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بھی شاہد ہے کہ ''فليذهبْ معَهُ بثلاثةِ أحجارٍ يستطيبُ بهنَّ فإنَّها تُجزئُ عنه. (سنن أبي داود، رقم: ٤٠)

''اپنے ساتھ تین ڈھیلے لے جائے، کیوں کہ تین ڈھیلے کافی ہوجائیں گے۔'' اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ مقصد یہاں نجاست کو دور کر کے صفائی کرنا ہے، اور تین کی تعیین اس لیے ہے کہ وہ کافی ہیں۔

رہی بات طاق عدد کے مطلوب ہونے کی تو اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ ''إنَّ اللّٰہَ وترٌ یحبُّ الوترَ'' (سنن الترمذي، رقم: ٤٥٣) ''اللہ تعالیٰ کی ذات طاق ہے اور طاق عدد کو پسند فرماتے ہیں۔'' اِس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "فَلْیُوْتِرْ" کو ابتداءً تین سے زائد پر محمول کرنا یہ شارع کے مقصد کو ختم کرنا ہے، جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کیا ہے، کیوں کہ تین یا اس سے زائد کا ذکر عددِ مخصوص ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طاق عدد کو مُراد لے کر اسے مقصود بنایا ہے، البتہ تین کا عدد پسندیدہ اس وجہ سے ہے کہ وہ طہارت سے قریب ہے اور وہ طاق عدد بھی ہے۔

پھر شوافع پر تعجب ہے کہ یہی تین کا عدد بہت سے احکام میں وارد ہے، لیکن انھوں نے اسے واجب نہیں قرار دیا، جیسا کہ حدیث میں ہے: "أَمَّا الطِّیْبُ فَاغْسِلْہُ عَنْكَ ثَـلَاثَ مَرَّاتٍ" کہ احرام میں لگی ہوئی خوشبو کو تین مرتبہ دھولو۔'' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم خوشبو کو ختم کرنے میں مبالغے کے لیے ہے، ورنہ اگر خوشبو ایک مرتبہ میں ختم ہوجائے تو وہ بھی کافی ہے۔ اس طرح اور بھی کئی مواقع ہیں۔ یہی نجاساتِ غیر مرئیہ کو پاک کرنے کے لیے تین کے عدد کے متعلّق احناف کی دلیل ہے، لیکن نجاست مرئیہ میں صرف عین نجاست کو ختم کردینا کافی ہے، اس میں کسی عدد کی ضرورت نہیں۔

بالفاظِ دیگر جب شریعت نے طاق عدد کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ اختیار بھی دیا اور فرمایا کہ ''من استجمر فلیوتِرْ، من فعل فقد أحسَنَ، ومن لا فلا حرجَ'' ''جو طاق عدد سے استنجاء کرے تو بہتر ہے، اور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔'' اور جب تثلیث کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ کافی ہوجانے کا اور اکتفا کا بھی ذکر فرمایا کہ "فَإِنَّھَا تُجْزِئُ عَنْہُ" اس سے یہ خلاصہ نکلا کہ تثلیث بھی طاق عدد کی طرح مستحب ہے، اگرچہ تثلیث کی غرض اکتفا ہے اور اِیتار کی غرض طاق عدد کا حصول ہے، اس طرح تثلیث کا کافی ہونا اور طاق عدد کا مستحب ہونا دونوں حدیث سے بغیر کسی تکلّف کے ثابت ہوں گے۔ اور وجوب اس سے خارج ہوجائے گا۔

''رِکس'' سے مراد:

"ھٰذَا رِکْسٌ"...... سنن ابن ماجہ میں اس کی جگہ "رِجْسٌ" کا لفظ ہے، اور نہایہ میں ہے کہ "رِکس" لید کے مشابہ ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أُرْكِسُوْا فِیْھَا﴾ [النساء:۹۱] یعنی اُلٹے منہ پھینکے جاتے ہیں۔ اور ابن سیّد الناس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "رِکْس" لید کی طرح ناپاک ہے، اسے "رِکْسٌ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے کھانا تھا جو بعد میں نجاست میں تبدیل ہوگیا۔ علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "الرِّکْسُ" لید کو کہتے ہیں، یہ ماخوذ ہے "رَجَعَ مِنْ

حَالَةِ الطَّهَارَةِ إِلیٰ حالَةِ النَّجَاسَةِ" سے، یعنی طہارت سے ناپاکی کی جانب لوٹ گیا۔ اور ایک روایت میں "رَکِیْسٌ" فعیل کے وزن پر ہے، جو مفعول کے معنیٰ میں ہے، اِس صورت میں یہ وصف ہوگا، نہ کہ حکم، جس کا ترجمہ ہے: بھرا ہوا، اس کا حاصل بھی ناپاکی ہے، اس اعتبار سے حکم اِس وصف پر دائر ہوگا کہ ہر وہ چیز جو "رِکْس" ہوگی وہ ناپاک ہوگی۔ اور اِس صورت میں یہ ہمارے لیے مطلقاً پیشاب و پاخانے کے نجس ہونے پر دلیل ہوگی، خواہ ماکول اللحم کا پیشاب پاخانہ ہو یا غیر ماکول اللحم کا، کیوں کہ ہمیں اس علت کا علم شریعت سے ہوا ہے، اور یہ علت پیشاب پاخانے پر صادق آرہی ہے، کیوں کہ وہ بھی "رِکس" ہیں، لہٰذا یقیناً ناپاک شمار ہوں گے۔ جب کہ لفظ "رِجْس" اگرچہ فی نفسہٖ نجاست پر صادق ضرور ہے لیکن بحیثیت علت ہمارے لیے مفید نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ اس کا حکم اسی لید پر ہے، لہٰذا یہ اپنے مورِد پر منحصر رہے گا، اس میں شریعت کی جانب سے کوئی ضابطہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ ہم اسے دوسرے مواقع میں استعمال کر سکیں، جب کہ لفظ "رِکْس" چوں کہ ایک حسی وصف ہے، لہٰذا وہ حکم کا مدار بنے گا۔

اور شاید لفظ "رِجْسٌ" روایت بالمعنیٰ ہے، اس لیے کہ "رکس" نتیجۃً رِجس ہی ہے، جیسا کہ آپ جان چکے۔ پھر اگر ہم کہیں کہ لفظ "رجس" بھی پلیدی کے معنیٰ میں وصف ہے، تو یہ کوئی باضابطہ وصف نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق طبیعتوں سے ہے اور اس میں تلاش وتتبع کی ضرورت ہوگی، اس سے کوئی بھی ضابطہ معلوم نہیں ہو رہا ہے، ہاں اگر لفظ "رجس" کا کوئی ضابطہ ہوتا تو اسے بھی علت بنایا جا سکتا تھا۔

صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ یہ گدھے کی لید تھی۔ علّامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نیل الاوطار" میں اسے نقل کیا ہے، لیکن انھوں نے غلطی سے اسے مرفوع قرار دیا، لہٰذا یہ ہمارے لیے حجت نہیں رہی، کیوں کہ اِس صورت میں اس کا مطلب ہوگا کہ وہ گدھے کی لید ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے، اور گدھا ایک غیر ماکول اللحم جانور ہے، لہٰذا اس سے ماکول اللحم کی غلاظت کا ناپاک ہونا لازمی نہیں ہے۔ دراصل یہ (گدھے کی لید کی تعیین) راوی کی جانب سے ہے، جیسا کہ فتح الباری میں اس قصے کے بیان میں ہے کہ یہ لید جو لائی گئی وہ گدھے کی تھی، چنانچہ یہ واقعے کا بیان راوی کی جانب سے ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے علت کا بیان نہیں ہے، اسے یاد رکھیں۔

علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِس مسئلے پر پینتیس صفحات میں بحث فرماتے ہوئے ماکول اللحم جانوروں کی غلاظت کے پاک ہونے کو پسند فرمایا ہے، اور میں نے آپ کی بحث کا ایک ہی صفحے میں جواب دیا ہے۔



٢٢ - بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

١٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً".

ترجمہ: یہ باب ایک ایک مرتبہ (دھوکر) وضوکرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ (دھوکر) وضوفرمایا۔"



٢٣ - بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

١٥٨ - حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ".

ترجمہ: یہ باب دو دو مرتبہ (دھوکر) وضوکرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دو مرتبہ (دھوکر) وضوفرمایا۔"



نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھونا ثابت ہے، مگر مکمّل سنّت یہ ہے کہ تین تین مرتبہ دھویا جائے، پھر اگر کوئی اس کو چھوڑ دے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ تو یہ ایسا مسئلہ ہے جسے میں نہیں چھیڑتا، کیوں کہ یہ بہت بڑا معاملہ ہے، البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک فرمایا ہے اتنا ترک کرنا جائز ہے، لیکن اگر تثلیث کو چھوڑنے کی عادت بنالے تو یہ ممنوع ہے۔



٢٤ - بَابُ الْوُضُوءِ ثَـلَاثًا ثَـلَاثًا

ترجمہ: یہ باب اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ دھونے کے بیان میں ہے۔

حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کی بعض صفات کے بارے میں اختلاف تھا، لہٰذا اِن حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ وضو بتانے کی ضرورت پیش آئی، اور دونوں کی حدیث کا ظاہر فصل ہے، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

---

١٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَىٰ عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ: "أَنَّهُ رَأَىٰ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِإِنَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلَىٰ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ".

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ حضرت حمران رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے ایک برتن پانی منگوایا، پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر اسے تین مرتبہ اُنڈیل کر دونوں کو دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں داخل کر کے کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا، اور ہاتھ دونوں کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھوئے، پھر اپنے سر پر مسح فرمایا، پھر اپنے دونوں پیر تین مرتبہ ٹخنوں تک دھوئے، پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اِس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعات اس طرح پڑھی کہ دونوں میں اپنے دِل میں کوئی خیال نہ لائے، تو اس کے اگلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔"

  

"ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِيْنَهٗ فِي الإِنَاءِ"......آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان جو آگے آئے گا: "إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ ...الخ" اس کی وجہ سے آپ نے اس طرح کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ پانی میں اس لیے ڈالا کہ اس وقت برتنوں کے دستانے نہیں ہوتے تھے۔ "أُذُنُ الإِنَاء" کے معنیٰ ہیں برتن کا دستانہ۔

"ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ"......اس سے تحیۃ الوضوء مراد ہے۔

"لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ"......اِس پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مشکل الآثار'' میں فرمایا ہے کہ "نَفْسَهٗ" نصب کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تحدیث نفس سے مُراد ایسا خیال ہے جس میں بندے کا دخل اور اختیار ہو، لہٰذا بلا ارادہ آنے والے خیالات اس سے مستثنیٰ ہیں، اور ایسا شخص حدیث کی فضیلت میں شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ استثناء کی ضرورت نہیں ہے اور حدیث کے مطابق نفی کو عام رکھنا چاہیے، اگر چہ یہ مشکل کام ہے، لیکن جب نوافل میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ نوافل میں جو شدّت اپنائی جاتی ہے وہ غیر نوافل میں نہیں ہوتی، کیوں کہ نوافل میں بندے کا معاملہ اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔

"غُفِرَ لَهٗ"......متقدمین نے اس کو مطلق رکھا ہے، جب کہ متاخرین نے اس میں تفصیل فرمائی ہے۔

---

١٦٠ - وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ: "فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ: "أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ يُحْسِنُ وُضُوءَهٗ وَيُصَلِّي الصَّلَاةَ، إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ، حَتّٰى يُصَلِّيَهَا". قَالَ عُرْوَةُ: الآيَةُ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ﴾

ترجمہ: حضرت حمران رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وضو سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''سنو! میں تمھارے سامنے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر ایک آیت کریمہ پیش نظر نہ ہوتی تو میں تمھیں وہ حدیث نہ بتاتا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی بھی بندہ اچھّی طرح وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کے دوسری نماز تک کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ آیت: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ [البقرة : ١٥٩] ہے۔

  

"مَا بَيْنَهٗ"...... مسلم شریف میں ہے:"إِلٰى صَلوٰةٍ أُخْرىٰ". اورامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرقاق میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر فرمائی ہے، جس کے آخر میں آپ نے فرمایا ہے : "فَلَا تَغْتَرُّوْا" جس کے معنیٰ "لِئَلَّا يَتَّكِلُوْا" سے ملتے ہیں، چنانچہ یہ واضح فرمادیا کہ اِس وعدے کو مطلقاً بیان کرنے میں دھوکہ کھا جانے کا اندیشہ ہے، اس لیے اعمال صالحہ میں غفلت نہیں برتنی چاہیے، کیوں کہ مغفرت مجموعۂ اعمال پر مرتّب ہوگی اور مجموعۂ اعمال مجموعۂ سیئات کے لیے کفّارہ بنے گا، جو دنیا میں کسی کو معلوم نہیں، یہ معاملہ تو میدانِ محشر ہی میں کھل کر سامنے آئے گا، لہٰذا اِس وعدے سے دھوکے میں آ کر یہ گمان نہ کریں کہ اِتنا ہی عمل نجات کے لیے کافی ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ محلِ اطمینان نہیں بلکہ دھوکے کا اندیشہ ہے، سو یہ حدیث نفل اعمال کے بارے میں ہے، فرائض سے متعلّق نہیں ہے، اور دھوکے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اِس وعدے سے دھوکے میں آ کر اعمالِ صالحہ کے فضائل سے بے رغبت رہ جائے۔



۲۵ - بَابُ الِاسْتِنْثَارِ فِي الْوُضُوءِ

ذَكَرَهُ عُثْمَانُ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: یہ باب وضو کے درمیان ناک صاف کرنے کے بیان میں ہے۔

اس کو حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے ذکر کیا ہے۔

۱۶۱ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص وضو کرے اسے چاہیے کہ ناک صاف کرے، اور جو استنجاء کرے تو چاہیے کہ طاق عدد سے استنجاء کرے۔''

محدثین فرماتے ہیں کہ "اسْتِنْثَار" یہ "نَثْرَة" (ناک کا بانسہ) سے ہے، اور بابِ استفعال سے ہونے کی وجہ سے بانسے کو حرکت دینے کے معنیٰ ہوں گے۔ اور میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ "نَثْر" سے ماخوذ ہے۔

"مَنِ اسْتَجْمَرَ"...... جمہور کا کہنا ہے کہ اس کے معنیٰ ڈھیلوں کو استعمال کرنا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو منقول ہے کہ یہ کفن کو دھونی دینے کے معنیٰ میں ہے، تو یہ نقل آپ کی شایانِ شان نہیں ہے، اِس طرح کے بہت سے بعید اقوال صفحاتِ کتب میں پائے جاتے ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔



٢٦ - بَابُ الِاسْتِجْمَارِ وِتْرًا

١٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْثُرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ".

ترجمہ: یہ باب طاق عدد میں استنجاء کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو چاہیے کہ اپنی ناک میں انگلی ڈال کر اسے صاف کرے، اور جو ڈھیلے سے استنجاء کرے تو طاق عدد میں استنجاء کرے، اور جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو دھو لے، کیوں کہ تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارا ہاتھ رات بھر کہاں لگا ہے۔''



چنانچہ اگر کوئی شخص چوتھے ڈھیلے سے نجاست صاف کرے تو مستحب ہے کہ طاق عدد کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے پانچواں ڈھیلا بھی استعمال کرلے۔

بعض اہم مسائل:

"إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ"...... اس کے تحت متعدد مسائل ہیں، یعنی یہ حدیث وضو سے متعلّق ہے یا پانی کے مسائل سے؟ اگر وضو کے مسائل سے متعلّق ہے تو اِس سے وضو سے پہلے دونوں ہاتھ دھونے کی سنّت ثابت ہوتی ہے، اس بارے میں مجھے کوئی حدیث قولی یاد نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نجاست موہومہ کے لیے بھی پاک کرنے کے احکام ہیں یا نہیں؟ تیسرا مسئلہ یہ کہ ہاتھ دھونے کا حکم رات کی نیند کے ساتھ خاص ہے یا دِن کی نیند کے ساتھ یا دونوں کو عام ہے؟

چوتھا یہ کہ ہاتھ دھونے کا سبب کیا ہے؟ پانچواں یہ کہ ہاتھ دھونے میں تثلیث ضروری ہے یا نہیں؟ چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈال دینے سے پانی فاسد ہوگا یا نہیں؟

حدیث وضو سے متعلق ہے یا پانی سے مسائل سے؟

جان لیں کہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کلام فرمایا ہے کہ یہ حدیث جس کسی بھی باب سے متعلّق ہو، یعنی خواہ وضو کے باب سے یا پانی کے باب سے، اگر پانی کے باب سے ہو تو اس کی بنیاد صرف پانی کو ناپا کی سے بچانا ہے، اور یہ میرے نزدیک اولیٰ ہے، رہا وضو سے پہلے ہاتھ دھونے کا مسئلہ تو وہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا، اس لیے کہ جب پانی کو ناپاک ہونے سے بچانا ہر حال میں مطلوب ہے تو وضو کے لیے بدرجہ اولیٰ مطلوب ہوگا، چنانچہ حدیث اگر چہ پانی کے باب سے متعلّق ہے لیکن اس کے حکم کا تعلق وضو کے باب سے بھی ہوگا، اور دونوں نظریوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

نجاست موہومہ کو پاک کرنے کا حکم:

اور اِس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نجاساتِ موہومہ کو پاک کرنے کے بھی احکام ہیں، اور اسی وجہ سے نیند سے بیدار ہونے والے کو حکم ہے کہ اپنا ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے پہلے اسے دھوئے۔ پھر اگر اس نے اپنے ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال دیے تو پانی فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس کے ہاتھ پر کسی نجاست کا اثر نہ ہو، البتہ ایسا کرنا مکروہِ تنزیہی ہوگا۔ اور ہمارے نزدیک نجاساتِ موہومہ کے بارے میں یہی ضابطہ ہے، جیسے کھلی پھرنے والی مُرغی کے جھوٹے کا حکم ہے۔ ''المنیہ'' میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ مستثنیٰ ہے۔

اور نجاساتِ غیر مرئیہ میں بطورِ خاص تثلیث کا حکم ہمارے نزدیک پاک کرنے کے بعد ظن غالب کے لیے ہے، اور اس جیسی احادیث ہی اِس باب میں مستدل ہیں۔ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ ''إذا استيقظ أحدكم من الليل فلا يدخل يده في الإناء حتى يفرغ عليها مرتين أو ثلاثا'' (سنن الترمذي، رقم:٢٤) ''نیند سے بیدار ہونے والا شخص اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈال دے، یہاں تک کہ ہاتھ پر دو یا تین مرتبہ پانی بہا دے۔'' اِس حکم میں گنجائش رکھی گئی ہے، تاکید نہیں، کیوں کہ سبب یعنی وجودِ نجاست ایک امر محتمل ہے، لہٰذا سبب ہی کی مقدار میں حکم دیا گیا ہے۔

اور یہ حدیث پانی کے مسائل میں ہمارے لیے حجّت ہے، میں یہاں پانی کے مسئلے کو بقدرِ ضرورت ذکر کر رہا ہوں، اور جامع ترمذی میں اس کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

پانی کب ناپاک ہوتا ہے؟

چنانچہ جان لیں کہ پانی متغیر ہونے کی وجہ سے بالاجماع ناپاک ہوجاتا ہے، اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب ہے، آپ پانی کے قلیل اور کثیر ہونے کا فرق نہیں فرماتے، آپ سے اِس کے علاوہ بھی روایات منقول ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب پانی قلتین کی مقدار میں ہوتو ناپاک نہیں ہوگا، ورنہ ناپاک ہوجائے گا۔ اور قلتین ہی آپ کے نزدیک قلیل وکثیر کے درمیان حد فاصل ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک معاملہ مبتلا بہ کی رائے کے حوالے ہوگا، اگر مبتلا بہ کا غالب گمان ہو کہ نجاست ایک جانب میں گری ہے، اور دوسری جانب میں اس کا اثر پایا جارہا ہے تو وہ مائے قلیل ہے، ورنہ کثیر ہے جو مائے جاری کے حکم میں ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر پانی جاری ہو یا جاری کے حکم میں ہو تو وہ کثیر ہے، اور اس کے علاوہ قلیل ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایات اِس باب میں مختلف ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اِس باب میں صرف شوافع ہی تحدید کے قائل ہیں، کیوں کہ حد بندی کرنے والا وہی ہوتا ہے جو علت کی مقدار کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اور یہی شوافع نے کیا ہے، کیوں کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جب پانی قلتین سے ایک درہم بھی کم ہو تو قلیل وکثیر دونوں نجاست سے ناپاک ہوجائے گا، اور اگر پانی قلتین کی مقدار میں ہے تو ایک رطل نجاست سے بھی ناپاک نہیں ہوگا۔ اور یہ انتہائی درجے کی حد بندی ہے، حتیٰ کہ شوافع کا کہنا ہے کہ اگر قلتین کے پانی سے نجاست نکالی جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو نکالی جانے والی چیز ناپاک ہے اور بقیہ پانی پاک ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات میں نے بعض شوافع کے کلام میں دیکھی کہ مائے جاری ہو تب بھی قلتین سے کم پانی ناپاک ہوجائے گا، اور بقیہ پاک رہے گا۔ تو یہ حضرات علت کی مقدار پر فیصلہ نہیں کرتے، جب کہ ناپاک ہونے کا حکم اگر نجاست کے حال کو دیکھتے ہوئے کرنا ہو تو نجاست ہی پر حکم کا مدار ہونا چاہیے، اور یہ حکم قلتین اور قلتین سے کم پانی کے بارے میں یکساں ہونا چاہیے، لیکن پھر بھی ان حضرات کے نزدیک مدار قلتین ہی پر ہے۔

رہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تو آپ نے اس سلسلے میں سرے سے کوئی تحدید نہیں فرمائی، جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثابت فرمایا ہے، اور دِہ دَر دِہ کا مسئلہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی نہیں ہے، یہ سب کو معلوم ہے جس کو ہم ذکر نہیں کریں گے۔ اب مالکیہ اور ہمارے درمیان فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انھوں نے حسی طور پر تغیّر کا اعتبار کیا ہے، جب کہ ہم نے مبتلا بہ کے ظن غالب کا اعتبار کیا ہے، اگر آپ غور کریں گے تو ان شاء اللہ معلوم ہوگا کہ مزاجِ شریعت سے قریب تر نظریہ یہی ہے کہ مبتلا بہ کی رائے پر مسئلہ چھوڑا جائے، اور آپ کو اس بات میں کوئی شک نہیں ہوگا کہ شریعت نے

اکثر ابواب میں ظن غالب کا اعتبار کیا ہے، نہ کہ حِس کا، چنانچہ جب دیگر ابواب میں بھی یہی معاملہ ہے تو اِس باب میں بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔

پھر ہر ایک مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ اِس باب کی احادیث میں سے کسی نہ کسی حدیث میں وہ تاویل کرتے ہیں، چنانچہ مالکیہ بئر بضاعہ جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث قلتین نیز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے نہی والی حدیث وغیرہ کو چھوڑ دیتے ہیں، نیز اسی طرح شوافع بھی حدیث قلتین کو اختیار کر کے بقیہ احادیث میں تاویل کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہر ایک کسی ایک حدیث کو لے کر اسے اِس باب میں دیگر احادیث پر فیصلہ کن بناتے ہیں، اور پانی کے مسائل کو اسی میں منحصر کر دیتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے تمام احادیث کو ایک مورِد پر جمع کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کبھی اِس حدیث کی تاویل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور کبھی اُس کی تعلیل پر مجبور ہوتے ہیں، چنانچہ یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے شاعر نے کہا ہے:

ع

إِذَا سُدَّ مِنْهُ مَنْخَرٌ جَاشَ مَنْخَرُ

''جب ایک نتھنا بند ہوتا ہے تو دوسرا بہنے لگتا ہے۔''

لیکن ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دقّتِ نظر سے اِس باب کی کسی بھی حدیث کو ترک نہیں فرمایا، بلکہ ہر ایک پر عمل کر کے بلا شک و شبہ سر آنکھوں پر رکھا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے پانی پیدا فرمائے ہیں، ایک ندیوں کا پانی، دوسرا کنوؤں کا پانی، تیسرا صحرا اور بنجر زمینوں کا پانی، اور چوتھا وہ پانی جو گھروں میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور شریعت مطہرہ نے اِن میں سے ہر ایک پانی کا الگ حکم بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ بئر بضاعہ والی حدیث کنوؤں کے پانی کے باب میں وارِد ہوئی ہے جب کہ اُن میں سے نجاست نکال لی گئی ہو، نجاست کنوؤں میں موجود نہ ہو۔ اور حدیث قلتین اُن چشموں کے پانی کے سلسلے میں ہے جو صحرا اور بیابان میں ہوتے ہیں، جن میں نیچے سے پانی اُبلتا ہے اور اوپر سے نکالا جاتا ہے، اور یہ پانی صحرا میں ہمیشہ رہتا ہے جس سے لوگ پیتے ہیں اور وہاں آتے جاتے رہتے ہیں، ایسے پانی میں نجاست کا یقین نہیں ہوتا، لیکن چوں کہ یہ پانی محفوظ نہیں ہے اس لیے اس کے ناپاک ہونے کا وہم ہوتا ہے اور عام لوگ اس کے استعمال سے بچتے ہیں۔

اور ولوغِ کلب والی حدیث ایسے پانی کے بارے میں ہے جو برتنوں میں جمع کر کے رکھا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے حدیث میں اس کو عنوان بنا کر فرمایا: "طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيْهِ الكَلْبُ"...... فَلَا يَغْمِسْ يَدَهٗ فِي الإِنَاءِ" جیسا کہ حدیث قلتین میں ''فلوات'' یعنی صحرا کو عنوان بنایا گیا ہے۔ چنانچہ تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

مختلف قسم کے پانی پر منقسم ہیں۔ پھر گھروں میں چوں کہ اتفاق یہی ہوتا ہے کہ کبھی کتّا پانی میں منھ ڈال دیتا ہے، یا بلّی پی لیتی ہے، یا اس میں چوہا گر جاتا ہے، یا کوئی اپنا ہاتھ ڈال دیتا ہے، اس لیے اِن تمام کو عنوان بنا کر اس کا حکم واضح فرمایا۔

اور صحرا کے پانی میں چوں کہ وحشی جانوروں کا آنا ہوتا ہے تو حدیث میں اس کا بھی حکم ذکر کیا گیا۔ الغرض جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ شریعت نے پانی کے مسئلے میں متعدد ابواب قائم فرمائے ہیں اور منشا یہ ہے کہ ہر ایک کا حکم علیحدہ ہو، تو ان ابواب کی رعایت اس طرح ہونی چاہیے کہ آپس میں خلط نہ ہو، چنانچہ کنوؤں کے پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ نجاسات کے گرنے سے ناپاک ہوجائے گا، پھر ان کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست نکالنے کے بعد پورا یا کچھ پانی نکالا جائے، لہٰذا کنواں ایسا ناپاک نہیں ہوگا کہ وہ کبھی پاک ہی نہ ہو، جیسے مؤمن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی بھی یہی مُراد ہے کہ ''الماءُ طهورٌ لا يُنجِّسهُ شيءٌ'' (سنن الترمذي، رقم:٦٦) ''پانی پاک ہے، اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' یعنی اس طرح ناپاک نہیں کرتی کہ وہ کبھی پاک ہی نہ ہو، یا جس طرح تمھارا خیال ہے۔

اور چشموں کے پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ نجاست موہومہ غیر یقینیہ سے ناپاک نہیں ہوگا، اور قلتین کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ پانی جب اِس مقدار میں ہوتا ہے تو عموماً اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، لیکن یہ کوئی تحدید نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے کی صحیح روایت میں "أَوْ ثَلاَثًا" کے الفاظ ہیں، لہٰذا یہ تنوع اور اندازہ بیان کرنے کے لیے ہے، اگرچہ شوافع نے "أَوْ ثَلاَثًا" کو شک پر محمول کیا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث قلتین کو اگر ہم شوافع کی مقرّر کردہ تحدید پر محمول کریں گے تو وہ اِس باب میں غریب شمار ہوگی، کیوں کہ پانی کے مسئلے میں احادیث بہ کثرت ہونے کے باوجود کہیں بھی قلتین کا ذکر نہیں ہے، اور یہ مقدار ہمیں صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث ہی سے معلوم ہو رہی ہے، پھر آپ سے اس کے علاوہ کچھ مروی نہیں ہے، لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی ندرت اور ان حضرات کا اس بارے میں بحث نہ کرنا بھی صریح دلیل ہے کہ قلتین کوئی مدارِ حکم نہیں ہے، بلکہ محض ایک تعبیر ہے۔ اسے خوب سمجھ لیں۔

اور جمع کر کے رکھے جانے والے پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ ناپاک ہوجاتا ہے، اور اس کو پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اس کو پھینکنا ضروری ہے، بلکہ اس پانی کے ساتھ ساتھ برتن بھی ناپاک ہوجائیں گے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "طُهورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ ...الخ". تو یہ سب پانی کی اقسام اور ان کے احکام ہیں، ان تمام کی رعایت کرتے ہوئے انھیں اپنے درجے میں رکھنا چاہیے، جملہ احکام کو ایک ہی حدیث کے تحت داخل نہیں کر دینا چاہیے۔

ایک ضروری تنبیہ:

یہاں ایک سہو ہے جس پر متنبہ ہونا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ حدیث قلتین میں اضطراب کی تقریر کرتے ہوئے

احناف کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "أَرْبَعِيْنَ قُلَّةً". ہم نے اس کو فتح القدیر میں بھی اسی طرح پایا ہے، میرا خیال تھا کہ صحیح لفظ ''ابن عمروٗ'' ہے، لکھنے والے سے واو ساقط ہوگیا ہے، اِس صورت میں اضطراب کم ہو جاتا ہے، پھر جب علّامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب طبع ہوئی تو ہمیں اس میں "عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ" ملا، جس سے مجھے ایسی خوشی ہوئی جیسی روزے دار کو افطار کے وقت ہوتی ہے، یہ سہو کتابوں میں مسلسل چلا آرہا ہے، لہٰذا اس سے غفلت میں نہ رہیں، درست عبارت وہ ہے جو ہم نے کہی۔

بہر حال حدیث مستیقظ اِس باب میں ہماری حجّت ہے۔ اور اس سے صاحب ہدایہ نے بھی استدلال کیا ہے کہ جب ہمیں نجاست کے احتمال کی وجہ سے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا تو پتا چلا کہ اگر ہاتھ پر حقیقۃً نجاست لگی ہوئی ہو تو اس کو دھونے کا حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسی حالت میں پانی میں ہاتھ ڈال دیا جائے تو نجاست کم ہونے کی صورت میں پانی میں تغیّر نہیں ہوگا، اس کے باوجود شریعت نے اسے دھونے کا حکم دیا ہے، اور یہ حکم شریعت نے اسی وجہ سے دیا ہے کہ اس طرح پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھولیں، تاکہ پانی ناپاک نہ ہو، جیسا کہ اس کی طرف آپ کے فرمان میں یہ تعلیل اشارہ کررہی ہے: "فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ". یعنی یہ نہیں معلوم کہ ہاتھ ناپاکی وغیرہ پر لگا ہو، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ شریعت کے نزدیک نجاست کے احتمال والے ہاتھ کو پانی میں ڈالنے سے پانی میں اس کا اثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے ہاتھ کو پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ اور یہی مطلب امام احمد، اسحاق اور امام شافعی رحمہم اللہ نے بھی سمجھا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے چوں کہ اِس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا اس لیے اس کو نظافت کے باب سے قرار دیا ہے، یعنی نجاست کے احتمال والے ہاتھ کو پانی میں ڈال دینا نظافت کے خلاف ہے، اگرچہ اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، چنانچہ یہ ممانعت ایسی ہے جیسے پانی میں تھوکنے اور اس میں سانس لینے کی ممانعت ہے، حالانکہ پانی میں تھوکنے یا سانس لینے سے کسی کے نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوجاتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کا انسان کے ساتھ تعلق رہتا ہے کہ وہ رات کے وقت انسان کے ناک کے بانسے پر رہتا ہے، اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے بیدار ہونے کے وقت ناک کے بانسے کو دھونے کا حکم فرمایا ہے، اسی طرح شیطان کا انسان کے ہاتھ سے بھی تعلق رہتا ہے، کیوں کہ ہاتھ حرکت کرتا رہتا ہے، تو اسی نظر معنوی کی وجہ سے شریعت میں پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ یہ نظافت کے باب سے متعلّق ہے، نہ کہ نجاست سے۔

حتیٰ کہ علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے متاثّر ہو گئے اور فرمایا کہ اِس میں ہاتھ کے ناپاک ہونے کی صورت میں پانی کے ناپاک ہونے کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ وہ مذکورہ ممانعت کی تعلیل ہے جو لازم نہیں ہے، یعنی ہاتھ کے ناپاک ہونے کی صورت میں پانی کے ناپاک ہونے کی تعلیل ہو سکتا ہے کہ نجاست و کراہت سے عام ہو، لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ہاتھ اگر ایسا ناپاک ہے جو پانی کو متغیر کر دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، یا اگر ہاتھ کی نجاست سے پانی متغیر نہیں ہوتا تو یہ ممانعت کراہت کے لیے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ پانی میں ہاتھ ڈال دینے کی صورت میں ممکن ہے کہ پانی مکروہ ہو جائے، ناپاک نہ ہو، کیوں کہ پانی ناپاک اس صورت میں ہوگا جب وہ متغیر ہو جائے، اور اس نہی میں پانی کے متغیر نہ ہونے کی صورت میں بھی ناپاک ہو جانے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ ممانعت مکروہ کی بھی ہوتی ہے جیسے ناپاکی کی ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ بات کو ائمہ میں سے کسی نے اختیار نہیں کیا ہے، تمام نے اِس حدیث کو نجاست کے باب سے قرار دیا ہے، نہ کہ نظافت کے باب سے۔ پھر شیطان کا تعلق آلودگی کی جگہوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ انسان کی مقعد سے کھیلتا ہے اور رات کے وقت ناک کے بانسے پر رہا کرتا ہے، کیوں کہ وہ بھی آلودگی کی جگہ ہے، یا شیطان کا تعلق انسانی بدن کے سوراخوں سے ہوتا ہے، تاکہ وہ دِل و دِماغ میں وسوسے ڈال سکے، اور ہاتھ کا تو آلودگی اور سوراخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو پھر شیطان کا ہاتھ سے کیا تعلق ہے؟ حالانکہ حدیث میں ہاتھ کے پھرنے اور حرکت کرنے کا ذکر ہے، لہٰذا نجاست میں بھی اسی کا دخل ہے، نہ کہ شیطان کے ساتھ تعلق کا، اگر شیطان کا اس میں دخل ہوتا تو اس کو بھی ضرور بیان کیا جاتا جیسا کہ ناک کے بانسے پر شیطان کے رات گزانے کو بیان فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی کی روایت میں ہے: "أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ مِنْهُ". اس کو ابن مندہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ روایت کے اِن الفاظ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے کسی بھی حصے پر رات کے وقت ہاتھ لگنے کا دخل ہے، شیطان کے ہاتھ پر رات گزارنے کا کوئی دخل نہیں ہے، چنانچہ حدیث نے تو ہاتھ کو 'طائف' (حرکت کرنے والا) اور 'بائت' (رات بِتانے والا) قرار دیا اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کو رات بِتانے والا قرار دیا، حدیث میں تو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انسانی جسم کے کسی بھی حصے پر رات کے وقت ہاتھ لگ سکتا ہے، جب کہ علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ کے ساتھ شیطان کے تعلق کو ذکر کیا ہے، تو اب حدیث میں اور علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر میں کیا جوڑ رہا؟

نیز علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ بات کا بھی میں کچھ حاصل نہیں نکال سکا، اس لیے کہ کراہت نجاست محتملہ ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، لہٰذا کراہت بھی نجاسات کی فروعات میں سے ہے، کوئی مستقل باب نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ

پانی ہمارے نزدیک یا تو پاک ہوگا، یا اگر نجاست گر گئی تو ناپاک ہوگا، اس میں کوئی تیسری قسم نہیں ہے، رہا پانی کا مکروہ ہونا تو وہ وقوعِ نجاست کے احتمال ہی کی وجہ سے ہے، جیسا کہ فقہائے احناف نے کھلی پھرنے والی مُرغی کے بارے میں فرمایا ہے۔ پانی کا حکم نماز کی طرح نہیں ہے، کیوں کہ نماز یا تو صحیح ہوگی، یا فاسد ہوگی، یا مکروہ ہوگی، تو نماز میں کراہت مستقل قسم ہے، نماز میں کراہت سبب فساد کے گمان کی وجہ سے نہیں ہوتی، چنانچہ کراہت صلوٰۃ کے مستقل اسباب ہیں جیسے فسادِ صلوٰۃ کے اسباب ہیں، یعنی نماز اسبابِ فساد کی وجہ سے فاسد ہوگی، اسی طرح اسبابِ کراہت کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔ نماز میں کراہت کا تعلق اسبابِ فساد کے ساتھ نہیں ہے، لہٰذا ہم نماز کے متعلّق یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر نماز میں اسبابِ فساد کا یقین ہو تو نماز باطل ہے، ورنہ مکروہ ہے۔ برخلاف پانی کے، کہ اس میں کراہت کا حکم کسی مستقل سبب کے پائے جانے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کراہت کا تعلق سبب نجاست کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ اگر پانی میں نجاست پائی جائے گی تو پانی کے ناپاک ہونے کا حکم ہوگا، اور اگر نجاست کے گرنے میں شک ہو تو کراہت کا حکم ہوگا، تو کراہت کا کوئی مستقل سبب نہیں ہے، اور اِس صورت میں پانی کے مکروہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس میں نجاست کا احتمال ہے۔ الغرض میں علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی بات سمجھ نہیں سکا۔ ہاں البتہ اگر پانی کی کراہت کسی مستقل سبب سے ہوتی جس کا تعلق نجاست کے ساتھ نہ ہوتا تو ان کی تقریر کی کوئی وجہ ہوتی، کیوں کہ اُس صورت میں کراہت ایک ایسے امر مستقل کی وجہ سے ہوتی جس میں نجاست کا کوئی دخل نہ ہوتا، جیسا کہ نماز اسبابِ کراہت کی وجہ سے مکروہ ہوتی ہے اسبابِ فساد کے احتمال کی وجہ سے نہیں۔

ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک کراہت مستقل تیسری قسم ہے، جیسے ہمارے نزدیک نماز میں کراہت مستقل ایک قسم ہے، مالکیہ کے نزدیک پانی کی کراہت احتمالِ نجاست کی وجہ سے نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مالکیہ کا موقف یہی ہے، لیکن کراہت کا احناف کے نزدیک مستقل قسم ہونا میرے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اور اب تو علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا جواب مزید واضح ہوگیا، اور یہ حدیث پانی کے مسائل میں ہماری حجّت رہے گی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے یہ الہام فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حاصل کلام شریعت مطہرہ نے نجاست کے ابواب قائم فرمائے ہیں جیسے کہ نظافت کے بھی ابواب قائم فرمائے ہیں، لہٰذا ابوابِ نجاسات کو ابوابِ تزکیہ وتجلی کے ساتھ جوڑنا اور خلط پیدا کرنا مناسب نہیں ہے، چنانچہ پانی میں تھوکنے اور اس میں سانس لینے کی ممانعت یقیناً نظافت کے باب سے ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی اس میں پانی کے فساد کا قائل نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں کوئی نجاست اور اس کا احتمال نہیں پایا گیا، برخلاف زیر بحث مسئلہ، کیوں کہ اگر ہاتھ دھونے کا حکم صرف نظافت کی وجہ سے ہوتا تو سونے والا اور بیدار شخص دونوں اس حکم میں یکساں ہوتے، جیسا کہ صاحب عنایہ نے اس کو

حدیث پاک "لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي المَاءِ الدَّائِمِ" میں "الدَّائِم" کی قید کے تحت ذکر کیا ہے، اس میں نیند کا دخل نہیں ہے، مگر چوں کہ ہاتھ میں مواقع نجاست پر لگنے کی وجہ سے ناپاک ہوجانے کا احتمال ہے، اور سونے والے کو اِس کا پتا نہیں ہوتا، لہٰذا ضروری تھا کہ شریعت اسے پانی میں ڈالنے سے منع کرے، تو یہ مالکیہ کے خلاف ہماری قطعی حجّت ہے۔ حالانکہ عذرِ بارد کے لیے میدان وسیع ہے!



۲۷ - بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ

حَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ، فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلٰى أَرْجُلِنَا، فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ: "وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ". مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ دونوں پیر دھوئے جائیں اور قدمین پر مسح نہ کیا جائے۔[1]

وضو میں پیروں پر مسح:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمۃ الباب آیت کریمہ کی تفسیر کے طور پر ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ شیعہ اس روایت کو پیروں کے مسح کی دلیل بناتے ہیں، جب کہ سلف صالحین کے نزدیک یہی روایت پیروں کو دھونے کی دلیل ہے، حتیٰ کہ بعض حضرات کو مسح رجلین کے منسوخ ہونے کا وہم ہو گیا۔ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے خوشی اس لیے ہوئی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد اسلام لائے اور آپ موزے پر مسح کرتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد بھی مسح کا حکم باقی ہے، اور سورۂ مائدہ میں سر اور پیر کے مسح کی آیت ہے۔

پھر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیروں پر مسح والی روایت قوی سند کے ساتھ ثابت ہے، لیکن وہ وضو کے بارے میں ہے، چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نزّال بن سبرہ رحمۃ اللہ علیہ سے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر لوگوں کے سامنے صحن میں بیٹھ گئے، پھر پانی لیا اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ کا مسح کیا، اور اپنے سر اور پیروں کا بھی مسح کیا، اور باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پیا، پھر فرمایا کہ:

رأيت عليا رضي الله عنه صلى الظهر ثم قعد للناس في الرحبة ثم أتي بماء فمسح بوجهه

[1] اس روایت کا ترجمہ کتاب العلم/حدیث نمبر: ۹۶ کے تحت گزر چکا۔

ويديه ومسح برأسه ورجليه وشرب فضله قائما ثم قال :إن ناسا يزعمون أن هذا يكره وإني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع مثل ما صنعت، وهذا وضوء من لم يحدث.
(شرح معاني الآثار، رقم:١٥٦)

''بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جیسا میں نے کیا، اور یہ وضو اس شخص کے لیے ہے جسے حدث پیش نہ آیا ہو۔''

وضو کی کئی قسمیں ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت میں وضو کی چند اقسام ہیں، ایک قسم آپ کو معلوم ہے، اور ایک وضو نیند کا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، اور ایک وضو وہ ہے جو ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اور رُواۃِ حدیث بھی اِن اقسام کی رعایت کرتے ہیں، اس لیے آپ ان کو یہ کہتے ہوئے پائیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کا وضو فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ذہنوں میں وضو کی متعدد اقسام ہیں جس سے وہ دیگر اقسام سے احتراز مُراد لیتے ہیں، لہٰذا علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب ما جاء فی التسمیۃ علی الطعام میں روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنی ہتھیلیوں کی تَری سے اپنے چہرے، دونوں کلائیوں اور سَر کا مسح کیا اور فرمایا: اے عکراش! یہ وضو آگ میں پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔



۲۸ - بَابُ الْمَضْمَضَةِ فِي الْوُضُوءِ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

١٦٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّهُ رَأَىٰ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِوَضُوءٍ، فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ مِنْ إِنَائِهِ، فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْوَضُوءِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: "رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، وَقَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"[۱].

ترجمہ: یہ باب وضو میں کلّی کرنے کے بیان میں ہے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔[۱]



ابن سکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی ہے، اور اس میں فعل کی صراحت ہے۔



[۱] اس حدیث کا ترجمہ کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۵۹ کے تحت گزر چکا۔

۲۹ - بَابُ غَسْلِ الْأَعْقَابِ

وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ.

۱۶۵ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: "سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ـ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُونَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ ـ قَالَ:"أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ؛ فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ قَالَ: "وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ".

ترجمہ: یہ باب ایڑیوں کو دھونے کے بیان میں ہے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جب وضو فرماتے تو انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے تھے۔

حضرت محمد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، اس حال میں کہ لوگ وضو کے برتن سے وضو کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: ''اچھی طرح وضو کرو، اس لیے کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (خشک) ''ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔''



بطور خاص ایڑیوں کو ذکر کرنے کی وجہ:

ایڑیوں کا ذکر بطورِ خاص اس وجہ سے ہے کہ بغیر اہتمام کیے وہاں تک پانی نہیں پہنچ پاتا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس روایت پر بحث کرتے ہوئے اِس کو پیروں پر مسح کے لیے ناسخ قرار دیا ہے، نیز آپ کی کتاب سے بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مسح رِجل ایک زمانے تک مشروع تھا، پھر منسوخ ہو گیا، اس لیے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے، جس میں ہے کہ ''نَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا'' (صحيح البخاري، رقم:۹۶) ''ہم وضو کر رہے تھے اور اپنے پیروں پر مسح کر رہے تھے۔...... الخ۔ اس سے پتا چلا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایک وقت تک پیروں پر مسح کرتے رہے، پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان فرمایا کہ (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا

عذاب ہے۔'' تو اس سے پیروں کا مسح منسوخ ہو گیا اور ان کو دھونا فرض ہو گیا۔

میری رائے یہ ہے کہ مسح سے تعبیر کرنا ان کے دھونے میں خفت اور توجّہ نہ دینے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ الفاظِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''فانْتَهَيْنا إليهِم وأَعْقابُهُمْ تَلُوحُ لَمْ يَمَسَّها الماءُ'' (صحيح مسلم، رقم:٢٤١) ''ہم ان کے پاس اس حال میں پہنچے کہ وہ وضو کر چکے تھے، اور ان کی ایڑیوں پر پانی نہ پہنچے کی وجہ سے خشک معلوم ہو رہی تھیں۔'' اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ ''رأى قوما توضؤوا وكأنهم تركوا من أرجلهم شيئا'' (شرح معاني الآثار، رقم:١٩٨) ''کچھ لوگوں کو وضو کرتے دیکھا، گویا کہ انھوں نے اپنے پیروں کا کچھ حصّہ دھونے میں چھوڑ دیا۔'' اِن تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پیروں کو دھونے ہی کا ارادہ کیا تھا، لیکن نماز فوت نہ ہو اس لیے وہ جلدی سے وضو کر رہے تھے تو گویا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پیروں پر مسح کر رہے ہیں، حالانکہ ان کا پیروں پر مسح کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ پیروں کا فرض ان کے نزدیک مسح کرنا تھا، جس سے نسخ ثابت ہو۔



٣٠ - بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ

١٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا، لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا". قَالَ: "وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ؟" قَالَ: "رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ". قَالَ عَبْدُ اللهِ: "أَمَّا الْأَرْكَانُ: فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ: فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النَّعْلَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا، وَأَمَّا الصُّفْرَةُ: فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا، وَأَمَّا الْإِهْلَالُ: فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جوتے پہننے کی حالت میں دونوں پیروں کو دھونا ضروری ہے، جوتوں پر مسح درست نہیں ہوگا۔

حضرت عبید بن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے آپ کو ایسے چار کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جو دیگر صحابہ نہیں کرتے، فرمایا: اے ابن جریج! وہ کونسے کام ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ صرف دو رکن یمانی کو چھوتے ہو، آپ سبتی (بغیر بال کے) جوتے پہنتے ہو، زردی لگاتے ہو، نیز میں نے دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں تھے اور لوگوں نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر تلبیہ پڑھا، لیکن آپ نے یوم الترویہ کو تلبیہ پڑھا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ارکانِ کعبہ میں سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف دو رکن یمانی کو چھوتے ہوئے دیکھا ہے، سبتی جوتے پہننا اس

وجہ سے ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے جن میں بال نہیں تھے، اور آپ ان میں وضوفرماتے تھے، اس لیے میں بھی ان کو پہننا پسند کرتا ہوں، اور میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زردی لگاتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے میں بھی اس کو لگانا پسند کرتا ہوں، رہی بات تلبیہ کی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسی وقت تلبیہ پڑھتے دیکھا ہے جب سواری آپ کو لے کر چلتی۔''



جوربین پر مسح کا حکم:

جان لیں کہ جوربین پر مسح کرنا میرے نزدیک مرفوعاً ثابت نہیں ہے، اگرچہ فقہی اعتبار سے اس کی شرائط کے ساتھ جائز ہے، اس لیے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لیکن میرے نزدیک وہ قطعاً معلول ہے، کیوں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک ایسا واقعہ ہے جو تقریباً ستر طرق سے مروی ہے، اور ان روایات میں یہی ہے کہ خفین پر مسح کیا، لہٰذا جن حضرات نے جوربین کو ذکر کیا ہے وہ یقیناً وہم ہے، یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیث کو بیان نہیں فرماتے تھے، جیسا کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے، نیز امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ساقط فرمایا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس کی سند کو مدّنظر رکھا ہے، نیز اس میں نعلین کا ذکر بھی سہوا ہوا ہے، اور یہ روایت طحاوی میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جوربین اور نعلین پر مسح فرمایا۔ اس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس صورت پر محمول فرمایا ہے جب جوربین پر نعلین پہنے ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ حدیث نہ متصل ہے اور نہ قوی ہے، اور حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ کے متعلّق بھی عام محدثین کی یہی تاویل ہے۔ اور میں کہہ چکا ہوں کہ یہ قطعاً معلول ہے۔

"فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمَسُّ"...... ہمارے نزدیک بھی رکن یمانی کو چھونا جائز ہے۔

"وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا"...... ابوداود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ''أخذَ حَفْنَةً من ماءٍ فضرَبَ بها على رجلِه وفيها النَّعلُ ففتَلَها بها، ثمَّ الأخرى مثل ذلك'' (سنن أبي داود، رقم: ۱۷۷) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چلّو پانی لے کر اپنے پیروں پر چھڑکا، آپ نے جوتیاں پہنی تھیں جن کو حرکت دی، پھر دوسرا پیر بھی اسی طرح دھویا۔ نیز بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت گزر چکی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چلّو پانی لے کر اسے پیر پر چھڑکا۔ غالباً یہ عمل بھی جوتی پہنے ہوئے فرمایا۔

اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک مستقل صورت قرار دیا ہے کہ نعلین میں پانی چھڑک دینا اسی طرح کافی ہو جائے گا کہ جیسے خفین پر مسح کافی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال کسی نے اختیار نہیں کیا ہے۔

"وَأَمَّا الصُّفْرَةُ" ...... جان لیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زردی استعمال فرماتے تھے، پھر اس کو مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب بھی فرماتے تھے، حالانکہ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعید ثابت ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس بارے میں متعدد الفاظ بال اور کپڑوں کو رنگنے، پھر زعفران یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے رنگنے کے بارے میں وارد ہیں، اور یہ نہیں معلوم کہ ان میں سے کس جز کو مرفوعاً منسوب کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد ہو۔ البتہ بطورِ علاج زردی کا استعمال جائز ہے۔ اس باب میں مجھے کوئی تشفی بخش بات نہیں مل سکی۔ لعل الله يحدث بعد ذٰلك أَمرا.

"حَتّٰى تَنْبَعِثَ" ...... اس سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مُراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت احرام باندھتے جب آپ سواری پر سوار ہوتے، اور میں یوم الترویہ سے پہلے سوار نہیں ہوتا، لہٰذا میں اسی دِن احرام باندھتا ہوں، اور اہل مکہ کی طرح ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی احرام نہیں باندھتا۔ یہ بھی آپ کا اجتہاد ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت احرام باندھتے جب افعالِ حج شروع فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احرام وتلبیہ اونٹنی کے چلنے کے وقت ہوتا تھا، کیوں کہ آپ کی تشریف آوری مدینہ سے ہوتی تھی، اور اونٹ پر سوار ہونا سفر کے وقت ہوتا تھا، جب کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چوں کہ مکہ میں پہلے سے مقیم تھے اس لیے آپ پر احرام باندھنا پھر یوم الترویہ کو سوار ہونا ضروری نہیں تھا۔ اور یہ شاید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا کہ آپ نے پہلے سے احرام باندھنا نہیں چاہا، ورنہ وجہِ فرق واضح ہے اور اولیٰ یہی ہے کہ پہلے سے احرام باندھ لیا جائے۔



۳۱ - بَابُ التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوءِ وَالْغَسْلِ

۱۶۷ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُنَّ فِي غُسْلِ ابْنَتِهِ: "ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا".

ترجمہ: یہ باب وضو اور غسل میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کے بیان میں ہے۔
حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کو غسل دیتے وقت عورتوں سے فرمایا کہ "اس کی دائیں جانب سے اور وضو کی جگہوں سے شروع کرو۔"

۱۶۸ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ، وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوتے پہننے، کنگھی کرنے، پاکی حاصل کرنے اور اپنے تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔"



تیامن کا تصور صرف مسلمانوں کے یہاں ہے:

شرحِ وقایہ میں ہے کہ تیامن (دائیں جانب کو اختیار کرنا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی، جب آپ نے اس پر مداومت فرمائی تو یہ مستحب ہوگیا۔ پھر تیامن کا تصوّر سوائے مسلمانوں کے دنیا میں کسی قوم میں نہیں ہے، حتیٰ کہ دیگر اقوام کی کتابت بھی بائیں جانب سے ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ "فقال اللهُ تبارك وتعالَى له – ويداه مقبوضتان – اخترْ أيَّهما شئتَ، قال: اخترتُ يمينَ ربِّي، وكلتا يديْ ربِّي يمينٌ مباركةٌ" (سنن

الترمذي، رقم: ٣٣٦٨) ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اختیار عطا فرمایا تو آپ نے دائیں جانب کو پسند فرمایا، اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔'' چنانچہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسند ہے جو آپ کی ذرّیت میں جاری ہے، جیسے سلام اور اس پر ملائکہ کا جواب آپ اور آپ کی ذرّیت کے لیے سنّت بن گیا۔ ایسے بہت سے امور ملتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرّب بندوں نے اختیار کیے تو وہ عند اللہ قبولیت کا درجہ پا گئے، پھر شریعتوں میں مسنون ہوئے۔



۳۲ - بَابُ الْتِمَاسِ الْوَضُوءِ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "حَضَرَتِ الصُّبْحُ، فَالْتُمِسَ الْمَاءُ، فَلَمْ يُوجَدْ، فَنَزَلَ التَّيَمُّمُ".

ترجمہ: یہ باب نماز کا وقت ہوجانے پر پانی تلاش کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "صبح کی نماز کا وقت ہوگیا، پانی تلاش کیا گیا، لیکن نہیں مل سکا تو آیت تیمّم نازل ہوئی۔"

---

۱۶۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: "رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوءَ، فَلَمْ يَجِدُوهُ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ، وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّئُوْا مِنْهُ. قَالَ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ، حَتّٰى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، عصر کی نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا، لیکن نہیں مل سکا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وضو کا پانی لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس برتن میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور لوگوں کو حکم فرمایا کہ اُس برتن سے وضو کریں۔ راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتہائے مبارکہ سے پانی پھوٹتے ہوئے دیکھا، حتیٰ کہ از اوّل تا آخر سب نے وضو کرلیا۔"



اس سے مُراد یہ ہے کہ نماز کے وقت سے پہلے پانی تلاش کرنا واجب نہیں۔

"وَلَمْ يَجِدُوْا" ...... یہ مدینہ سے باہر کا واقعہ ہے۔

"مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ" ...... یہ "مِنْ أَوَّلِهِمْ إِلٰى آخِرِهِمْ" کا اختصار ہے، اس واقعے میں لوگوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، اس تعداد کے اختلاف کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد واقعات پر محمول کیا ہے۔

٣٣ - بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يُغْسَلُ بِهِ شَعَرُ الإِنْسَانِ

وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَرَىٰ بِهِ بَأْسًا أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوطُ وَالْحِبَالُ - وَسُؤْرِ الْكِلَابِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: "إِذَا وَلَغَ فِي إِنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ.

وَقَالَ سُفْيَانُ: "هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهِ، يَقُولُ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ وَهٰذَا مَاءٌ، وَفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ، يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ".

ترجمہ: یہ باب اس پانی کے بیان میں ہے جس کے ذریعے انسان کے بال دھوئے جائیں اور کتوں کے جھوٹے اور ان کے مسجد میں گزرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ انسانی بال سے دھاگے اور رسّیاں بنائی جائیں۔ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کتّا ایسے برتن میں منہ ڈال دے جس کے سوا کوئی برتن وضو کا نہیں ہے تو اس سے وضو کیا جا سکتا ہے۔ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی فقہی مسئلہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا﴾ [المائدة : ٦] اور یہ ایسا پانی ہے جس سے دِل میں کراہت ہے، تو اس سے وضو کرلے اور تیمّم بھی کرے۔

١٧٠ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: "قُلْتُ لِعَبِيدَةَ: "عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ. فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا".

ترجمہ: محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں، جو ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے اہل خانہ سے حاصل کیے

ہیں، تو حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال بھی ہوتا تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا سے محبوب ہوتا۔"

۱۷۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنا سر مبارک حلق فرمایا تو حضرت ابوطلحہ پہلے شخص تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کو لیا۔"



ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد:

میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں پانی کے بجائے نجاسات اور جانوروں کے جھوٹے کا مسئلہ ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اس باب کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو پانی میں اتفاقاً گر جاتی ہیں، جن سے پانی کبھی فاسد ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، اور پانی کا ذکر یہاں تبعاً آیا ہے، کیوں کہ پانی محل وقوع ہے۔ بہر حال اصالۃً پانی کا مسئلہ عنقریب ذکر ہوگا۔ اور یہاں اِن چیزوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ یہ اشیاء پانی میں گرتی ہیں۔ اور یہ ہماری فقہ کی ترتیب کے مشابہ ہے کہ پانی کی فصل میں کچھ نجاسات کا بھی ذکر ہوتا ہے، حالانکہ فقہاء کے نزدیک باب الانجاس مستقل باب ہے۔ الغرض پانی کے ساتھ ان اشیاء کا تعلق ہے، کیوں کہ یہ چیزیں پانی میں گرتی ہیں، اور پانی ان چیزوں کا محل وقوع ہے، اور اسی لیے کبھی ان چیزوں کا ذکر پانی کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی پانی کا ذکر اِن چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور فرق اصل اور تابع ہونے کا رہتا ہے، لہٰذا باب الانجاس میں اصل یہ ہے کہ اس میں صرف نجاسات کا ذکر ہو، اس میں پانی کا ذکر اس وجہ سے ہوگا کہ اس میں نجاست گرنے کا اتفاق ہوتا ہے، اگر چہ نجاست گرنے کا اتفاق پانی کے علاوہ مثلاً کھانا، دودھ اور تیل وغیرہ میں بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح پانی کے باب میں بھی اصل یہی ہے کہ اس میں خاص طور پر پانی ہی کے مسائل ذکر کیے جائیں، اس میں نجاستوں کا ذکر نہ ہو، لیکن چوں کہ نجاست پانی میں گرتی ہیں اس لیے اِس مناسبت سے نجاست کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

ترجمۃ الباب میں بال کے مسئلے کو اولاً ذکر فرمایا ہے، خواہ وہ پانی یا کھانے میں گرے، پانی کا مسئلہ بیان نہیں فرمایا ہے۔

ناپاک چیز سے صرف بچنا نہیں ہے، بلکہ دور رہنا ہے:

اور جان لیں کہ حدیث میں ایک باب ایسا ہے جو فقہ میں کم ہی پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ شارع جب کسی چیز کے ناپاک ہونے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اسے کام میں لینے اور اور اس کے ساتھ تعلق کو پسند نہیں فرماتے اور اس سے بچنے اور دور رہنے کا حکم فرماتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ [التوبة : ۲۸]

''مشرکین تو نجس ہیں، لہٰذا وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔''

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ [المائدة : ۹۰]

''بے شک شراب، جُوا، بُت اور فال کے تیر ناپاک شیطانی کام ہیں، سو تم ان سے دور رہا کرو۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ [الحج : ۳۰]

''مورتیوں کی گندگی سے دور رہو۔''

چنانچہ شریعت مطہرہ نے جب بھی کسی چیز کو ناپاک قرار دیا تو اس سے بچنے کا حکم فرمایا اور اس کے قریب ہونے سے منع فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ دور رہنا اور بچنا نجس اور رجس کے لوازمات میں سے ہے۔ اور میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں دیکھا کہ آپ نے مشرک شخص کے ساتھ مصافحہ کر کے اپنے ہاتھ دھو لیے، گویا کہ آپ نے نجس کے معنیٰ سمجھے اور یہ بھی سمجھا کہ اس سے نزدیکی مناسب نہیں، اسی وجہ سے مشرک کے ہاتھ خشک ہونے کے باوجود آپ نے اپنے ہاتھوں کو دھولیا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کپڑوں اور پانی پر نجس ہونے کا اطلاق نہ کیا جائے۔

پھر مجھے محمد بن ابراہیم الوزیر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں یہ بات ملی کہ مؤمن شخص پر نجس ہونے کا اطلاق حقیقۃً اور مجازاً کسی طرح درست نہیں، اس وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "إِنَّ الْمُؤمِنَ لَا يَنْجَسُ" اور "إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" کی لطیف وضاحت سامنے آئی۔ کیوں کہ کنوؤں کا پانی ایسا ناپاک نہیں ہوجاتا کہ اسے کام میں نہ لیا جا سکے اور شرعاً اس سے دوری ضروری ہوجائے، بلکہ کنواں خالی کرنے کے بعد استعمال کیا جا سکتا ہے، تو یہ شئے نجس کے

باب میں قرآنی عرف ہے جس کا لحاظ کیا گیا ہے۔

جب کہ فقہائے کرام ایک چیز کو ناپاک قرار دیتے ہیں، پھر ایسے مسائل بھی ذکر فرماتے ہیں جن کی بنیاد اس چیز کو کام میں لینے پر ہوتی ہے، مثلاً فقہاء فرماتے ہیں کہ کتّا جب خشک ہونے کی حالت میں مسجد سے گزرے تو اس سے مسجد ناپاک نہیں ہوگی۔ اور مصلی اگر کتے کے پلّے کو اپنی آستین میں اٹھالے اور اس پر نجاست نہ لگی ہو تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ چنانچہ فقہ میں نجاستوں کا اثر اسی وقت ظاہر ہوگا جب وہ پانی یا کسی سیّال چیز میں گریں۔ لیکن شئ نجس کو کام میں نہ لانا اور اس سے علاحدگی برتنا، یہ باب فقہ میں نہیں پایا جاتا، اگرچہ بعض جزئیات میں یہ حکم ظاہر ضرور ہوتا ہے، جیسے ''الکبیری'' میں ہے کہ نماز کے علاوہ عام حالت میں بھی ناپاک کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جب تک کپڑا ناپاک ہے اسے کام میں نہ لیا جائے۔ اس جیسی نسبت علّامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہماری جانب فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ خروجِ مذی اور اس جیسے مسائل میں وضو کا حکم علی الفور ہے، نہ کہ نماز کے ارادے کے وقت، کیوں کہ شریعت میں مطلوب یہ ہے کہ مؤمن پاک رہنا چاہیے اور نجاستوں سے آلودہ نہ رہے۔ ہمارے علماء نے اس کو ذکر نہیں فرمایا ہے، صرف ''الکبیری'' میں مذکور جزیئے سے جو مستفاد ہے وہی ذکر کیا ہے۔

بالوں کے پاک اور ناپاک ہونے کا مسئلہ:

"وَكَانَ عَطَاءٌ" ...... بالوں کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے، جیسا کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے اثر سے اس کی تائید فرمائی ہے۔ کیوں کہ جب حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے بال سے دھاگے اور رسّی بنانے کی گنجائش دی ہے تو یہ بات یقیناً لازمی ہے کہ آپ بالوں کی طہارت کے قائل ہیں۔ لہٰذا اگر بال پانی میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کے اعزاز کے پیش نظر اس کی توہین سے بچنے کے لیے بدنِ انسانی کے اجزاء سے انتفاع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ بال ناپاک ہیں۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک سے اشکال ہوگا، اس لیے کہ ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت کی جانب گئی ہے، اور ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بھی یہ مسنوب ہے، مگر مجھے یہ نسبت کہیں مل نہ سکی۔ چنانچہ شوافع نے اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس روایت سے صرفِ نظر کرنا چاہا ہے، کیوں کہ اشکال قوی ہے۔ اور علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر واضح کلام فرمایا ہے۔

جانوروں کے جھوٹے کا مسئلہ:

"سُؤْرِ الكِلَابِ" ...... یہ اِس ترجمۃ الباب کا دوسرا جز ہے، جس میں جانوروں کے جھوٹے کا مسئلہ ہے اور جانوروں کے گزرنے کا مسئلہ بھی چوں کہ اس سے متعلّق ہے اس لیے بطورِ مناسبت اس کو ذکر فرمایا ہے۔ کتّے کا جھوٹا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نزدیک پاک ہے۔ ''المدوّنہ'' میں ہے کہ آپ سے حدیث مرفوع کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ شاید آپ نے کتّے کو بلّی کی طرح گھریلو جانوروں میں شمار فرمایا ہے، چنانچہ کتّا گھروں میں آنے جانے والے جانوروں میں سے ہوگیا، لہٰذا اس کی نجاست آپ کے نزدیک ساقط ہوگئی۔ پھر بعد میں فضلائے مالکیہ فرمانے لگے کہ اس سے دھونے کا حکم صفائے باطن کے لیے ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں کتّے پر لفظ شیطان کا اطلاق ہوا ہے، چنانچہ اس کا تعلق نجاست کے باب سے نہیں بلکہ تزکیہ و باطنی صفائی کے ساتھ ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ پھر تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جھوٹے کا باب ہی ختم ہوجائے گا، حتیٰ کہ آپ کے نزدیک خنزیر کے جھوٹے کا بھی پانی میں کوئی اثر نہ ہوگا، کیوں کہ کتّے اور وحشی جانوروں کی ہمارے پاس آمدورفت رہتی ہے، لہٰذا آپ کے نزدیک ان کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صرف کتّے اور خنزیر کا جھوٹا ناپاک ہونے کے قائل ہیں، وحشی جانوروں کے جھوٹے میں آپ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر آپ نے کتّے کے جھوٹے برتن کو دھونے میں سات مرتبہ کی شرط لگائی ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اور تمام نجاستوں کے دھونے میں یہی مذہب ہے، حتیٰ کہ میں نے بعض حنابلہ کے کلام میں استنجاء میں بھی سات مرتبہ کی قید دیکھی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے نزدیک تین مرتبہ دھونا واجب ہے، جیسا کہ پیشاب و پاخانے میں حکم ہے، کیوں کہ کتّے کا جھوٹا پیشاب و پاخانے سے زیادہ غلیظ نہیں ہے۔ البتہ سات مرتبہ دھونا مستحب ہے، جیسا کہ ''زیلعی شرحِ کنز'' میں ہے، نیز علّامہ وبری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سات مرتبہ دھونے کے استحباب کو نقل کیا ہے، جیسا کہ التحریر میں ہے، میں نے ان نقول کا اہتمام اس وجہ سے کیا ہے کہ کتابوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے، تو ممکن ہے کہ یہ استحباب اختلافِ ائمہ سے بچنے کے لیے ہو، اس کے برخلاف ''التحریر'' کی روایت چوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صریح روایت ہے اس لیے سات مرتبہ دھونے کا حکم آپ کے مذہب کے مطابق مستحب کہا جائے گا، نہ کہ اختلاف ائمہ سے نکلنے کے لیے، کیوں کہ یہ ایک دوسرا باب ہے جو ایسے مسائل میں جاری ہوتا ہے جن کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی

روایت منقول نہ ہو۔

پھر راویٔ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی تین مرتبہ دھونے کا فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ طحاوی میں ہے اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات مرتبہ دھونے کا جو فتویٰ نقل کیا ہے وہ ہمارے لیے مضر نہیں ہے، بلکہ وہ استحباب کی تاکید ہے۔ پھر تین مرتبہ دھونے کے فتوے کو علامہ کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ''الکامل'' میں ہے۔ یہ حسین بن علی الکرابیسی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں بڑے علماء میں سے ہیں، آپ نے اس مسئلے کو اس لیے اٹھایا کہ آپ کے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف تھا۔

ان ہی سے امام بخاری اور داود ظاہری رحمہما اللہ نے الفاظِ قرآنیہ کے مخلوق ہونے کا مسئلہ سیکھا، اور میں نے اس بارے میں ان پر کوئی جرح نہیں دیکھی، اگر یہ مسئلہ اُن پر جرح کا سبب ہوتا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مجروح ہوتے۔ اس کے باوجود مجھے اِس قول (سات مرتبہ دھونے) کے مرفوع ہونے میں تردّد ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہو۔

پھر تین مرتبہ دھونے کا فتویٰ اگرچہ مرفوع نہیں ہے لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے باب سؤر الہرۃ میں ایک سند نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہر ایک حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ اور ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے لوگوں کے سامنے حدیث بیان فرماتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ آپ کا فتویٰ اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ضابطہ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہر روایت کا مرفوع ہونا) میرے نزدیک محلِ تردّد ہے، البتہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات آپ سے نقل فرمائی ہیں وہ یقیناً مرفوع ہیں۔

پھر اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ سات مرتبہ دھونے کے حکم کو اُس زمانے پر محمول کریں جب کتوں کے معاملے میں احکام سخت تھے، پھر بعد میں تخفیف ہوگئی، تو ہوسکتا ہے کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم اس وقت تھا جب کتوں کو مارنے کا حکم دیا گیا تھا، اور جب کتوں کے بارے میں تخفیف ہوگئی اور ان کے ذریعے شکار کرنے کی بھی اجازت ملی تو تطہیر کے اِس حکم میں بھی تخفیف ہوئی۔

اس کی نظیر شراب کے لیے مخصوص برتنوں کے استعمال کی ممانعت ہے، پھر فرمایا کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتے ہیں اور نہ حلال کرتے ہیں، لہٰذا تمام برتنوں کو استعمال کرو، لیکن نشہ آور چیز نہ پیو۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حنابلہ پر یہ الزام عائد فرمایا ہے کہ اگر تم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بِنا پر سات مرتبہ دھونے پر عمل کرتے ہو تو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے تمھیں آٹھ مرتبہ دھونے کا قائل ہونا چاہیے،

کیوں کہ آپ کی روایت میں ہے: "وَعَفِّرُوْهُ الثَّامِنَةَ بِالتُّرَابِ" (آٹھویں مرتبہ اس برتن کو مٹّی سے صاف کرو۔)

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اِس صورت پر محمول کیا ہے کہ سات مرتبہ میں سے ایک مرتبہ پانی کے ساتھ مٹّی ملا کر دھوؤ، چوں کہ مٹّی دھونے کے قائم مقام ہے اس لیے اس کو آٹھویں مرتبہ سے تعبیر فرمایا۔

بعض حضرات نے اس میں اضطراب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک روایت میں "أُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ" ہے، ایک میں "أُخْرَاهُنَّ" کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں "إِحْدَاهُنَّ" ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمام صورتیں جائز ہونی چاہیے، اس میں کوئی اضطراب نہیں ہے اور نہ ہی ترجیح قائم کرنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے "أُولَاهُنَّ" کو راجح قرار دیا ہے۔

پھر آٹھ مرتبہ دھونے کے حکم کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ پاک کرنے میں چوں کہ مٹّی کا دخل ہوتا ہے اس لیے راوی نے اس کو مستقل غسل شمار کیا، چنانچہ یہ سات ہی میں داخل ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اُسی روایت میں سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا، پھر فرمایا کہ آٹھویں مرتبہ مٹّی سے صاف کرلو۔ اگر آٹھ مرتبہ دھونا مُراد ہوتا تو فرماتے کہ آٹھ مرتبہ دھوؤ اور آٹھویں مرتبہ مٹّی سے صاف کرو۔ لیکن اولاً سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا تو مطلوب عدد کا ذکر فرمایا، پھر راوی نے ایک کو علاحدہ کر کے صرف تعبیر میں آٹھ کا ذکر کیا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتّے کے منھ میں لعاب زیادہ ہوتا ہے، اس لیے وہ پانی پر غالب ہوتا ہے اور سیال ہونے کی وجہ سے تمیز نہیں ہو پاتی۔ آپ جانتے ہیں کہ اِس سے مناط (حکم کا دارومدار) بدل گیا، کیوں کہ حکم کا اصل مدار پانی کا تغیّر اور عدمِ تغیّر تھا، پھر معلوم نہیں کہ اِس سے انھوں نے کیا مُراد لیا ہے؟ اگر ان کی مُراد یہ ہے کہ پانی دراصل پاک تھا، مگر کتّے کا لعاب جو کہ نجس ہے اس سے علاحدہ نہ ہو پانے کی وجہ سے پانی ناپاک ہوگیا، تو یہ محض اعتبار ہے، اس لیے کہ فقہاء کسی چیز کے نجس ہونے کا حکم اسی وقت لگاتے ہیں جب نجاست اس کے ساتھ مل جائے، کسی بھی چیز کے ناپاک ہونے کے یہی معنیٰ ہیں، کوئی بھی پاک چیز نجاست لگنے ہی سے تو ناپاک ہوتی ہے، تو اِس اعتبار کے کیا معنیٰ ہوئے؟

کبھی یہ علت بیان کی جاتی ہے کہ کتّے کا لعاب چکنا ہوتا ہے، اس لیے وہ جلدی سے الگ نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اِس سے ماقبل میں ذکر کردہ مدار کے علاوہ ایک اور مدار نکل آیا، جو استحالہ اور عدمِ استحالہ (جلدی سے ختم ہونا یا نہ ہونا) ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام آپ کی جلالت شان کے باوجود مدار کے سلسلے میں مضطرب ہوگیا۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ شریعت نے طہارت اور نجاست کے احکام کا مدار جلدی سے ختم ہونے نہ ہونے پر رکھا ہو، جو طویل تجربے کے بعد ہی

معلوم سکتا ہے۔اس کی مزید تشریح کے لیے مستقل اور مقام ہے۔

"وَمَمَرِّهَا" ...... کتّے کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک روایت میں ہے کہ کتّا نجس العین ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام اجزاء سمیت نجس ہے، کوئی جز اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اور مشہور روایت یہ ہے کہ اس کا گوشت نجس ہے، لہٰذا اگر کوئی اسے اپنی آستین میں اٹھا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، بشرطیکہ اس پر نجاست کا کوئی اثر نہ دِکھائی دے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ مسجد نبوی میں کتوں کی آمدورفت اس وجہ سے تھی کہ اس وقت مسجد نبوی کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ دروازے ہونے کے باوجود کتوں کی آمدورفت ممکن ہے، جیسا کہ اِس دور میں بھی یہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ کتّے پیشاب بھی کرتے تھے، اس صورت میں اِشکال ہوگا۔

"قَالَ الزُّهْرِيْ" ......حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے۔ اور علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے، میرے نزدیک یہی زیادہ راجح ہے، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ترجمے میں کوئی ایسی وضاحت نہیں فرمائی ہے جس سے کتّے کا جھوٹا پاک ہونا معلوم ہوتا ہو اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث تخریج فرمائی ہے جو اِس پر دلیل ہو، بلکہ سات مرتبہ دھونے والی حدیث کی تخریج فرمائی ہے جو اغلظ النجاسات ہونے کی دلیل ہے۔ رہا امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا اثر تو اس میں بھی آپ کے نزدیک کتّے کا جھوٹا پاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مصنّف عبدالرزاق میں کتّے کے جھوٹے کو بہا دینے کا حکم مروی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس روایت کی تخریج فرمائی ہے وہ ہمارے اِس مسئلے کی نظیر ہے کہ جب مصلّی کے پاس ناپاک کپڑے کے سِوا کچھ نہ ہو تو کیا وہ برہنہ نماز پڑھے یا اسی ناپاک کپڑے میں پڑھے؟ تو جس طرح یہ مسئلہ ہمارے نزدیک اِس کپڑے کے ناپاک نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اسی طرح امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس شخص کے بارے میں جس کے پاس کتّے کے جھوٹے کے سِوا کچھ نہ ہو، کتّے کا جھوٹا پاک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جو واضح ہے۔

رہا سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا اثر تو یہ بھی اسی طرح ہے، اس کی نظیر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نبیذ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ اس سے وضو کر لے اور تیمّم بھی کر لے، بلکہ سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کردہ تردّد بھی ناپاکی کی جانب مشیر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے میں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے جو آپ کے نزدیک کتّے کا جھوٹا پاک ہونے کی دلیل ہو، لہٰذا ہمارے لیے مناسب نہیں کہ آپ کی جانب اِس مسئلے کی نسبت کریں۔



٣٤ - بَابٌ : إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا

١٧٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کتّا کسی کے برتن میں سے پانی پیے تو اسے سات مرتبہ دھونا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب کتّا تم میں سے کسی کے برتن میں سے پیے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔''

١٧٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ قال: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَنَّ رَجُلاً رَأَىٰ كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَىٰ مِنَ الْعَطَشِ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ، فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتّٰى أَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک شخص نے کسی کتّے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے تر مٹّی کو چاٹ رہا تھا، تو اس شخص نے اپنا موزہ نکالا اور اس سے کتّے کو پلانے لگا، یہاں تک کہ کتّے کو سیراب کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول فرما کر اسے جنّت میں داخل فرما دیا۔''

١٧٤ - وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ

عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "كَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ".

ترجمہ: حضرت حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں کتے پیشاب کرتے تھے اور ان کی آمد رفت رہتی تھی، لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی وجہ سے کچھ نہیں چھڑکتے تھے۔''



امام بخاری کا مذہب مختار کیا ہے؟

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب مختار کے بارے میں شارحین کو تردّد ہو گیا، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی باب میں دونوں جانب کی حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث نجاست پر دلالت کر رہی ہے، جب کہ دوسری حدیث سے طہارت پر استدلال ممکن ہے، گو یہ استدلال ضعیف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اسرائیلی شخص کے قصے میں طہارت کی کوئی دلیل نہیں ہے، اولاً تو اس وجہ سے کہ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ اس شخص نے کتّے کو اپنے موزے سے سیدھا پانی پلایا، یا گڑھا کھود کر اس میں سے پانی پلایا، نیز اس میں اس بات کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے کہ پانی پلانے کے بعد اس نے موزے کو دھویا یا نہیں، اور راوی کا یہ سکوت معرضِ بیان میں نہیں ہے، اس لیے کہ راوی کا مقصد صرف قصے کو ذکر کرنا ہے، مسئلے کو بیان کرنا نہیں ہے، اور عموماً رواۃ جب کوئی قصہ ذکر کرتے ہیں تو جو کچھ ہوا ہو اسی کو ذکر کرتے ہیں، وہ تخریج مسائل سے تعرض نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی عبارت میں مسائل کی رعایت کرتے ہیں۔ پھر علمائے مذاہب ان کی تعبیرات سے مسائل اخذ کرتے ہیں، یہ بہت ہی ضعیف طریقہ ہے، اسے یاد رکھیں، کیوں کہ اس سے بہت سی دشواریاں حل ہو جائیں گی اور اس کتاب میں اس کی کئی مثالیں آپ کو ملیں گی۔

"وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبٍ"...... اس روایت میں لفظ "تَبُوْلُ" پر اشکال ہے، جیسا کہ گزر چکا، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اسے عمداً ترک فرمایا ہے۔ اور میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت رہی ہے کہ وہ قابل اشکال جملہ یا لفظ حذف فرما دیتے ہیں، اور اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیوں کہ دیگر جگہوں سے وہ حذف معلوم ہو جاتا ہے۔[1]

[1] بخاری شریف کے کچھ نسخوں میں "تَبُوْلُ" کا لفظ نہیں ہے۔

شریعت نجاست کا حکم کب لگاتی ہے؟

حاصل یہ ہے کہ شریعت نجاست کا حکم تب ہی لگاتی ہے جب جزوی طور پر مشاہدہ ہو یا کسی نے خبر دی ہو، لہٰذا جب مشاہدہ اور خبر نہ ہو تو صرف وہم اور وساوِس کی بنیاد پر شریعت نجاست کا حکم نہیں لگاتی۔ نیز یہ بھی جان لیں کہ شریعت نے احتمالات سے بالکلیہ صرف نظر نہیں کیا ہے اور نہ ہی بالکلیہ احتمالات کا اعتبار کیا ہے، مجھے یہ لگتا ہے کہ احتمالات کو احوال کے مطابق تقسیم کیا جائے گا کہ کبھی اعتبار ہوگا اور کبھی صرفِ نظر ہوگا۔ اگر چہ ہمارے فقہاء کی عام عبارت تعمیم کی جانب مشیر ہے، کیوں کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ دار الحرب سے ہمارے پاس کوئی چیز آئے تو وہ مطلقاً پاک ہے۔ لیکن میرے نزدیک ہندوؤں کا پکایا ہوا تمام کھانا نجاست کے ظن غالب کی وجہ سے مکروہ شمار ہوگا، جیسے فقہاء نے کھلی پھرنے والی مُرغی کے جھوٹے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

نجاست خشک ہوجانے سے زمین پاک ہوجاتی ہے:

"فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ"...... اس سے شوافع پر اشکال ہوگا۔ احناف پر کوئی اشکال نہیں، کیوں کہ احناف زمین کے خشک ہونے کے بعد اس کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔ علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے بعید تاویل ذکر کی ہے کہ کتّے مسجد نبوی کے باہر پیشاب کر کے مسجد سے گزرتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کتّے کتنے ہوشمند اور عقلمند ہوں گے! علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرما دیتے کہ وہ کتّے استنجا کر کے مسجد میں آتے تھے!

یہ جان لیں کہ مسجد میں پیشاب کو خشک ہونے تک چھوڑ دینا ہمارے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہے، لہٰذا اس سے میری مُراد حدیث کی یہ تشریح نہیں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مسجد کی زمین کو پاک کرنے کا یہ طریقہ تھا، بلکہ صرف تعریض مقصود ہے، تا کہ خصم سمجھ لے کہ حنفیہ کے پاس بھی اِس باب میں دلائل موجود ہیں۔

میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس سے راوی کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کتوں کے پیشاب کی جگہوں کا خصوصی علم نہیں تھا، البتہ ان کو اس کا علم کلّی جنس کے درجے میں تھا، کیوں کہ جب کتوں کی آمد و رفت تھی تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وہاں پیشاب بھی کرتے ہوں، لہٰذا راوی یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس طرح کی ناپاکی سے مسجد کو پاک کرنے کے لیے کوئی نیا طریقہ نہیں اختیار کیا گیا، بلکہ مسجد کو حسب سابق پاک ہی شمار کیا گیا، اور ہمارے نزدیک نجاست کا حکم کسی جزوی مشاہدے یا کسی کے خبر دینے کی وجہ سے ہی لگے گا محض وہم و گمان یقین کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں، اور یہی بات ہم حدیث قلتین اور بئر بضاعہ کے بارے میں بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اس میں بھی صرف جنس کے درجے میں علم

کلّی ہے، جزوی مشاہدہ نہیں ہے، اسے خوب سمجھ لیں۔

پھر شافعیہ نے مسجد نبوی میں ایک دیہاتی کے پیشاب کرنے اور اس پر پانی کا ڈول بہانے کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ زمین دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی، جیسا کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ یہ بھی ہمارے نزدیک زمین کو پاک کرنے کا ایک دوسرا طریقہ ہے، جس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ اس سے بدبو ختم ہو جائے گی اور پاکی فوراً حاصل ہو جائے گی، حالانکہ اس واقعے میں اس جگہ گڑھا کھودنے کی صراحت بھی وارد ہے، جیسا کہ ابوداود کی روایت میں ہے، گویا علی الفور صرف ڈول بہانے پر اکتفا فرمایا، تاکہ سطح پاک ہو جائے، پھر اس جگہ گڑھا کھودنے کا حکم فرمایا، تاکہ اندرونی حصّہ بھی پاک ہو جائے۔ بہر صورت خشک ہو جانے سے زمین کے پاک ہونے کا مسئلہ ہر حال میں درست ہے۔

---

١٧٥ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ، فَقَتَلَ، فَكُلْ، وَإِذَا أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلٰى نَفْسِهٖ". قُلْتُ: أُرْسِلُ كَلْبِي، فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ؟" قَالَ: "فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ، وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰى كَلْبٍ آخَرَ".

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (کتوں کے شکار کے متعلّق) دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم اپنے تعلیم یافتہ کتّے کو شکار کے لیے چھوڑو، پھر وہ شکار کو قتل کرے تو تم اسے کھا سکتے ہو، اور جب کتّا خود کھالے تو تم مت کھاؤ، اس لیے کہ وہ شکار کتّے نے اپنے لیے پکڑا ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ میں اپنے کتّے کو چھوڑتا ہوں، پھر اس کے ساتھ دوسرے کتّے کو بھی دیکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تب تم مت کھاؤ، کیوں کہ تم نے اپنے کتّے پر بسملہ پڑھی ہے، دوسرے کتّے پر نہیں۔''



"إِذَا أَرْسَلْتَ"...... علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کتّا گلا گھونٹ کر مارے تو جانور حلال نہ ہوگا، بلکہ مُردہ شمار ہوگا، لہٰذا کتّے کا جانور کو زخمی کرنا ضروری ہے۔ اور بعض حضرات نے خون بہنے کو بھی شرط قرار دیا ہے۔

"فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ"......اس میں اشارہ ہے کہ کتّا اپنے آقا کو راضی کرنے کے لیے خود فنا ہو جانے کے بعد اس کے لیے آلہ بن جاتا ہے، پھر اس کے لیے کتّے کا حکم نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے آقا کے لیے چاقو کی حیثیت رکھتا ہے، میں کہتا ہوں کہ آپ اس بندے کے بارے میں کیا کہیں گے جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اپنے مولیٰ کی نافرمانی میں لگا ہو، اس کی مثال کتّے جیسی ہے یا وہ کتّے سے بھی گیا گزرا ہے کہ کتّا تو اپنے آقا کی فرماں برداری کر کے مالک کے حکم میں آ گیا، لیکن مالک اپنے رب کی نافرمانی کر کے کتّے سے بھی بدتر بن گیا۔

اس سے شکار کی طہارت پر وجہ استدلال یہ ہے کہ کتّے کا لعاب دھونے کا حکم نہیں فرمایا، اگر لعاب ناپاک ہوتا تو دھونے کا حکم ہوتا، معلوم ہوا کہ اس کا لعاب پاک ہے۔

میں بطورِ تردید کہتا ہوں کہ اس باب میں صریح احادیث وارد ہونے کے باوجود مبہمات سے استدلال کرنا بہت بعید ہے، علاوہ ازیں یہ مسکوت سے استدلال ہے جو انتہائی کمزور استدلال ہے، کیوں کہ جس طرح کتّے کے لعاب کو دھونے کا حکم نہیں فرمایا اسی طرح جانور کے زخم سے نکلے ہوئے خون کو بھی تو دھونے کا حکم نہیں فرمایا ہے، نیز جانور کے پیٹ میں جو نجاسات ہوتی ہیں ان کو بھی نکالنے کا حکم نہیں فرمایا ہے، پھر بھی ان کے پاک ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ لعاب کو دھونے کا ذکر اس وجہ سے نہیں فرمایا کہ شکار میں اس کو دھونا معروف ہے، لہٰذا اسے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کتّے کے جھوٹے کو پاک قرار دیتے ہوں، جب کہ اس باب میں اس کے ناپاک ہونے کی قطعی روایات وارد ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا اس مسئلے کو غور کرنے والے کے سپرد کرنا ہے، اسی وجہ سے آپ نے دونوں جانب کی احادیث ذکر فرمائی ہیں، یہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رہا ہے کہ جب آپ کو دونوں فریق کی بات قوی لگتی ہے تو جانبین کی حدیث ذکر فرماتے ہیں اور کسی ایک فریق کو ترجیح نہیں دیتے۔



۳۵ - بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ مِنَ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾

وَقَالَ عَطَاءٌ فِيمَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّودُ، أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمْلَةِ: "يُعِيدُ الْوُضُوءَ". وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ، أَعَادَ الصَّلَاةَ، وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوءَ". وَقَالَ الْحَسَنُ: "إِنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ وَأَظْفَارِهِ، أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ، فَلَا وُضُوءَ عَلَيْهِ". وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ". وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ، فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ، فَنَزَفَهُ الدَّمُ، فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰى فِي صَلَاتِهِ". وَقَالَ الْحَسَنُ: "مَا زَالَ الْمُسْلِمُونَ يُصَلُّونَ فِي جِرَاحَاتِهِمْ". وَقَالَ طَاوُسٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَطَاءٌ وَأَهْلُ الْحِجَازِ: "لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوءٌ". وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بَثْرَةً، فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ، وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، وَبَزَقَ ابْنُ أَبِي أَوْفٰى دَمًا، فَمَضٰى فِي صَلَاتِهِ". وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَالْحَسَنُ فِيمَنْ يَحْتَجِمُ: "لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک آگے یا پیچھے کی شرمگاہ سے کوئی چیز نکلنے ہی سے وضوٹوٹتا ہے اللہ ربّ العزت کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ”یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے۔“

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کو پیچھے کی راہ سے کیڑا نکلے یا عضو تناسل سے چچڑی کی طرح کوئی کیڑا نکلے تو وہ وضو کا اعادہ کرے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نماز میں ہنسے تو نماز کا اعادہ کرے، وضو کا نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنے بال کاٹے یا ناخن کاٹے یا موزے نکال دے تو وضو ضروری نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وضو صرف حدث ہی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع میں تشریف فرما تھے، ایک

شخص کو تیر لگا، جس سے خون بہنے لگا، تو انھوں نے رکوع اور سجدے کے ساتھ اپنی نماز کو جاری رکھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان زخمی ہونے کی حالت میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت طاوس، محمد بن علی، عطاء رحمہم اللہ اور اہل حجاز کا کہنا ہے کہ خون نکلنے کی وجہ سے وضو ضروری نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک پھنسی پھوڑی جس سے خون نکلا، لیکن آپ نے وضو نہیں فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے خون کو تھوکا، پھر اپنی نماز جاری رکھی۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پچھنا لگوانے والے کے متعلّق فرماتے ہیں کہ اس کے لیے صرف پچھنا کی جگہوں کو دھونا ضروری ہے۔

١٧٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ مَا لَمْ يُحْدِثْ". فَقَالَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ: "مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" قَالَ: "الصَّوْتُ؛ يَعْنِي الضَّرْطَةَ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندہ اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک وہ مسجد میں رہ کر نماز کا انتظار کرے، جب تک کہ اسے حدث پیش نہ آئے۔'' ایک عجمی شخص نے دریافت کیا کہ ابوہریرہ! حدث کیا ہوتا ہے؟ تو فرمایا: ''آواز، یعنی ریح کا خارج ہونا۔''

١٧٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "لَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا".

ترجمہ: حضرت عباد بن تمیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''نمازی اس وقت تک اپنی نماز سے نہ لوٹے جب تک کہ کوئی آواز نہ سُن لے یا بدبو محسوس نہ کرے۔''



یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نواقض وضوء کا بیان شروع فرمایا اور اس میں مسِ ذکر اور مسِ مرأۃ میں امام

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت فرمائی ہے کہ اِن دونوں سے وضونہیں ٹوٹتا۔ اور سبیلین کے علاوہ سے نکلنے والی چیز کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت فرمائی ہے کہ وہ ان کے نزدیک ناقض وضونہیں ہے۔ پھر متعدد آثار ذکر فرمائے ہیں جن کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ آثار کا جواب یہی ہے کہ ان کے بالمقابل دیگر آثار پیش کیے جائیں، لیکن ہم ان شاءاللہ ایک ایک کر کے سب کا جواب دیں گے۔ اولاً ہم آیت وضو پر کچھ گفتگو کریں گے پھر آثار کے جوابات کی طرف رجوع کریں گے۔

آیت کریمہ کی تکرار کا اشکال اور جواب:

جان لیں کہ ایک ہی آیت کی تکرار کا اشکال ہوتا ہے کہ وضو کی آیت سورۂ مائدہ اور نساء دونوں میں ہے، کیوں کہ دونوں کے درمیان صرف یہی فرق ہے کہ سورۂ مائدہ والی آیت میں لفظ "مِنْهُ" زائد ہے، اور احکام کے باب میں اس طرح کی تکرار نہیں ملتی، البتہ واقعات میں کچھ مقاصد اور معانی کے پیش نظر تکرار ہوتی ہے جن کو مفسرین نے بیان فرمایا ہے، حالانکہ اُن میں بھی تفنن کی رعایت ہوتی ہے۔

اس کے جواب میں جو بات مجھے سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت نماز کے وقت وضو کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہے، جیسا کہ گزر چکا کہ ہماری شریعت میں مطلوب ہر نماز کے لیے وضو کرنا ہے، اگر چہ حدث کے بعد وضو کرنا فرض ہوگا، نیز یہ آیت پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کی تعلیم کے لیے ہے۔ جب کہ سورۂ نساء کی آیت پانی نہ ہونے کی صورت میں جنابت سے تیمّم کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہے، پھر چوں کہ حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر کی وجہ سے تیمّم یکساں ہے اس لیے بعض امور کو مشترک بیان کیا گیا ہے، ورنہ پہلی آیت حدثِ اصغر کا حکم بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے، جب کہ دوسری آیت حدثِ اکبر کا حکم بیان کرتی ہے، اور دونوں میں بعض امور کا ذکر تبعاً ہوا ہے۔ اِس صورت میں تکرار کی وجہ سے کوئی حرج نہیں رہی۔ اس پر مزید بحث تیمّم کے باب میں ہوگی۔ ان شاءاللہ۔

نواقض وضو کے بارے میں آیت کریمہ سے وجہ استدلال:

پھر یہ جان لیں کہ اس آیت کریمہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نواقض وضو کے باب میں دو چیزیں اصل ہیں:
پہلی اصل سبیلین سے نکلنے والی چیز ہے، جس کی جانب ﴿أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ﴾ [المائدة:٦] سے اشارہ ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیح مناط کے ذریعے علت بیان فرمائی کہ خروج من السبیلین ناقض وضو ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری اصل مسِ مرأۃ ہے، جس کے ساتھ آپ نے مسِ ذکر کو بھی ملحق فرمایا، اس لیے

کہ دونوں شہوت کے قبیل سے ہیں۔

جب کہ احناف کے نزدیک آیت کریمہ میں مُلامسہ سے مُراد جماع ہے، جیسا کہ اس کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہما گئے ہیں، اسی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پسند فرمایا ہے، جس کی صراحت تفسیر میں فرمائی ہے، اور اسی وجہ سے آپ نے مسِ مرأۃ اور مسِ ذکر سے وضو کو واجب نہیں قرار دیا۔ چنانچہ ہمارے نزدیک نواقض وضو میں اصل ایک ہے، کیوں کہ ہم نے آیت کریمہ: ﴿أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ [المائدۃ:٦] میں مناط کی تحقیق کی تو خروجِ نجاست کو امر مؤثّر پایا اور سبیلین یا غیر سبیلین کی کوئی تاثیر نہیں پائی، اور جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ خروجِ نجاست ہی طہارت کو ختم کرنے میں مؤثّر ہے تو ہم نے اسی کو حکم کا مدار بنایا اور کہا کہ خروجِ نجاست مطلقاً ناقض وضو ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت میں مذکور مُلامسہ کو مسِ مرأۃ پر محمول کیا ہے، لہٰذا وہ آپ کے نزدیک آیت کریمہ کی وجہ سے ناقض وضو ہے، اور مسِ ذکر کو آپ نے حدیث کی وجہ سے ملحق فرمایا ہے۔ جب کہ ہم نے خارج من السبیلین کو آیت کی وجہ سے ناقض وضو قرار دیا اور خارج من غیر السبیلین کو حدیث کی وجہ سے ملحق کیا ہے۔ مگر میرے نزیدک خارج من غیر السبیلین پہلی نوع خارج من السبیلین کے مقابلے میں اخف ہے، اگرچہ ہمارے فقہاء نے اس کی صراحت نہیں فرمائی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ میرے نزدیک شئے واحد کے تحت مراتب کا مختلف ہونا ثابت ہے، جس کی تقریر ہم عنقریب کریں گے۔

احناف کا مذہب درایۃً وروایۃً ان شاء اللہ قوی ثابت ہوگا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ روایت اس کی شاہد ہے کہ قئے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت فرمایا ہے، ابن مندہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں وضو سے مُراد منھ کو دھونا ہے۔ اس تاویل کی حقیقت آپ سمجھ سکتے ہیں۔ پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے کئی حضرات قئے اور نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے وضو کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور یہی حضرت سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور کچھ اہل علم فرماتے ہیں کہ قئے اور نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے وضو ضروری نہیں ہے۔ اور یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے۔'' (انتہیٰ)

علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ''معالم السنن'' میں فرمایا ہے کہ اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ سے خون بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور یہ احوط مذہب ہے، میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ احناف کا مذہب وہ ہے جو اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مختار ہے۔ اس کے بعد ہمارے لیے مزید کسی استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کی تخریج حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الکامل'' سے نقل فرمائی ہے کہ "الوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ" ہر بہنے والے خون کی وجہ سے وضو ضروری ہے۔ مگر اِس نسخے میں کاتب نے سہواً ''محمد بن سلیمان'' لکھ دیا ہے، جو کہ غیر معروف ہیں، اور تصحیح کے بعد وہ ''عمر بن سلیمان'' ہیں، میں نے یہ بات اپنی جگہ لکھی ہے۔ اس میں ایک راوی احمد بن الفرج ہیں، اور ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے، لہٰذا یہ حدیث قوی ہوئی۔

اسی طرح دوسری حدیث بِنا کے مسئلے میں ہے، جس کی تخریج ابن ماجہ اور دارقطنی نے کی ہے کہ ''من أصابه قيءٌ أو رُعاف أو قلس أو مذي، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبنِ على صلاته'' (سنن ابن ماجه، رقم: ۱۲۲۱؛ سنن الدارقطني، رقم: ۵۵۷) ''جس کو قئے ہو جائے، یا نکسیر پھوٹے، یا مذی نکلے تو وہ لوٹ جائے اور وضو کرے، پھر اپنی نماز کی بِنا کرے۔'' میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، اگرچہ اس پر علّامہ ماردینی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاقب کیا ہے، ان کا رُجحان اس روایت کے مرفوع ہونے کا ہے۔ اور علّامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج میں ہے کہ یہ صحیح ہے، شاید یہ بھی کاتب کا سہو ہے، کیوں کہ یہ نسخہ غلطیوں سے بھرا ہوا ہے، تو اصل میں ''غیر صحیح'' تھا، جس کی کاتب نے تحریف کر دی، اصح یہی ہے کہ یہ مرسل ہے، اور مُرسل اکثر حضرات کے نزدیک حجّت ہوتی ہے، خاص کر جب ایسی روایت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کی تائید بھی ہو، جیسا کہ زرقانی میں ہے، اور اسی پر عمل بھی رہا ہے۔

پھر میرے نزدیک زیادہ واضح یہی ہے کہ مُلامسہ سے مباشرتِ فاحشہ مُراد ہو، جس میں جماع بھی داخل ہے، بلکہ لفظ مُلامسہ شوافع کے ذکر کردہ مسِ مرأۃ کے مقابلے میں مباشرت پر زیادہ صادق آتا ہے، اِس صورت میں مُلامسہ بھی خروج من السبیلین کی طرح ایک مستقل اصل شمار ہوگی، کیوں کہ جماع کی وجہ سے غسل کی علت انزال کو نہیں قرار دیا جا سکتا، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جماع مستقل اصل نہیں ہے، بلکہ وہ خارج من السبیلین میں داخل ہے۔

اس تقریر کے بعد شیخین رحمہما اللہ کے مذہب پر جو اشکال علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وہ دفع ہو جاتا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ مباشرتِ فاحشہ مطلقاً ناقضِ وضو ہے، خواہ کچھ نکلے یا نہ نکلے، انھوں نے وجہ یہ بیان کی کہ مباشرتِ فاحشہ میں عموماً کچھ نہ کچھ نکلتا ہی ہے اس لیے اِس ظنِ غالب کو خروجِ نجاست کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اس پر علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا کہ یہ اعتبار ایسے مسائل میں ہوتا ہے جہاں حسی طور پر دیکھ پانا ممکن نہ ہو، جب کہ یہاں تو مشاہدے کے ذریعے تحقیق کا امکان ہے، لہٰذا حکم کا مدار خروجِ نجاست کی حقیقت پر ہونا چاہیے، جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخین رحمہا اللہ کا مذہب راجح ہے، اس لیے کہ مباشرتِ فاحشہ کی وجہ سے وضو کا ٹوٹنا اس علت کی وجہ سے نہیں جو ان حضرات نے سمجھی ہے، کیوں کہ وہ علت تو پہلی اصل کی جانب راجع ہے، بلکہ علت میرے نزدیک دوسری اصل میں داخل ہے، چنانچہ مباشرتِ فاحشہ مُلامسہ کے جزئیات میں سے ہے۔

پھر یہ سمجھ لیں کہ مُلامسہ سے میری مُراد جماع اور مباشرتِ فاحشہ دونوں ہیں، یہ ایک چیز کا اطلاق کر کے اس کے بعض مصداقات اور درجات کو مُراد لینا ہے، چنانچہ جماع یہ مُلامسہ کا اعلیٰ درجہ ہے اور مباشرت اس کا ادنیٰ درجہ ہے، تمام درجات کو مُراد لینا ضروری نہیں ہے، جس سے یہ اعتراض ہو کہ تب تو مسِ مرأۃ بھی ناقض وضو ہونا چاہیے، کیوں کہ شوافع نے بھی تمام درجات مُراد نہیں لیے اور انھوں نے مسِ مرأۃ میں ہتھیلی کے اندرونی حصے اور بغیر حیلولت کی قید لگائی ہے۔

شرعی حکم کے مختلف درجات میں اجتہاد کی گنجائش:

یہ باب ایسا ہے جس سے لوگ غافل ہیں، کیوں کہ شریعت میں ایک حکم وارِد ہوتا ہے جس کے درجات مراحل اجتہاد کے تحت ہوتے ہیں، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ﴾ [البقرۃ:۲۲۲] میں بعض حضرات نے عورتوں سے دور رہنے کے تمام درجات کو مُراد لیا، بعض نے مطلقاً دوری کو واجب اور قریب ہونے کو حرام قرار دیا ہے، لیکن اس میں درجات قائم کیے ہیں، چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مُراد دوری کا ادنیٰ درجہ ہے، جو کہ گندگی کی جگہ سے دور رہنا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے اوپر کا درجہ مُراد ہے، لہٰذا انھوں نے ناف سے گھٹنوں تک کے حصے سے دور رہنا مُراد لیا۔ اور اس نکتے سے غفلت کے سبب کچھ لوگوں کو بہت سی جگہوں میں تاویلات کا سہارا لینا پڑا، مثلاً یہ حدیث کہ: "المُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ" اور "إِنَّ المَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ". اگر یہ حضرات حکم کے درجات کو اجتہاد پر چھوڑ دیتے تو تاویل کی ضرورت نہ ہوتی۔ چنانچہ حدیث میں نجاست کی نفی ایک درجے کی ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول: "أَيْ كَمَا زَعَمْتُمْ" کی مُراد بھی یہی ہے، یعنی نجاست اس درجے کی نہیں ہے جو تم نے سمجھی ہے۔

اور یہی بات میں قضائے حاجت کے وقت استقبال اور استدبارِ قبلہ کے بارے میں بھی کہتا ہوں کہ لوگوں نے جانبین سے طویل بحث کی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے اِس بارے میں نہی کے درجات قائم نہیں کیے ہیں، مطلوب صرف یہی ہے کہ قضائے حاجت کے وقت انسان قبلہ رُخ نہ ہو، اب کس درجے میں قبلہ رُخ ہونے سے بچنا مطلوب ہے؟ تو اس کو شارع نے خود ذکر نہیں فرمایا بلکہ اسے اجتہاد پر چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح شریعت میں صرف امر و نہی

وارد ہوتے ہیں، اس کے درجات سے تعرض نہیں ہوتا، بلکہ درجات اجتہاد کے حوالے ہوتے ہیں، لہٰذا ائمہ مجتہدین میں سے کوئی اسے واجب قرار دیتا ہے، دوسرا مستحب قرار دیتا ہے، اسی طرح کوئی مجتہد کہتا ہے کہ یہ چیز حرام ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حرام نہیں ہے، اور اختلاف کی وجہ وہی ہے جس پر ہم نے متنبہ کیا۔ ظاہر سی بات ہے کہ جب شریعت کی جانب سے درجات کا حکم صراحۃً بیان نہیں ہوا تو اس میں مجتہدین کا اختلاف ہوگا ہی، اسی سے اجتہاد کی ضرورت بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر اجتہاد نہ ہوتا تو ہمیں حکم کے درجات معلوم نہ ہو پاتے اور نہ ہی ہم شارع کے مقصود کو سمجھ پاتے، کیوں کہ جب شارع نے اسے بیان نہیں فرمایا تو مجتہد ہی ہمیں بتا سکتا ہے۔

شارع کی دو ذمہ داریاں ہیں:

ہوسکتا ہے کہ اتنی وضاحت سے آپ یہ بات سمجھ نہ پائے ہوں اور مزید وضاحت کی ضرورت ہو، تو جان لیں کہ یہاں دو ذمّے داریاں ہیں: پہلی ذمّے داری واعظ و ناصح کی ہے کہ وہ عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور عمل کی رغبت دِلاتا ہے، چنانچہ وہ ایسی تعبیرات اختیار کرتا ہے جو اعمالِ صالحہ کے لیے مؤثّر ہوں۔ اس کی توجّہ مسئلے کی تحقیق اور اس کی شرائط و موانع کو مکمّل بیان کرنے کی طرف نہیں ہوتی، بلکہ وہ مطلق کلام کرکے وعد و وعید اور ترغیب و ترہیب سے کام لیتا ہے، امر و نہی کرتا ہے، زیادہ تفصیلات بیان نہیں کرتا۔

اور دوسری ذمّے داری معلّم اور فقیہ کی ہے، جس کا مقصود علم کی تلقین اور مسئلے کی وضاحت کرنا ہوتا ہے، رہی بات عمل کی تو وہ اس کی بحث سے دور ہوتی ہے، چنانچہ وہ تحقیق کے ساتھ وضاحت کرے گا اور باریک بینی سے کلام کرے گا اور تمام شرائط کو مکمّل ذکر کرتے ہوئے ایسی تعبیرات اختیار کرے گا جن سے خلافِ مقصود کا وہم پیدا نہ ہو، بلکہ اس کی تعبیرات مقصود کو خوب واضح کرنے والی اور اس سے قریب تر ہوں گی، لہٰذا وہ مطلق کلام کرنے کے بجائے شرائط کو ذکر کرے گا، نیز وعد و وعید اور ترغیب و ترہیب کو بھی شرائط کے ساتھ ذکر کرے گا۔

یہ دونوں ذمّے داریاں شارع کی ہیں، شارع کے منصب ناصح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾﴾ [الغاشية:۲۱ - ۲۲] اور شارع کا منصب صرف معلّم ہونا نہیں ہے، بلکہ وہ معلّم ہونے کے ساتھ ناصح بھی ہیں، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ وہ ایسی تعبیر اختیار کریں جو عمل پر آمادہ کرے اور غفلت و کوتاہی سے دور رکھے، یہی فطری تعلیم ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر تعلیم اپنے عمل سے دی ہے، آپ جس بات کا لوگوں کو حکم فرماتے اولاً آپ اس پر خود عمل فرماتے، پھر لوگ آپ سے سیکھتے، یہی وجہ ہے کہ حضرات

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم و تعلّم کی ضرورت نہ تھی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ تعلیم ہمارے دور جیسا ہوتا تو دین کبھی نہ پھیلتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعے لوگوں کو تعلیم دی، پھر جب لوگوں کو کوئی حکم فرماتے تو آپ عملاً بھی فطری طریقہ اپناتے، جو کہ مطلوب کا حکم دینا اور مکروہ سے روکنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے درجات سے بحث نہیں فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ [الحشر:۷] یہی درست نہج ہے۔

رہی بات درجات کے متعلّق بحث کی تو یہ ایک نیا طریقہ ہے جو علمائے اُمّت نے فسادِ زمانہ کی وجہ سے اختیار کیا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تو جب کسی چیز کا حکم ہوتا تو وہ اس کے تمام درجات پر عمل کرتے اور جب کسی چیز سے انھیں روکا جاتا تو اسے مکمّل چھوڑ دیتے تھے، انھیں بحث کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، اگر شارع نے درجات کو بھی ذکر کیا ہوتا تو آپ کے ناصح ہونے کا منصب ہی فوت ہو جاتا اور عمل باقی نہ رہتا، کیوں کہ جب بحث و جدال ہوتا ہے تو عمل میں کوتاہی آجاتی ہے۔ مثلاً اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے کہ "تم عورتوں کی صرف گندگی کی جگہ سے دور رہو، اور دیگر اعضاء سے فائدہ اٹھا سکتے ہو" تو بہت ممکن تھا کہ لوگ حرام کے ارتکاب میں مبتلا ہو جاتے، اس لیے کہ جو بندہ ممنوع چراگاہ کے اِرد گرد جانور کو چَراتا ہے تو پورا خطرہ رہتا ہے کہ جانور اس ممنوع جگہ میں چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں حکم کو لفظ "اعتزال" سے تعبیر فرمایا تاکہ اس پر عمل آسان ہو اور لوگ معصیت میں مبتلا نہ ہوں۔

اسی طرح شارع جب کسی بات کو پسند فرماتے ہیں تو اس کا مطلقاً حکم فرماتے ہیں، تاکہ لوگ اس پر تمام درجات سمیت عمل پیرا ہوں اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہو، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ". کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ "فَعَلَ فِعْلَ الكُفْرِ" اس نے کفر یہ فعل کیا، یا "مُسْتَحِلًّا" کہ جس نے حلال سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا، یا "قَارَبَ الكُفْرَ" کہ وہ کفر کے قریب ہو گیا۔ حالانکہ یہ بظاہر آسان تھا، اس لیے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح فرماتے تو تاکید کا مقصود فوت ہو جاتا اور عمل معدوم ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اس کی تاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حاصل یہ کہ شارع جب بھی ہمیں کوئی حکم فرماتے ہیں تو گویا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس پر حتی الامکان عمل ہو، اس طرح عمل ہو کہ اس کے درجات میں سے کوئی بھی درجہ باقی نہ رہے، یہی مقصد نہی میں بھی ہوتا ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیعت کے وقت یہ فرماتے تھے کہ "فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ" کہ جتنا تم سے ہو سکے، کیوں کہ جِدّ و جُہد اور مقدور بھر طاقت تب ہی صرف ہو گی جب مجمل کلام فرمائیں، اگر تفصیل فرماتے تو لوگوں سے کوتاہی ہوتی، جیسا کہ ہم عوام اور عام

علماء کا مشاہدہ کرتے ہیں، لیکن وہ حضرات جن کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام ہے اور اس کے دربار میں قبولیت کا درجہ حاصل ہے انھیں کوئی تجارت وخرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

اب اگر آپ بآسانی ہماری اس پیش کردہ تحقیق کو قبول کر سکتے ہیں تو جان لیجیے کہ قرآن نے مُلامسہ کو عنوان بنایا، جو مسِ مرأۃ کو بھی شامل ہے، لیکن چوں کہ یہ مُلامسہ کا ادنیٰ درجہ ہے اس لیے ہم نے مسِ مرأۃ کی وجہ سے وضو کے مستحب ہونے کا حکم لگایا، ہم وجوب کے قائل نہیں ہوئے، اس کے برخلاف چوں کہ مباشرتِ فاحشہ مُلامسہ کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لیے ہم نے اس کی وجہ سے وضو کو واجب کہا، اور برخلاف جماع کے، کہ وہ اِن تمام سے اعلیٰ درجہ ہے، لہٰذا ہم نے اس کی وجہ سے غسل کو واجب کہا۔

حاصل یہ کہ مُلامسہ سے مس بالید کو مُراد لینا ایسے درجے میں ہے جس کو لفظ مُلامسہ شامل ہے، اور مُلامسہ سے مباشرت کو مُراد لینا غرض کے درجے میں ہے، یعنی لفظ مُلامسہ اگرچہ مس بالید کو بھی شامل ہے مگر اس سے مقصود جماع اور مباشرت ہے جو کہ دو شرمگاہ کے ملنے کا نام ہے۔ اور چوں کہ مس بالید مُراد نہیں ہے اگرچہ وہ لفظ مُلامسہ کے مشمولات میں ضرور ہے اس لیے ہم نے ادنیٰ درجے میں اس کے ناقض وضو ہونے کا حکم لگایا اور اس سے خواصِ اُمّت کے لیے وضو کو ضروری قرار دیا۔ اور اسی طرح ہم نے اونٹ کے گوشت اور آگ پر پکی ہوئی چیز کے بارے میں بھی کہا ہے۔

اس تقریر کے مطابق ہم نے آیت کریمہ پر تمام مراتب سمیت عمل کیا ہے، البتہ اس کے حکم میں شدّت وضعف کے اعتبار سے فرق ضرور کیا ہے، نیز مباشرت کی جزئیات میں وہ عمل بھی داخل ہوسکتا ہے جس پر ابتدائے اسلام میں عمل ہوتا تھا، یعنی "المَاءُ مِنَ المَاءِ" کہ انزال ہو تو غسل واجب ہوگا۔

پھر یہ جان لیں کہ شریعت کبھی ان مراتب کو اپنے عمل سے بتاتی ہے، صراحۃً ذکر نہیں کرتی، لیکن اُن مراتب کو کلام کے اطراف وقرائن سے بتاتی ہے، چنانچہ کسی چیز سے منع کرتی ہے، پھر اس کا جواز پیش کرتی ہے، جس سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع یہ چاہتے ہیں کہ لوگ اس کا ارتکاب نہ کریں اور اس سے باز رہیں، تاہم مسئلے کی وضاحت اور بیانِ جواز بھی ہو جائے اس لیے شارع اس پر عمل کرتے ہیں، تا کہ اس کا جواز معلوم ہو، یہ ایسا ہی ہے جیسے قضائے حاجت کے وقت استدبارِ قبلہ سے شارع نے اسی طرح منع فرمایا جیسے استقبالِ قبلہ سے منع فرمایا، پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استدبار مروی ہے، جیسا کہ شوافع نے سمجھا ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ استدبارِ قبلہ کی کراہت استقبالِ قبلہ کے مقابلے میں کم درجے کی ہے، حالانکہ مطلوب دونوں ہی سے بچنا ہے، تاہم استدبار کی گنجائش بعض احوال میں ہوسکتی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اس کو ہم "بَابُ مَا

يُسْتَرُ مِنَ الْعَوْرَةِ" کے تحت مزید تفصیل سے واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

اس تحقیق کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿جُنُبًا﴾ اور ﴿لَمَسْتُم﴾ میں کوئی تکرار نہیں رہی، علاوہ ازیں شروع آیت میں جنابت اور نشے کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ دونوں نماز کے منافی ہیں، پھر غسل کا حکم ذکر فرمایا، پھر تیمّم کو بیان کرنے کے لیے دو مرتبہ ﴿لَمَسْتُم﴾ فرمایا۔ اس سے علّامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اشکال بھی دفع ہو گیا۔

علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لمس کو جماع پر محمول کرنا اس وجہ سے مناسب ہے کہ وہ پانی نہ ہونے کی صورت میں حدثِ اکبر واصغر دونوں کے حکم کا بیان ہو جائے، جیسا کہ دونوں حدث کا حکم پانی موجود ہونے کی صورت میں بیان فرمایا۔

قہقہہ ناقض وضو کیوں ہے؟

اس پر اگر یہ سوال ہو کہ پھر قہقہے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ کیوں کہ وہ تو دونوں اصل (خروجِ نجاست اور مُلامسہ) میں داخل نہیں ہے، پھر بھی آپ قہقہے کی وجہ سے وضو کو ضروری قرار دیتے ہو۔

میں جواباً کہوں گا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ قہقہے کی وجہ سے وضو کا واجب ہونا اس کے ناقض وضو ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بطورِ تعزیر ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے کہ قہقہے کی وجہ سے وضو کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا یہ کہ یہ صرف تعزیر ہے، اور اس پر یہ تفریع بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی نے نماز میں قہقہہ لگایا تو اس کا وضو صرف نماز کے حق میں باطل ہے۔ اس لیے کہ اس باب میں دارقطنی میں ابو العالیہ کی صحیح مُرسل روایت موجود ہے، اگرچہ اس کو ثقات نے موصول قرار دیا ہے، مگر طبیعت اس کے موصول ہونے کو تسلیم نہیں کرتی ممکن ہے کہ یہ وہم ہو۔ اس کو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔ اور اس سے خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی کا اشکال ختم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ قہقہہ ان دونوں اصل میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے جن کو آیت کریمہ نے نواقض وضو میں ذکر کیا ہے۔

بیماری وسفر اور قضائے حاجت ولمس کو ایک ہی سیاق میں کیوں بیان کیا گیا؟

پھر اگر یہ اشکال ہو کہ بیماری، سفر، قضائے حاجت اور لمس میں کوئی مناسبت نہیں ہے، کیوں کہ پہلے دونوں (بیماری اور سفر) ایسے حالات میں شمار ہوتے ہیں جن میں پانی پر قدرت دشوار ہوتی ہے، جب کہ اخیری دونوں حالتیں (قضائے حاجت اور لمس) نواقض میں سے ہیں، تو پھر ان تمام کو ایک ہی سیاق میں کیسے بیان کر دیا گیا؟

میں جواب دوں گا کہ اِن تمام کو ایک سیاق میں ذکر کرنا اس وجہ سے بہتر ہے کہ تیمّم کے حکم میں یہ تمام داخل ہیں، کیوں کہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ تمام کو شامل ہے، خواہ کوئی بیمار ہو، یا مسافر ہو، یا قضائے حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا جنبی

ہو، کیوں کہ یہ تمام لوگ جب پانی نہ ملنے کی وجہ سے پانی پر قادر نہ ہوں یا پانی تو ہو لیکن استعمال نہ کر سکتے ہوں تو تیمّم کریں گے۔
تو آیت کریمہ میں دو عذر (مرض اور سفر) اور دو ناقض (قضائے حاجت اور لمس) کو جمع کیا گیا ہے جو لطیف طرزِ بیان ہے۔

"وَقَالَ عَطَاءٌ" ...... ہمارے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔

"وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: إِذَا ضَحِكَ" ...... میں کہتا ہوں کہ دار قطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے: "مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ فِيْ صَلاَتِهٖ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلاَةَ". اس پر امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام فرمایا ہے، مزید یہ کہ ہمارے نزدیک وضو صرف قہقہے کی وجہ سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہمارے موافق نہیں ہے۔

"وَقَالَ الحَسَنُ" ...... ہمارے نزیدک بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔ مگر جب موزے کو نکالے تو صرف دونوں پیر کو دھوئے، وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔

"وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ" ...... میں کہتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہی سے حدیث کی تفسیر میں مروی ہے کہ ......[1] تو یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ یہ خارج من السبیلین سے بھی اخص ہے، لہٰذا یہ محض ایک قسم کی تعبیر ہے۔

"وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ" ......اس کی تخریج امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بصیغۂ تمریض ذکر فرمایا ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عقیل ہیں، بعض حضرات نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور یہی میرے نزدیک راجح ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عبداللہ بن محمد بن عقیل صدوق ہیں، بعض اہل علم نے آپ کے حافظے کے بارے میں کلام کیا ہے، میں نے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم اور امام حمیدی رحمہم اللہ عبداللہ بن محمد بن عقیل کی حدیث کو حجّت قرار دیتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ مقارب الحدیث ہیں۔"

میری رائے یہ ہے کہ اس سے استدلال تام نہیں ہے، کیوں کہ یہ نہیں معلوم کہ اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی یا نہیں؟ پھر خون بالاتفاق ناپاک ہے، تو ناپاک خون کے ساتھ انھوں نے نماز کیسے جاری رکھی؟ علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے "باب الوضوء من الدم" کے تحت دو آدمیوں کے قصے میں فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو گھاٹی کے دہانے پر پہرے داری کے لیے بھیجا تھا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاساً قوی ہے۔ اور ائمہ کے مذاہب اتباع کے لیے قوی ہیں۔ معلوم نہیں یہ استدلال خبر سے کیسے صحیح ہوگا؟ حالانکہ خون جب بہہ گیا تو ان کے بدن اور چمڑی کو بھی لگا ہوگا، نیز ہوسکتا ہے

[1] علّامہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ مجھ سے چند کلمات چھوٹ گئے ہیں جس سے حوالے کا مقصد فوت ہوگیا۔

کہ ان کے کپڑوں پر بھی لگا ہو، حالانکہ تھوڑا سا خون لگنے سے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز درست نہیں ہے۔ الا یہ کہ تاویلاً یوں کہا جائے کہ ان کے بدن سے خون اس طرح نکل رہا تھا کہ بدن کے کسی بھی ظاہری حصے پر نہیں لگا، اگر حقیقۃً ایسا ہوا ہو تو بہت عجیب بات ہے۔

میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید میں اپنی ہیئت محمودہ کو باقی رکھنے کے لیے تھا، کیوں کہ شہید یومِ قیامت کو اپنے خون کے ساتھ آئے گا، جس کی خوشبو مشک کی ہوگی، چنانچہ یہ سجدے میں وفات کی طرح مناقب کے قبیل سے ہے۔ اور جیسا کہ بخاری شریف میں قرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قصے میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی شہید ہوگئے، ان کا خون نکلنے لگا تو وہ اپنے خون کو چہرے پر مَلنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ حالانکہ وہاں کسی نے یہ بحث نہیں کی ہے کہ خون کو چہرے پر مَلنا کیسا ہے؟ نیز جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلّق فرمایا جن کی وفات احرام کی حالت میں ہوئی کہ ان کے سر کو مت ڈھانپو، کیوں کہ وہ قیامت کے دِن تلبیہ پڑھتے ہوئے زندہ کیے جائیں گے، تو یہ بشارت کے قبیل سے ہے، جس کو فریق خصم نے حکم فقہی پر محمول کرلیا، اور یہ درست نہیں ہے۔ عن قریب ہم اس کو اس کی جگہ واضح کریں گے۔

"وَقَالَ الحَسَنُ" ...... یہاں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مُراد ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ معذور کے مسئلے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے کو سب سے بہتر انداز میں کبیر نے ذکر کیا ہے۔ پھر فقہاء نے عذر کی ابتدا کا مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ معذور کب شمار ہوگا؟ اور نماز کے پورے وقت کے احاطے سے معذور شمار ہوگا، نیز عذر کے باقی رہنے کا مسئلہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ نماز کے وقت میں ایک مرتبہ بھی عذر پیش آئے تو معذور سمجھا جائے گا، لیکن فقہاء نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ عذر کی ابتدا میں کیا کرے؟ کیا نماز کا وقت گزرنے کا انتظار کرے؟ جس سے معلوم ہو کہ وہ معذور ہے یا نہیں؟ پھر نماز پڑھے اور فائتہ کی قضا کرے، یا یہ کہ عذر ثابت ہونے سے پہلے ہی عذر کے ساتھ وضو کر کے نماز پڑھے؟ میں نے یہ مسئلہ صرف ''القنیہ'' میں دیکھا ہے، جس میں ہے کہ وضو کرے اور عذر کے باوجود نماز پڑھے، پھر اگر عذر نماز کے پورے وقت تک برقرار رہے تو اس کی نماز صحیح شمار ہوگی، ورنہ اعادہ کرے۔

"قَالَ طَاوُس" ...... ہوسکتا ہے کہ یہ معذور کا خون ہو، یا دمِ غیر سائل ہو۔ جیسا کہ مصنّف ابن ابی شیبہ میں سند صحیح کے ساتھ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے کہ آپ صرف بہنے والے خون ہی کی وجہ سے وضو کو ضروری قرار دیتے تھے۔

"وَعَصَرَ ابنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا" ......اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ خون نکل کر بدن کے ایسے حصے تک بہہ گیا یا نہیں جو دھونے کے حکم میں ہے۔ علاوہ ازیں بذاتِ خود نکلنے والے خون اور نکالے جانے والے خون میں بھی فرق

ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

"وَبَزَقَ ابنُ أَبِيْ أَوْفىٰ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ" ...... ہمارے نزدیک بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے بشرطیکہ خون تھوک پر غالب نہ ہو۔

"وَقَالَ ابنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا" ...... میں کہتا ہوں کہ اِس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ان حضرات کا یہ قول نجاست کے احکام سے متعلّق ہے یا نماز کے؟ اس لیے کہ آپ نے جان چکے ہیں کہ شریعت کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ نجاست کو فوراً دور کیا جائے، اس سے آلودہ نہ رہیں، چنانچہ خروجِ مذی کی وجہ سے وضو کرنا، دودھ پینے کے بعد کلّی کرنا اور اسی طرح پچھنا لگوانے کی جگہوں کو دھونا، یہ تمام میرے نزدیک نماز کے احکام میں سے نہیں ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کو فوری طور پر کیا جائے، اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نجاستوں سے آلودہ رہنا صاحب شریعت کی نظر میں عبادات میں کمی کا سبب ہے، اسی کمی کو بیان کرتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أَفْطَرَ الحَاجِمُ وَالمَحْجُوْمُ" کہ پچھنا لگانے والے اور لگوانے والے نے اِفطار کر لیا۔ نیز نکسیر پھوٹنے اور قئے کی وجہ سے وضو کرنا اور حائضہ کا روزہ نہ رکھنا، یہ تمام بھی اسی وجہ سے ہیں۔ ہم اسے کتاب الصیام میں بیان کریں گے۔

---

١٧٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ مُنْذِرٍ أَبِي يَعْلَى الثَّوْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدٍ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: "فِيهِ الْوُضُوءُ". وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنِ الأَعْمَشِ.[1]

"وَفِيْهِ الوُضُوْءُ" ...... میرے نزدیک اس کا تعلق مذی کے احکام سے ہے، لہٰذا مستحب یہ ہے کہ خروجِ مذی کے بعد عضوِ تناسل کو دھولے۔ چوں کہ فقہ کے زیادہ تر احکام حلال وحرام سے متعلّق ہیں اس لیے اِن آداب کا ذکر کم ہوتا ہے، اور یہ تمام ابوابِ آداب نماز کے وقت میں منحصر ہو گئے ہیں۔ اس مسئلے میں وجہ یہ ہے کہ منی چوں کہ شہوتِ قویہ کی وجہ سے نکلتی ہے اس لیے اس سے غسل واجب ہوتا ہے، جب کہ مذی شہوتِ ضعیفہ کی وجہ سے نکلتی ہے اس لیے اس میں وضو اور شرمگاہ کو دھونا واجب ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات ذکر فرمائی ہے کہ یہ حکم علاج کے لیے ہے، اِس سے مُراد علاجِ طبّی نہیں ہے، بلکہ فوری

[1] اس حدیث کا ترجمہ جلد اوّل میں "بَابُ مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ" کے تحت حدیث نمبر: (۱۳۲) میں گزر چکا۔

طور پر قطرات ٹپکنے سے روکنا مُراد ہے، جیسا کہ حدیث میں مستحاضہ کے لیے حکم ہے کہ وہ غسل کرے اور غسل خانے میں بیٹھے، کیوں کہ یہ بھی خون کو روکنے میں مؤثّر ہے۔ اِس سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ نجاست کو کم کرنا اور اس سے آلودہ نہ رہنا شریعت میں مستقل طور پر مطلوب ہے۔

---

۱۷۹ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قُلْتُ: "أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ؟" قَالَ عُثْمَانُ: "يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ. قَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا، وَالزُّبَيْرَ، وَطَلْحَةَ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، فَأَمَرُوهُ بِذٰلِكَ".

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے بتائیں کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو جماع کرے لیکن اسے منی نہ نکلے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نماز کے وضو کی طرح وضو کرے اور اپنے عضوِ تناسل کو دھولے۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔'' (راوی حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پھر میں نے اس کے متعلّق حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی یہی حکم فرمایا۔''



"حَدَّثَنَا سَعْدٌ" ...... میں کہتا ہوں کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ دو شرمگاہوں کے ملنے سے غسل واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مُراد یہ ہو کہ فوری طور پر وضو کرلے، تاکہ جنابت کا اثر کم ہوجائے، آپ رضی اللہ عنہ نے اِس سے سِرے سے غسل کی نفی مُراد نہیں لی ہے، کیوں کہ غسل ضروری ہے، آپ نے صرف ایک امر زائد کو بیان فرمایا۔ نیز غسل کی نفی مُراد کیسے ہوسکتی ہے جب کہ خود آپ سے غسل کا فتویٰ منقول ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اِس حکم کو اس زمانے پر محمول کیا جائے جب غسل پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجماع نہیں ہوا تھا، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کرکے اعلان فرمادیا کہ جو بھی "المَاءُ مِنَ المَاءِ" والی حدیث پر عمل کرے گا اسے سزا دی جائے گی، تو اب یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے قائل رہے ہوں۔

اسی وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ ''غسل کرنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں

سے اکثر اہل علم کا قول ہے۔'' اس میں آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی شمار فرمایا، تاہم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو معلل قرار دیتے تھے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

"كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ"......اس سے اشارہ ملتا ہے کہ راوی کے ذہن میں وضو کی چند اقسام ہیں، اسی وجہ سے اسے ''نماز کے وضو'' سے مقید کیا۔ اور طحاوی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وضو کی ایک قسم ثابت ہے کہ ''یہ اس شخص کا وضو ہے جسے حدث پیش نہ آیا ہو۔'' نیز مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیند کا وضو فرمایا، یہ بھی مکمل وضو نہیں ہے۔ اور جب وضو کی متعدد اقسام ثابت ہیں تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے لیے بھی ایک قسم کے وضو کا التزام فرمایا ہو، جیسا کہ مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کے قصے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''إِنِّي كَرِهتُ أَنْ أَذكُرَ اللهَ تعالى إِلَّا على طُهرٍ'' (سنن أبي داود، رقم: ۱۷) ''میں صرف پاکی ہی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں۔'' اس میں طویل بحث ہے، جو عن قریب مفصل آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

۱۸۰ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَجَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ؟" فَقَالَ: "نَعَمْ". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أُعْجِلْتَ، أَوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الْوُضُوءُ".

تَابَعَهُ وَهْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ وَيَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ: "الْوُضُوءُ".

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو پیغام بھیجا، تو وہ اس حال میں آئے کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ شاید ہم نے تم سے جلدی کروائی، انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب آپ جلدی میں ہوں یا رُکاوٹ پیش آجائے تو صرف وضو ضروری ہے۔''

  

"أُعْجِلْتَ" ......یعنی جب آپ کوجلدی ہو۔

"قُحِطْتَ" ...... یہ "قَحْطٌ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ ہیں آپ کوانزال نہیں ہوا۔ یہ روایت مسلم شریف میں مفصل مروی ہے، جوصریح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: "المَاءُ مِنَ المَاءِ" یہ بیداری کی حالت کے لیے ہے، نیند کی حالت کے لیے نہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ احتلام کے بارے میں ہے، اس کی تاویل ہم نے مقدّمے میں بیان کی ہے۔



٣٦ - بَابٌ: الرَّجُلُ يُوَضِّئُ صَاحِبَهُ

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ، عَدَلَ إِلَى الشِّعْبِ فَقَضَى حَاجَتَهُ. قَالَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ: "فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ، فَقُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُصَلِّي؟" فَقَالَ: الْمُصَلَّى أَمَامَكَ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو وضو کرائے۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عرفہ سے کوچ فرمائی تو گھاٹی کی جانب رُخ موڑ لیا، پھر آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے ہاتھ) پر پانی ڈالنے لگا اور آپ وضو فرمارہے تھے، میں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! کیا آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ''نماز پڑھنے کی جگہ آگے ہے۔''



مُراد یہ ہے کہ وضو میں کسی کی مدد لینا جائز ہے یا نہیں؟ احناف نے پانی ڈالنے وغیرہ کی اجازت دی ہے، مَلنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ بھی درجات قائم کرنے کے قبیل سے ہے کہ بعض درجات کی اجازت ہے اور بعض سے منع کیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد مزدلفہ پہنچ کر بھی وضو فرمایا۔ چوں کہ یہ مجلس بدل چکی تھی اس لیے دوبارہ میں وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

"الْمُصَلّٰى أَمَامَكَ"...... ماقبل میں تفصیل سے گزر چکا کہ احناف کے نزدیک اس دِن مغرب اور عشا کا وقت ایک ہے۔

١٨٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ

يُحَدِّثُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، وَأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ، وَأَنَّ مُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ".

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ’’آپ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے گئے، (جب واپس آ کر وضو کرنے لگے) تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پانی ڈالنے لگے اس حال میں کہ آپ وضو کر رہے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کیا اور موزے پر مسح کیا۔‘‘



"وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ"...... بعض طرق میں ہے: "وَمَسَحَ بِعِمَامَتِهِ" چنانچہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسح علی العمامہ پر اکتفا کے بارے میں حنابلہ کے لیے دلیل نہیں بن سکتی، جب تک کہ وہ کوئی ایسی دلیل پیش نہ کریں جس میں یہ صراحت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک پر بالکل مسح کیے بغیر صرف عمامے پر مسح فرمایا، مجمل حدیث بطورِ دلیل کافی نہیں ہے، کیوں کہ راوی کبھی صرف عمامے کا ذکر فرماتے ہیں، پھر جب تفصیل سے ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ سر کا مسح بھی بیان فرماتے ہیں، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے، لہٰذا یہی توجیہ کی جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کے کچھ حصے کا مسح فرمایا اور عمامے پر مسح کر کے تکمیل کی سنّت ادا فرمائی۔



٣٧ - بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ

وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: "لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلَىٰ غَيْرِ وُضُوءٍ". وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: "إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ، وَإِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ".

---

١٨٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: "أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ خَالَتُهُ، فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّىٰ إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَىٰ شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا، فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَىٰ عَلَىٰ رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَىٰ يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّىٰ أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ، فَصَلَّى الصُّبْحَ".

ترجمہ: یہ باب حدث کے بعد تلاوتِ قرآن وغیرہ کے بیان میں ہے۔

منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ''حمام میں تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور بغیر وضو کے خط لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔'' اور حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ''اگر حمام میں موجود لوگوں نے ازار پہنی ہو تو انھیں سلام کرو، ورنہ مت کرو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی خالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کو قیام کیا، (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ) میں تکیے کی چوڑائی میں سر

رکھ کر لیٹ گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اہلیہ تکیے کی لمبائی میں سَر رکھ کر لیٹ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے، یہاں تک کہ نصف شب سے کچھ دیر پہلے یا کچھ دیر بعد آپ بیدار ہوئے تو بیٹھ کر اپنے دست مبارک کو چہرۂ انور پر پھیر کر نیند اُڑانے لگے، پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف متوجّہ ہوئے، جس سے آپ نے اچھّی طرح وضوفرمایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے بھی کھڑے ہوکر اسی طرح کیا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا، پھر میں جا کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو پکڑ کر مجھے دائیں جانب پھیرلیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دو رکعات کر کے بارہ رکعات پڑھیں، پھر وِتر پڑھی، پھر آپ مؤذّن کے آنے تک لیٹ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر دو رکعات ہلکی پڑھیں، پھر آپ نے نکل کر فجر کی نماز پڑھی۔''



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ حدث سے مُراد یہاں حدثِ اصغر ہے یا اکبر؟ لیکن خارج سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک حدثِ اکبر کے بعد بھی تلاوتِ قرآن جائز ہے۔

"وَغَيْرِهٖ" ......یعنی عام اوقات میں۔

"وَلَا بَأْسَ" ...... ہمارے نزدیک حمام میں تلاوتِ قرآن مکروہ ہے، جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اسی طرح میّت کوغسل دینے سے پہلے بھی اس کے پاس تلاوت نہیں کی جائے گی۔

محدث کے لیے قرآن پاک چھونا حرام ہے؟

محدِث کے لیے قرآن پاک کو چھونا ہمارے نزدیک مطلقاً حرام ہے، خواہ قرآن کے حروف کو چھوئے یا اس کے نسخے کو، البتہ تفسیر کے نسخوں کو چھونا جائز ہے۔اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مصحف کو چھونا بھی جائز ہے۔
اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة:۷۹] کے متعلّق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ خبر ہے، انشاء نہیں ہے۔اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کا رُجحان بھی جواز کا ہے۔آپ کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ "مُطَهَّرُوْنَ" سے ملائکہ مُراد ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ شیاطین کے لیے قرآن سے قریب ہونا اور چھونا ممکن نہیں ہے، ملائکہ ہی قرآنِ پاک چھو سکتے ہیں، یہ کلام انشاء نہیں ہے کہ چھونے کے لیے طہارت شرط ہو۔اور علّامہ

سہیلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں، فرماتے ہیں کہ "مُطَّهَّرُوْنَ" یہ ملائکہ کا وصف ہے، کیوں کہ ملائکہ ہی ہمیشہ طہارت سے متصف رہتے ہیں، جب کہ انسان کبھی ناپاک ہوجاتے ہیں اور کبھی پاک ہوتے ہیں، لہٰذا انسان "مُتَطَهَّرُوْنَ" یعنی پاکی حاصل کرنے والے ہیں، ان کی طہارت کسبی ہے، وہ ہمیشہ پاک نہیں رہتے، جب کہ "مُطَّهَّرُوْنَ" دائمی طہارت پر دلالت کرتا ہے، جو صرف ملائکہ میں پائی جاتی ہے۔

فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کا حکم:

"ثُمَّ اضْطَجَعَ"...... جان لیں کہ احناف نے فجر کی سنّت کے بعد لیٹنے کو جائز قرار دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس عمل کو سنّت مقصودہ نہیں سمجھتے، لیکن اگر کوئی شخص اس عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات کا اتباع کرنا چاہے تو اسے اجر ضرور ملے گا اور یہ اس کے حق میں سنّت مقصودہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، پھر آپ نے ہماری جانب یہ نسبت فرمائی کہ یہ لیٹنا ہمارے نزدیک بھی بدعت ہے، حالانکہ احناف اس کے قائل نہیں ہیں۔

"خَفِيْفَتَيْنِ"...... ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں رکعات میں سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون کی تلاوت فرماتے تھے۔ طحاوی میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی ایک پارے کی تلاوت فرماتے تھے۔ میری رائے یہ ہے کہ شاید جب رات کا کوئی معمول چھوٹ جائے تو اس کی تلافی کے لیے آپ قرأت کو طویل فرماتے ہوں گے۔ الدرالمختار میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کعبۃ اللہ کے اندر ایک پیر پر کھڑے ہوکر نصف قرآن کی تلاوت فرمائی اور اسی طرح دوسری رکعت میں نصف قرآن پڑھا، علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر حیرت کا اظہار فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مرفوعاً بھی ثابت ہے، جیسا کہ علمائے مفسرین نے سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِن دو رکعات کی تخفیف کا نکتہ یہ بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رات کے معمول کو دو ہلکی رکعات سے شروع فرماتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دِن کا معمول شروع کرنے لگے تو یہ چاہا کہ وہ بھی رات ہی کی طرح دو ہلکی رکعات سے شروع ہو، تاکہ رات اور دِن کے معمولات یکساں ہوجائیں۔

تنبیہ:

پھر جان لیں کہ اس حدیث کی تخریج امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، جس کی سند میں ''مخرمہ بن سلیمان'' کی جگہ ''قیس بن سلیمان'' لکھا ہوا ہے، یہ یقیناً کاتب کی غلطی ہے، کیوں کہ اِس سند میں قیس کا کوئی دخل نہیں ہے۔



٣٨ - بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ

١٨٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ عَنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ، وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: "مَا لِلنَّاسِ؟" فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ. فَقُلْتُ: "آيَةٌ؟" فَأَشَارَتْ: أَيْ نَعَمْ. فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، وَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي مَاءً، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ: أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، يُؤْتٰى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: "مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟" فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ، أَوِ الْمُوقِنُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، فَيَقُولُ: "هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا"، فَيُقَالُ: "نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا". وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، فَيَقُولُ: "لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ".

ترجمہ: یہ باب اُن حضرات کے بیان میں ہے جو شدید بے ہوشی ہی سے وضو کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جب کہ سورج گہن ہوا تھا، لوگ نماز میں مشغول تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نماز میں مشغول تھیں، میں نے پوچھا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سبحان اللہ کہا، میں نے پوچھا کہ کوئی خاص نشانی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اپنے سر کے) اشارے سے ''ہاں'' میں جواب دیا، پھر میں بھی نماز میں کھڑی ہوگئی یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی تو میں

اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی، پھر جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر ارشاد فرمایا: ''جو چیزیں پہلے میں نے نہیں دیکھی تھیں وہ تمام آج میں نے اس جگہ دیکھ لی ہیں، حتیٰ کہ جنّت وجہنم بھی دیکھ لیں۔ اور مجھے بذریعۂ وحی بتایا گیا کہ تمھیں اپنی قبروں میں آزمایا جائے گا فتنۂ دجال کی طرح، (راویہ فاطمہ کہتی ہیں کہ) مجھے معلوم نہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے لفظ ''مثل'' کہا تھا یا ''قریباً''، مقبور کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ ''اِس شخص کے متعلّق تم کیا جانتے ہو؟'' تو مؤمن یا موقن (یقین رکھنے والا، راویہ فاطمہ کہتی ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کونسا لفظ کہا تھا) ہوگا تو کہے گا کہ ''یہ محمد رسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، تو ہم نے ان کی بات مان لی اور پیروی کی۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ ''تو نیک بخت ہو کر سو جا، ہمیں معلوم تھا تو ان پر یقین رکھنے والا ہے۔ اور رہی بات منافق یا شک کرنے والے کی (راویہ فاطمہ کہتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کونسا لفظ کہا تھا) تو وہ منافق کہے گا کہ ''میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا وہی کہہ دیا۔''



اطباء کا کہنا ہے کہ بے ہوشی دِماغ میں اور غشی قلب میں ہوتی ہے۔ اور غشی بھی ہمارے نزدیک ناقض وضو ہے، چنانچہ اس میں بھی مراتب کا اعتبار فرمایا ہے کہ غشیٔ ثقیل کو ناقض وضو قرار دیا ہے، ہلکی غشی کو نہیں۔

"فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنىٰ عَلَيْهِ"...... یہ سورج گہن کا خطبہ ہے، جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسنون ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ نماز کی سنّت نہیں ہے، آپ ﷺ نے یہ خطبہ مقام کی مناسبت سے دیا تھا۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہاد کی گنجائش والے مواقع میں سے ہے۔

"إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ"......رویت اور علم میں فرق ہے، کیوں کہ آپ فلک سے لے کر سمندر کی مچھلی تک کی فضا کو حسی طور پر دیکھ سکتے ہیں، لیکن آپ اپنے پیٹ کی اندرونی حقیقت کو نہیں جانتے، لہٰذا اس سے آپ ﷺ کے لیے علم محیط پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔



٣٩ - بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ كُلِّهِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوْسِكُمْ﴾

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: "الْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ تَمْسَحُ عَلىٰ رَأْسِهَا". وَسُئِلَ مَالِكٌ: "أَيُجْزِئُ أَنْ يَمْسَحَ بَعْضَ الرَّأْسِ؟" فَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ".

ترجمہ: یہ باب پورے سَر پر مسح کے بیان میں ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے کہ ''تم اپنے سَروں کا مسح کرو۔''

حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''عورت بھی مرد ہی کی طرح اپنے سَر کا مسح کرے گی۔'' اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا سَر کے کچھ حصے کا مسح کافی ہے؟ تو آپ نے (تردیداً) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پیش فرمائی۔

١٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ: "أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ ـ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى ـ: "أَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟" فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ: "نَعَمْ". فَدَعَا بِمَاءٍ، فَأَفْرَغَ عَلىٰ يَدَيْهِ فَغَسَلَ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا إِلىٰ قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ".

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ مجھے بتاسکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح وضو فرماتے تھے؟ تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، آپ نے پانی منگوایا، پھر اسے اپنے دونوں ہاتھ پر ڈال کر دو مرتبہ دھویا، پھر تین مرتبہ کلّی کی اور ناک صاف کیا، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ کو دو دو مرتبہ دونوں کہنیوں سمیت دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ سے سَر کا

مسح کیا، آپ مسح میں دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کی جانب لائے، آپ نے مسح کو اپنے سَر کے آگے کے حصے سے شروع کیا اور دونوں ہاتھ اپنی گدّی تک لے گئے، پھر دونوں ہاتھ کو اسی جگہ واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر اپنے دونوں پیر دھوئے۔''



مسح علی الراس کی مقدار:

"وَقَالَ ابنُ المُسَيِّبِ"......یعنی عورت اپنے دوپٹے پر مسح نہیں کرے گی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ "رأس "یعنی سَر پورے عضو کے مجموعے کا نام ہے، لہٰذا مسح کرنے کا حکم اسی پر ہے۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔

میرے نزدیک بات یہ ہے کہ ائمہ کی نظر اس پر دائر ہے کہ جب کسی محل پر کسی فعل کو واقع کرنے کا حکم دیا جائے تو امتثالِ حکم کے لیے پورے محل پر فعل کا وقوع شرط ہے یا محل کے کچھ حصے پر بھی فعل کا وقوع کافی ہوگا؟ آیت کریمہ میں کوئی اجمال نہیں ہے، جیسا کہ فقہاء نے ثابت کیا ہے۔ اس لیے کہ اِجمال یا تو اشتراک کی وجہ سے ہوگا یا غرابت کی وجہ سے، اور یہاں دونوں میں سے کوئی سبب نہیں ہے، البتہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ اِجمال کبھی متکلم کی مُراد کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، تو اس قسم کا اِجمال یہاں ممکن ہے، مگر فقہاء کے نزدیک اِجمال مذکورہ دو ہی قسموں میں منحصر ہے۔

چنانچہ ہم احناف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسح کے احوال کی تحقیق کی تو ہمیں ایک چوتھائی سے کم مقدار نہیں مل سکی، لہٰذا ہم اسی کے قائل ہوئے اور ہم نے جان لیا کہ چوتھائی سَر کے مسح کو پورے سَر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور شارع کے نزدیک چوتھائی سَر کل کے قائم مقام ہے اور کل کا وظیفہ اس سے ادا ہو جائے گا۔ اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، یہ حدیث اپنے الفاظ کے اختلاف کے بعد بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سَر کے کچھ حصے یعنی پیشانی پر مسح فرمایا ہے، اور یہ وہ مقدار ہے جو شرط ہے، اور عمامے پر مسح کرنا استیعاب کی سنّت ادا کرنے کے لیے ہے۔

ہماری دلیل سنن ابی داود کی یہ روایت ہے: "أَنَّهُ مَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهِ، وَلَمْ يَنقُضِ العِمَامَةَ". کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سَر مبارک کے شروع حصے کا مسح فرمایا اور عمامے کو نہیں کھولا۔ اس حدیث کی سند میں راوی ابو معقل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مجہول ہیں، میں کہتا ہوں کہ مجھے ان کا نام مل گیا اور وہ میرے نزدیک حسن ہیں، آپ کا نام عبداللہ بن معقل ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اور ''تہذیب التہذیب'' میں ہے کہ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسح علی

العمامہ کی روایت کرنے والے عبداللہ بن معقل وہ ابومعقل ہیں، جن کا ذکر کنیت کے بیان میں آئے گا۔ ''الاطراف'' کے مصنّف نے ان کا یہ نام ذکر کیا ہے۔''

نیز میرے نزدیک حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک مُرسل روایت بھی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں تھے، آپ کے سر پر عمامہ تھا، تو آپ نے عمامے کو گردن پر رکھا، پھر اپنے سَر کا مسح فرمایا۔'' اِن جیسی احادیث کی وجہ سے ہم نے کہا کہ استیعاب فرض نہیں ہے۔ نیز فتح الباری اور عمدۃ القاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ چوتھائی سَر کا مسح ذمّے سے سبک دوش ہونے کے لیے کافی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ استیعاب سلف صالحین کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے۔

پھر جان لیں کہ "وَلَمْ يَنْقُضِ العِمَامَةَ" میں راوی کی توجّہ ایک اہم بات کی طرف ہے، اس لیے کہ مسح میں سنّت ہاتھ کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کی طرف پھیرنا ہے، لہٰذا عمامہ پہنے ہوئے ہونے کی حالت میں مسح کیسے کیا جائے؟ یہ سکھانے کی ضرورت تھی، کیوں کہ عمامے پہنا ہوا ہو تو اس حالت میں ہاتھ کو آگے اور پیچھے لے جانا مشکل ہے، تو ظاہر یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ عمامہ پہنے ہوئے ہونے کی حالت میں مسح کا طریقہ سکھانا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

''مدارج النبوۃ'' میں ابن الظہیرہ سے منقول ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس باب میں سب سے قوی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تفسیر کبیر میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس باب میں سب سے قوی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور غالباً یہ طبقاتِ شافعیہ میں بھی مذکور ہے۔

"وَقَالَ ابنُ المُسَيِّبِ"...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عورت اگر اپنے سَر کے شروع حصے کا مسح کرلے تو کافی ہے۔

"فَأَفْرَغَ عَلىٰ يَدَيْهِ" ...... وضو سے پہلے دونوں ہاتھ دھونے کے بارے میں اختلاف گزر چکا ہے کہ کیا یہ پانی کے آداب میں سے ہے یا وضو کی سنّت ہے؟ ظاہر یہی ہے کہ یہ صرف نظریے کا اختلاف ہے، اس لیے کہ جب دونوں گروہ کے نزدیک وضو سے پہلے ہاتھ دھونا ثابت ہے تو وہ حضرات جو اِس کو پانی کے آداب میں سے قرار دیتے ہیں انھوں نے صرف اولاً ہاتھ دھونے کی حکمت ہی کو ذکر کیا ہے، جو کہ پانی کو ناپاک ہونے سے بچانا ہے، تو یہ صرف ایک نظریہ ہے۔ اور جن حضرات نے ہاتھ دھونے کو وضو کی سنّت قرار دیا ہے گویا وہ اِس حکمت کی جانب متوجّہ نہیں ہوئے، حالانکہ ان کا بھی اس بات اتفاق ضرور ہے کہ وضو سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں گے۔ ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وضو میں ہاتھ دھونے کا ترک ثابت ہوتا تو یہ محلِ اختلاف ہوسکتا تھا۔

پھر حدیث مستیقظ من المنام میں لفظ "وَضُوء" کا ذکر ہے کہ "فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي وَضُوئِهِ" یہیں سے نظریہ

مختلف ہوا کہ یہ وضو کے احکام سے متعلّق ہے یا پانی کے؟ اور اِس صورت میں بہتر یہی ہے کہ دونوں نظریوں کوتسلیم کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہاتھ کواولاً دھونا اس لیے ہے کہ تا کہ پانی ناپاک ہونے سے بچ جائے ،لیکن یہ عمل وضو سے پہلے ہونا چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے، کیوں کہ وضو کا پانی ناپاک ہونے سے بچانا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے، اِس صورت میں دونوں نظریے جمع ہوجائیں گے اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں رہے گا۔ اور یہاں یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ ہاتھ کودومرتبہ دھونا یہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل جوآپ نے دیکھا وہ دونوں کہنیوں سمیت دھونا ہے، جیسا کہ بعدوالی روایت میں ہے۔لہٰذا اس کوسمجھ لیں۔ [1]

بوقت مسح اِقبال واِدبار کاحکم:

"فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ" ...... اِس میں اِقبال و اِدبار دونوں مسح نہیں بلکہ دو ہاتھ کی دوحرکتیں ہیں، جیسا کہ اس کے بعدوالی روایت میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً" چنانچہ اِقبال و اِدبار کے ساتھ ایک مرتبہ ہی کا ذکر ہے۔

اسی طرح حضرت رُبیِّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جس کی تخریج امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے کہ ''مسحَ رأسَه ومسحَ ما أقبلَ منهُ وما أدبرَ وصَدغَيهِ وأذنيهِ مرَّةً واحدةً'' (سنن الترمذي، رقم:٣٤) ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کا مسح فرمایا، اور سر کے آگے اور پیچھے کے حصے کا مسح کیا، اور کان اور کنپٹی کا ایک مرتبہ مسح کیا۔'' حالانکہ اس سے ماقبل ہی کی روایت میں حضرت رُبیِّع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''أن النبي صلى الله عليه وسلم مسح برأسه مرتين، بدأ بمؤخر رأسه، ثم بمقدمه'' (سنن الترمذي، رقم:٣٣) ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سَر مبارک کادومرتبہ مسح کیا، بایں طور کہ سَر کے پیچھے کے حصے سے ابتدا کی، پھر سَر کے آگے کے حصے کا مسح کیا۔'' اس سے واضح ہوگیا کہ جن حضرات نے مسح میں تکرار کوذکر کیا ہے اس سے انھوں نے اِقبال واِدبار مُراد لیا ہے۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام صحیح احادیث ایک مرتبہ مسح پر دلالت کررہی ہیں۔مگر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ پانی لے کرتین مرتبہ مسح کرنا جائز ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ نیز فتاویٰ قاضی خان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر تین مرتبہ مسح کیا جائے تو یہ نہ بدعت شمار ہوگا نہ

---

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے اِس باب سے متعلّق مزید تشریح بعدوالے باب نمبر: ۴۰ کے تحت ذکر کی گئی ہے۔لہٰذا اِس تشریح کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

سنّت، یہی میرے نزدیک راجح ہے، اگرچہ بعض کتابوں میں اسے بدعت کہا ہے۔

اِقبال و اِدبار کے متعلّق امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ہمارے اصحاب (شوافع) کا کہنا ہے کہ ہاتھ کو واپس لانا اُس شخص کے لیے مستحب ہے جس کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں، لیکن جس کے سَر پر بال ہی نہ ہوں، یا بال گندھے ہوئے ہوں تو اس کے لیے ہاتھ کو واپس لانا مستحب نہیں ہے، کیوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، پھر بھی اگر اس حالت میں ہاتھ واپس لائے تو یہ دوسرا مسح شمار نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلے مسح کی بنسبت پانی مستعمل ہو چکا ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے، بلکہ اِقبال و اِدبار استیعاب کے لیے کیا جاتا ہے، جس میں گندھے ہوئے اور نہ گندھے ہوئے دونوں قسموں کے بال حکماً یکساں ہیں، رہی بات پانی کے مستعمل ہو جانے کی تو اس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے، بلکہ پانی مستعمل اس وقت شمار ہوگا جب وہ عضو سے علاحدہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسح کی حکمت یہ ذکر فرمائی ہے کہ شریعت کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ جب کسی حکم میں تخفیف کی جاتی ہے تو اس کا ایک نمونہ چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ ذہن سے اصل کا بالکلیہ ذہول نہ ہو جائے، جیسا کہ موزے پہننے کی حالت میں جب پیروں کو دھونا ساقط ہو گیا تو مسح کو بطورِ نمونہ اور یاد دِہانی اس کے قائم مقام کر دیا گیا، اسی طرح سَر کے مسح میں بھی اصل دھونا ہی تھا، مگر تخفیفاً مسح پر اکتفا کیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ ”الترغیب والترہیب“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ تخفیف اس وجہ سے ہے کہ میدانِ محشر میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے بال منتشر نہ ہوں۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

"وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيىٰ"...... مؤطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر سائل کی طرف راجع ہے، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ عمرو بن یحییٰ کے دادا نہیں ہیں، بلکہ آپ عمرو بن ابی الحسن کے دادا ہیں، جیسا کہ اس کے بعد والی روایت میں ہے:" شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ...الخ".



٤٠ - بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

١٨٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ: شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَتَوَضَّأَ لَهُمْ وُضُوءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكْفَأَ عَلَىٰ يَدِهِ مِنَ التَّوْرِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ، فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ".

ترجمہ: یہ باب پیروں کو ٹخنوں سمیت دھونے کے بیان میں ہے۔

''عمرو بن حسن نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے متعلّق سوال کیا تو آپ نے پانی کا ایک برتن منگوایا، پھر لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو کر کے دکھایا، چنانچہ آپ نے برتن میں سے پانی اپنے ہاتھ پر ڈال کر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں داخل کر کے تین چلّو سے کلّی کی، ناک میں پانی ڈالا اور ناک صاف کیا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں داخل کر کے تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، پھر پانی میں ہاتھ داخل کر کے سر کا مسح کیا، جس میں ایک مرتبہ آگے سے پیچھے کی جانب اور پیچھے سے آگے کی جانب ہاتھ کو پھیرا، پھر اپنے دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوئے۔''



٤١ - بَابُ اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوءِ النَّاسِ

وَأَمَرَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَهْلَهُ أَنْ يَتَوَضَّئُوا بِفَضْلِ سِوَاكِهِ.

١٨٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ، فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ".

ترجمہ: یہ باب لوگوں کے وضو کا بچا ہوا پانی استعمال کرنے کے بیان میں ہے۔اور حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ کو حکم فرمایا کہ ان کے مسواک کے بچے ہوئے پانی سے وضو کریں۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس دِن چڑھے تشریف لائے، آپ کے لیے وضو کا پانی لایا گیا، آپ نے وضو فرمایا، تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لے کر خود پر مَلنے لگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعات ظہر اور دو رکعات عصر کی نماز ادا فرمائی، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک نیزہ تھا۔''

١٨٨ - وَقَالَ أَبُو مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: "اِشْرَبَا مِنْهُ، وَأَفْرِغَا عَلٰى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا".

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا، جس میں آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرے کو دھویا اور کلّی کی، پھر حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ''تم دونوں اس میں سے پیو اور اپنے چہرے اور سینے پر بہاؤ۔''



ماءِ مستعمل کا حکم:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان مائے مستعمل کے پاک ہونے کا ہے۔علّامہ ابن ہمام اور ابن نجیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تمام اہل عراق نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نجس ہونے کی روایت کا انکار کیا ہے۔اور میرے نزدیک یہ لوگ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرنے میں قوی و پختہ ہیں۔حالانکہ ہمارے علمائے ماوراء النہر میں سے بعض حضرات نے اس کو ثابت قرار دیا ہے، جو بہت ہی ضعیف ہے، اس لیے کہ میں نے سلف میں سے کسی کو بھی مائے مستعمل کے ساتھ نجاست کا معاملہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت میں مطلوب یہی ہے کہ مائے مستعمل سے وضو کو بچایا جائے، جیسا کہ طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ. فَقَالَ: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَقَالَ: يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا'' (شرح معاني الآثار، رقم:١٧) ''تم میں سے کوئی بھی جنبی ہونے کی حالت میں پانی کے اندر غسل نہ کرے۔'' کسی نے پوچھا کہ ابو ہریرہ! پھر غسل کیسے کرے؟ تو فرمایا: پانی کو نکال کر لے۔اسی طرح مرد کو عورت کے بچے ہوئے پاک پانی کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔میرے نزدیک یہ اِسی نکتے پر مبنی ہے، جیسا کہ اس کی تقریر ان شاء اللہ عن قریب آئے گی۔

حاصل یہ ہے کہ مائے مستعمل طاہر ہے، اس کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، تاہم اس سے بچنا مطلوب ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طہارت سے بچے ہوئے پانی کے ذریعے مائے مستعمل کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے، مجھے آپ کے استدلال میں ایک اشکال ہے، اگرچہ مسئلہ فی نفسہٖ صحیح ہے، اس لیے کہ علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات پاک ہیں، تو ظاہر ہے کہ آپ کا بچا ہوا پانی بدرجۂ اولیٰ پاک ہونا چاہیے، لہٰذا یہ مطلقاً مائے مستعمل کے پاک ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، البتہ بطورِ خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچے ہوئے پانی کی طہارت ثابت ہوتی ہے، اور بعد کا معاملہ آسان ہے۔نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جانب یہ بھی منسوب ہے کہ مائے مستعمل مطہر ہے۔

"الهَاجِرَة" ......یعنی نصف النہار، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لوگ اس وقت راستے پر چلنا چھوڑ کر اپنے گھروں میں آرام کرتے ہیں۔

"فَضْلَ وُضُوئِه" ......یعنی وہ پانی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاء سے گرتا تھا۔

"فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ" ......اس میں جمع بین الصلاتین پر کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ راوی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

افعال کو شمار کروا رہے ہیں اس وجہ سے دونوں کو متصلاً ذکر فرمایا ہے، راوی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا خارجی حال بیان نہیں فرمایا ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے قیامت کی نشانیوں کو روایت میں شمار کروایا جاتا ہے، حالانکہ دونشانیوں کے درمیان طویل مدّت ہوتی ہے، جس کو بعض ناواقف لوگ محض متصلاً ذکر کرنے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے متصل سمجھ لیتے ہیں۔

---

۱۸۹ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ". وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهِ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ: وَإِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَىٰ وَضُوئِهِ".

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے منہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کنویں سے پانی لے کر کلّی فرمائی تھی جب وہ چھوٹے تھے۔ اور حضرت عروہ نے مسور وغیرہ سے نقل کیا ہے، مسور اور مروان دونوں آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچے ہوئے پانی پر ٹوٹ پڑتے۔''



"كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ"...... یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔



۴۲ - بَابٌ

۱۹۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْجَعْدِ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ. فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهٖ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ، فَنَظَرْتُ إِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ".

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میری خالہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے بھانجا بیمار ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی، پھر آپ نے وضو فرمایا تو میں نے آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پی لیا، پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو چھپر کھٹ کی گھنڈی (دوسرا ترجمہ: کبوتر کے انڈے) جیسی تھی۔“



یہ باب بلا ترجمہ ہے، جس کی وجہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

"فَمَسَحَ رَأْسِيْ" [۱]...... آپ دیکھیں کہ ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ [المائدۃ:٦] اور "وَامْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ" میں کتنا فرق ہے کہ پہلے میں معتبر عند الشرع مسح معہود مُراد ہے، یعنی تر ہاتھ کو پھیرنا، جب کہ دوسرے میں محض لغوی معنیٰ مُراد ہے یعنی صرف ہاتھ پھیرنا، اسی لیے راوی نے "فَمَسَحَ رَأْسِيْ" فرمایا، "بِرَأْسِيْ" نہیں فرمایا، نیز اس طرح برکت کے لیے ہاتھ پھیرنا کتب سماویہ سابقہ میں بھی ملتا ہے، اسی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب مسیح ہے، گویا کہ

[۱] فیض الباری کے عربی نسخے میں یہ تشریح سبقت قلم سے ماقبل کے باب کے تحت ذکر ہو گئی ہے۔ لہٰذا یہاں ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھوا تو آپ مسیح ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ آپ شیطانی حملوں سے محفوظ تھے۔ اور چھوٹے بچّوں کے سَروں پر برکت کے لیے ہاتھ پھیرنا اب تک رائج ہے۔

"فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ" ...... ظاہر یہی ہے کہ اس سے مُراد برتن میں بچا ہوا پانی مُراد ہے، نہ کہ اعضاء سے ٹپکنے والا۔

مہرِ نبوت:

"زِرِّ الحَجَلَةِ" ...... ہر صحابی نے اپنے ذہن میں جو تشبیہ سب سے قریب تھی وہ بیان کی ہے۔ اور یہ علامت ختم نبوت کی تھی، اور اِس مہر کا پشت پر ہونا مناسب ہے، جب کہ دجال کی مہر اس کی پیشانی پر ہوگی جس پر "ک، ف، ر" لکھا ہوگا، ہر دیکھنے والا اس کو پڑھ سکے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر کی وجہ یہ ہے کہ مہر آخر میں ہوا کرتی ہے، لہٰذا اس کا پشت پر ہونا مناسب ہے، جب کہ دجال کا مذکور نقش اشاعت واعلان کے لیے ہوگا، لہٰذا اس کا چہرے پر ہونا مناسب ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت بالکل درمیان میں نہیں تھی بلکہ بائیں جانب مائل تھی، کیوں کہ یہ حصّہ شیطانی وساوس کا محل ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے کشف میں دیکھا ہے کہ شیطان کی ایک سونڈ ھ ہوتی ہے، جب وہ انسان کے دِل میں وسوسہ ڈالنا چاہتا ہے تو اس کے پیچھے بیٹھ جاتا ہے اور وہاں سے وسوسہ ڈالتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس حصے کو مہر نبوت کے ذریعے محفوظ فرما دیا، اس لیے مہر نبوت کے لیے یہ جگہ مناسب ہے۔



٤٣ - بَابُ مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

۱۹۱ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّهُ أَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ أَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَـلَاثًا، فَغسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَا أَقْبَلَ وَمَا أَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: "هٰكَذَا وُضُوءُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".

ترجمہ: یہ باب ایک ہی چلّو سے کلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ پر برتن سے پانی ڈالا، پھر ان کو دھویا، پھر ایک چلّو سے دھویا یا کلّی کی، یا ناک میں پانی ڈالا، آپ نے تین مرتبہ یہ کیا، پھر چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں سمیت دو دو مرتبہ دھوئے اور سر کے آگے اور پیچھے کے حصے کا مسح کیا، اور دونوں پیر دونوں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر فرمایا: ''اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو تھا۔''



مضمضہ واستنشاق میں وصل اور فصل کا اختلاف:

لفظ "مِنْ" سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محض مضمضہ اور استنشاق کے جمع پر استدلال کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں کہ وہ اسے خود پسند فرماتے ہیں۔ اور جان لیں کہ حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان مضمضہ واستنشاق کے فصل و وصل کا اختلاف جواز وعدمِ جواز کا نہیں بلکہ اولویت کا اختلاف ہے۔ نیز البحر الرائق میں صراحت ہے کہ اصل سنّت وصل سے بھی ادا ہو جاتی ہے اور کمالِ سنّت فصل سے ادا ہوگی۔ نیز یہی بات ''امداد الفتاح شرح نور الایضاح'' میں بھی ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "مِنْ کَفَّةٍ وَاحِدَةٍ" سے مُراد ایک ہاتھ کے ذریعے کلّی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے، اس کے برخلاف وضو کے دیگر اعمال دونوں ہاتھ سے کیے جائیں گے، چنانچہ راوی فصل اور وصل کو بیان فرمانا نہیں چاہتے، بلکہ دو ہاتھ کے بجائے ایک ہاتھ کے استعمال کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ تنازع فعلین کے قبیل سے ہے۔

مجھے جو بات سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک جزوی واقعہ ہے جس میں وصل کا ذکر ہے، جیسا کہ نسائی کی روایت میں "مِن مَاءٍ وَاحِدٍ" کے الفاظ ہیں، اور "غَرفَةٍ وَاحِدَةٍ" بھی مروی ہے، لیکن یہ اس کے سنّت ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ پانی کے کم ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ واقعہ جزوی اس وجہ سے کہا جائے گا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "بَابُ الغُسلِ وَالْضُوْءِ مِنَ المِخْضَبِ" میں بعینہٖ یہی حدیث ذکر فرمائی ہے، تو اس بنیاد پر دو مرتبہ دھونا بھی سنّت ہونا چاہیے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

پھر یہ جان لیں اور اِس سے غافل نہ رہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت یہ تھی کہ جب ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی واقعہ ہوتا تو وہ اسے آپ کی عادت کی طرح بیان کرتے اور اس طرح تعبیر فرماتے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو ہمیشہ اسی طرح ہوتا تھا، ان حضرات کے لیے یہی ممکن تھا، کیوں کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح دیکھا، لہٰذا ان کے لیے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت قرار دینا ظاہر تھا، کیوں کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لمبے زمانے تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نصیب نہیں ہوتی تھی، بلکہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو صرف ایک مرتبہ صحبت پا سکے اور بعض اس سے زیادہ، پھر ہر ایک نے اپنی مدّتِ اقامت کے دوران جیسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو دیکھا اسی طرح تعبیر کیا۔

تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں وضو فرما رہے تھے جس میں آپ نے مضمضہ واستنشاق میں وصل کیا اور اپنے ہاتھ دو مرتبہ دھوئے تو صحابی نے اسی طرح اس کو بیان کیا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو قرار دیا۔

اب جو شخص اِن باریکیوں سے واقف نہیں ہوتا وہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت، سنّتِ مستمرہ اور قاعدۂ کلیہ سمجھ لیتا ہے، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ صرف صحابی کی ایک تعبیر تھی، یہ نہیں کہ صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کو متعدد مرتبہ دیکھا، پھر مسئلے کی تحقیق کر کے اسے ذکر کیا ہو، جس طرح فقہاء مسئلے کو ذکر کرتے ہیں۔ صحابی صرف واقعہ نقل فرماتے ہیں، اور رواۃ بھی تمام واقعات کے نقل کرنے میں اسی طرح کرتے ہیں کہ واقعہ جس طرح سے رونما ہوا اسی طرح اسے بیان کرنا چاہتے ہیں، تخریج مسائل کی طرف توجّہ نہیں کرتے، اسی طرح رواۃ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مہر کے سلسلے میں بیان کیا: "وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا" کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مہر بنا دیا۔ نیز اسی طرح جانور کو جانور کے

بدلے میں قرض لینے والی حدیث میں ہوا ہے۔جس کو عن قریب ہم بیان کریں گے۔

یہ ذمّے داری فقہائے کرام کی ہے کہ وہ مناطِ حکم کی تحقیق کریں اور اس سے اصول کی تخریج کر کے فصول کو متفرع کریں، عام لوگ اس طریقے سے غافل ہیں، اس لیے بسا اوقات وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعبیرات سے مسائل اخذ کرتے ہیں، حالانکہ یہ میرے نزدیک درست نہیں۔

حاصل یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو وہی تھا جو انھوں نے دیکھا، اگرچہ ایک ہی مرتبہ دیکھا ہو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس بھی وہ واقعۂ جزئیہ ہی تھا جو بطورِ حکایت حال آپ نے اسی طرح نقل فرمایا جیسا آپ نے دیکھا تھا۔اسے خوب سمجھ لینا چاہیے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ

"أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ".

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے آپ کے لیے پیتل کے ایک برتن میں پانی نکالا۔اور ابوداود شریف میں "باب الوضوء في آنية الصفر" میں ہے کہ

"جَاءَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ".

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو نقل فرما رہے ہیں وہ صرف ایک جزوی واقعہ ہے۔اور نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جو اس واقعے میں پانی کی کمی پر دلالت کررہی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، فَأُتِيَ بِمَاءٍ فِي إِنَاءٍ قَدْرَ ثُلُثَيِ الْمُدِّ". (بابُ الْقَدْرِ الَّذِي يَكْتَفِي بِهِ الرَّجُلُ مِنَ الْمَاءِ لِلْوُضُوءِ / الرقم: ۱۰۰)

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، تو آپ کے پاس مد کے دو تہائی کی مقدار کے ایک برتن میں پانی لایا گیا۔''

اس واقعے میں بھی حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا پانی کی قلّت کی جانب اشارہ کرنا چاہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس واقعے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہنیوں تک ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے، چنانچہ وصل اگر حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے سنّت کاملہ ہوتی تو دو مرتبہ ہاتھ دھونے کو بھی سنّت کاملہ قرار دیا جاتا۔

اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کی تخریج ابن سکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں فرمائی ہے، جس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "التلخيص الحبير" میں ابووائل سے روایت کیا ہے:

"شَهِدْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّآ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَأَفْرَدَا الْمَضْمَضَةَ مِنَ الِاسْتِنْشَاقِ، ثُمَّ قَالَا: "هٰكَذَا رَأَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ". (التلخيص الحبير / كتاب الطهارة / باب سنن الوضوء)

کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انھوں نے وضو میں اپنے اعضاء تین تین مرتبہ دھوئے اور مضمضہ واستنشاق کو الگ الگ کیا، پھر دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

نیز امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دونوں حضرات کے وضو والی حدیث بیان فرمائی ہے، مگر اس میں مضمضہ واستنشاق کے فصل کی صراحت نہیں ہے، البتہ بظاہر فصل ہی معلوم ہوتا ہے، اگر چہ بعض الفاظ سے وصل کا وہم ہو۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا خصوصی اہتمام اس وجہ سے فرمایا کہ آپ کے دورِ خلافت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے طریقے میں اختلاف ہو گیا، جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے، ابو مالک دمشقی سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وضو کے بارے میں اختلاف ہوا، تو آپ نے لوگوں کو جمع ہونے کا اعلان فرمایا، لوگ آپ کے پاس آئے، پھر آپ نے پانی منگوایا۔......الخ۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔ اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے مضمضہ واستنشاق کے فصل پر باب قائم فرما کر اس کے تحت ایک حدیث ذکر فرمائی، مگر اس کی سند میں لیث بن سلیم کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس کے شواہد موجود ہیں۔ رہی بات اس سند کی کہ "طلحة عن أبيه عن جده" میں کچھ جہالت ہے، تو شیخ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ختم فرما کر حسن قرار دیا ہے۔ پھر میں نے اس کے لیے مسند احمد میں غور کیا تو متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وضو سے مضمضہ واستنشاق کا فصل ہی متبادر طور پر معلوم ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر جان لیں کہ وہ روایات جن میں مضمضہ واستنشاق کے لیے ایک چلّو کا ذکر ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مضمضہ و استنشاق کے لیے چھ مرتبہ پر محمول کیا ہے کہ دونوں تین تین مرتبہ ہوں گے، گویا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس میں بھی تثلیث کی سنّت کو جاری قرار دے رہے ہیں، یہ شوافع کے نزدیک جمع بین المضمضہ والاستنشاق کی ایک صورت ہے، جو کہ بہت مشکل ہے۔ علّامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ایک ایک مرتبہ کے وضو پر محمول ہے، لہٰذا ایک چلّو میں مضمضہ واستنشاق کو جمع کرنا ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھونے کی صورت میں ہے، اور دو چلّو میں جمع کرنا دو دو مرتبہ اعضاء کو دھونے کی صورت میں ہے، یہ نہیں کہ تین مرتبہ مضمضہ اور تین مرتبہ استنشاق کیا اور دیگر اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔ میری رائے میں علّامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو اختیار کیا ہے وہ اقرب الی الصواب ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو احناف کی طرح قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مضمضہ واستنشاق کو ایک چلّو میں جمع کریں تو جائز ہے، لیکن علاحدہ کرنا مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آپ سے زعفرانی کی روایت ہے، اور یہ روایت آپ کے عراق میں قیام کے دوران کی ہے جب آپ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرماتے تھے، لیکن شوافع کے نزدیک معتبر روایت وہ ہے جو آپ کے مصر لوٹنے کے بعد کی ہے۔

"كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ"......ایک قول کے مطابق "كَفَّةٌ" لغت میں "كَفٌّ" کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ "كُفَّةٌ" (بضم الکاف) باب نصر سے "فُعْلَةٌ" کے وزن پر اسم مرّۃ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ راوی کی غلطی ہے۔



٤٤ - بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ مَرَّةً

۱۹۲ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَتَوَضَّأَ لَهُمْ، فَكَفَأَ عَلَىٰ يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ بِهِمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ".

وَحَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: "مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً".

ترجمہ: عمرو بن ابی حسن نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے پانی کا ایک برتن منگوا کر لوگوں کے سامنے وضو کیا، آپ نے برتن جھکا کر اپنے دونوں ہاتھ پر پانی ڈال کر تین مرتبہ دھویا، پھر ہاتھ کے ذریعے برتن میں سے ایک مرتبہ پانی نکال کر تین چلّو سے تین دفعہ کلّی کی، ناک میں پانی ڈالا اور ناک صاف کیا، پھر برتن سے پانی نکال کر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر برتن سے پانی نکال کر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دو مرتبہ دھوئے، پھر برتن سے پانی نکال کر اپنے سر کا مسح کیا، بایں طور کہ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے لائے، پھر برتن سے پانی نکال کر اپنے دونوں پیر دھوئے۔''

راوی وہیب فرماتے ہیں کہ ''سر کا مسح ایک مرتبہ فرمایا۔''

  

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے اور شوافع کا مذہب ترک فرمایا۔ احناف کہتے ہیں کہ مسح میں اسباغ استیعاب کے ذریعے ہوگا، اس لیے کہ تین مرتبہ مسح کرنا مناسب نہیں۔

"مِنْ مَاءٍ"...... یہ مضمضہ و استنشاق کے لیے ایک ہی دفعہ پانی لینے کی صراحت ہے۔

"مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً"...... راوی نے بھی وہی سمجھا ہے جو احناف سمجھتے ہیں کہ اِقبال و اِدبار دونوں حرکت ہیں اور مسح ایک ہی ہے، راوی نے اسے تکرارِ مسح پر محمول نہیں کیا جیسا کہ شوافع سمجھے ہیں۔



٤٥ - بَابُ وُضُوءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ وَفَضْلِ وَضُوءِ الْمَرْأَةِ وَتَوَضَّأَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالْحَمِيمِ وَمِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ.

ترجمہ: یہ باب مَرد کے اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنے اور عورت کے بچے ہوئے وضو کے پانی سے وضو کرنے کے بیان میں ہے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی سے اور نصرانی عورت کے گھر کے پانی سے وضوفرمایا۔

مردوعورت کاایک برتن سے پاکی حاصل کرنااوران کے بچے ہوئے پانی کاحکم:

جان لیں کہ مَرداورعورت کاایک بَرتن سے پاکی حاصل کرنابالاجماع جائز ہے،اسی طرح عورت کامَرد کے بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرنا بھی بالاجماع جائز ہے، رہا مسئلہ مَرد کاعورت کے بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرنے کا تو جمہورمحدثین وائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے قائل ہیں،خواہ عورت نے اس پانی کوتنہا استعمال کیا ہو یانہ کیا ہو۔اورامام احمد وابوداود رحمہااللہ نے فرمایا ہے کہ اگرعورت نے پانی تنہائی میں استعمال کیا ہوتواس کا بچا ہواپانی مَردکواستعمال کرنا جائزنہیں ہے۔

علّامہ خطابی رحمۃاللہ علیہ نے بچے ہوئے پانی سے متعلّق ممانعت اور جواز کی احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ ممانعت والی احادیث میں بچے ہوئے پانی سے مُراداعضاء سے گرنے والا پانی ہے، جب کہ جواز والی احادیث میں وہ بچا ہواپانی مُراد ہے جوبرتن میں ہو۔جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعضاء سے گرنے والے پانی کواستعمال کرنے سے منع فرمایا اور برتن میں بچے ہوئے پانی کا استعمال مباح قراردیا،لہٰذادونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

دیگرحضرات کا کہنا ہے کہ دونوں حدیثوں میں مُراد بَرتن میں بچا ہواپانی ہی ہے،اورمنع اس وجہ سےفرمایا تا کہ شہوانی وساوس نہ آئیں۔لیکن اِن حضرات کی بات پر "وَلِيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا" سے اشکال ہوگا،کیوں کہ اگروسوسوں کی وجہ سےمنع کیاہوتاتوایک ساتھ چلّو بھرنے میں شہوانی وسوسے کاامکان زیادہ ہے بمقابلہ انفراد کے۔

اوربعض حضرات نے نہی کی احادیث کومکروہِ تنزیہی پرمحمول کیاہے،یہی درست ہے،مگراِن حضرات نے حدیث کی مُراد واضح نہیں فرمائی جوکہ بدیہی ہونے کے باوجودمشکل ہے،گویایہ (سہل ممتنع) آسان محال کے قبیل سے ہے، اللہ

تعالیٰ نے اس کی مُراد میرے لیے واضح فرمادی۔

لہٰذا جان لیں کہ غسل کے باب میں ممانعت دونوں جانب سے وارِد ہے، مثلاً ابوداود شریف میں ہے کہ ''نَهَى رسولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ أن تغتسلَ المرأةُ بفضلِ الرَّجلِ أو يغتسِلَ الرَّجلُ بفضلِ المرأةِ'' (سنن أبي داود، رقم:۸۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَردکوعورت کے بچے ہوئے پانی کے ذریعے غسل کرنے سے منع فرمایا، نیز عورت کو بھی مَرد کے بچے ہوئے پانی کے ذریعے غسل کرنے سے منع فرمایا۔ جب کہ وضو میں ممانعت صرف ایک جانب سے وارِد ہے کہ مَردکوعورت کے بچے ہوئے پانی سے منع فرمایا، حالانکہ میں نے اس کے برعکس بھی بعض روایات میں دیکھا ہے مگر محدثین نے اس کو معلل قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک اس کی علت طہارت کے پانی کو مائے مستعمل سے بچانا ہے، جیسا کہ میں پہلے بتاچکا کہ مائے مستعمال اگرچہ صاحب شریعت کے نزدیک نجس نہیں ہے، مگر اس سے احتیاط اور بچنا مطلوب ہے، تاکہ مائے مستعمل غسل کے پانی میں نہ گرے، ہماری فقہ میں یہی مذکور ہے، حتیٰ کہ اگر مائے مستعمل وضو کے پانی میں اِتنی مقدار میں گر جائے کہ وہ غالب آجائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں اور یہ پانی مطہر یعنی پاک کرنے والا نہ رہے گا۔

اور چوں کہ عورتیں عموماً صفائی ستھرائی کا خیال کم رکھتی ہیں اور پاکی حاصل کرنے میں احتیاط کم برتتی ہیں اس لیے بطورِ خاص مَردوں کو ممانعت فرمائی کہ وہ ان کے بچے ہوئے پانی کو استعمال نہ کریں۔ اگر اِس کا برعکس حکم بھی ثابت ہو جائے تو مَردوں کے بچے ہوئے پانی کی ممانعت عورتوں کی طبیعت کے تقاضے کے مطابق ہوگی، اس لیے کہ وہ مَردوں کوخود سے کم صاف ستھرا خیال کرتی ہیں، چنانچہ پہلی صورت میں نفس الامر میں واقع حقیقت کی رعایت ہے اور دوسری صورت میں عورتوں کے خیال کی رعایت ہے، تاکہ ان کے دلوں میں پانی کے استعمال کے متعلّق وسوسہ نہ رہے، کیوں کہ پاکی کے حصول میں وسوسہ نہ ہونا مطلوب ہے، لہٰذا یہ مناسب ہے کہ عورتوں کو بھی مَردوں کے باقی ماندہ پانی سے روکا جائے، تاکہ وسوسہ سِرے سے ختم ہوجائے اور کوئی شُبہ باقی نہ رہے۔ یہاں وساوس سے مُراد پانی کی طہارت وعدمِ طہارت کے وساوس ہیں، وساوسِ شہوانیہ مُراد نہیں ہیں۔

حاصل یہ کہ حدیث مَردوں اور عورتوں کی طبیعت کے مطابق وارِد ہوئی ہے، اگرچہ مَردوں کی طبیعت میں جو بات ہے وہ واقع کے مطابق ہے، جب کہ عورتوں کی طبیعت میں جو بات ہے وہ واقع کے خلاف ہے، مگر چوں کہ مقصود وساوِس کوختم کرنا تھا اس لیے عورتوں سے بحث کیے بغیر ان کی فطرت کی رعایت کی گئی، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ فطرت کوکون بدل سکتا ہے؟

البتہ ایسے وساوِس جو بے بنیاد ہوں ان کا شریعت نے بالکل اعتبار نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لیے ایک

ساتھ چلّو بھرنا مباح ہے، اس لیے کہ ایسے لوگ جو جھوٹا کھانا پینا ناپسند کرتے ہیں انھیں بھی ایک ساتھ چلّو بھرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا، آپ دیکھتے ہوں گے کہ ایک شخص کو آپ کا جھوٹا کھانا پسند نہیں ہے لیکن اسے آپ کے ساتھ مل کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ اِس کو جھوٹا کھانا نہیں سمجھتا، معلوم ہوا کہ اِس میں دخل جھوٹے کا ہے نہ کہ وساوس کا۔ اور مطلب یہ ہے کہ مَرد عورت کے لیے پانی کو جھوٹا نہ کرے اور نہ ہی عورت مَرد کے پانی کو جھوٹا کرے، جس طرح آپ اپنے محبوب کے لیے اپنا کھانا پینا جھوٹا نہیں کرتے اسی طرح شریعت کا مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کی طہارت کا پانی جھوٹا نہ کریں۔

چنانچہ یہ حدیث حسنِ آداب اور اوہام کے سدباب کے لیے ہے۔ اور سب سے پہلے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے میرا ذہن اس طرف گیا کہ آپ نے اولاً بلّی کے جھوٹے کا باب قائم فرمایا، پھر کتّے کے جھوٹے کا، پھر انسانوں کے جھوٹے کا، اور اس کے تحت آپ نے حدیث کی تخریج فرمائی جس میں مَرد کو عورت کے باقی ماندہ پانی سے غسل کی ممانعت ہے، نیز عورت کو بھی یہ ممانعت ہے، گویا آپ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا کہ ان احادیث میں مُراد جھوٹا ہوجانا اور جھوٹا کردینا ہے، وساوسِ شہوانیہ مُراد نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے خیر کا فیصلہ فرمائیں، آپ کی نظر کس قدر دقیق تھی۔

اور ہماری اس بات پر دلیل حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی ہے کہ ''أنَّ أمَّ سلَمةَ سُئِلَت: أتغتسِلُ المرأةُ معَ الرَّجلِ؟ قالَت: نعَم إذا كانت كيِّسةً'' (سنن النسائي، رقم: ۲۳۷) ''آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا عورت مَرد کے ساتھ غسل کرسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، بشرطیکہ عورت سمجھ دار ہو۔'' آپ نے اشارہ فرمایا کہ اس میں معاملہ سمجھداری ہونے نہ ہونے کا ہے، چوں کہ مَرد سمجھدار ہوتا ہے اس لیے اس کے وضو سے بچے ہوئے پانی کا استعمال ممنوع نہیں ہے، جب کہ عورتیں عامۃً سمجھدار نہیں ہوتیں، لیکن اگر سمجھدار ہوگی تو وہ پانی کے آداب اور اس کی حفاظت سے واقف ہوگی، بایں صورت اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مَرد کے ساتھ غسل کرے۔

اگر سوال ہو کہ جب بات ایسی ہی ہے تو پھر عورتوں کو مَردوں کے بچے ہوئے پانی کے ذریعے غسل کرنے سے کیوں منع کیا گیا؟ میں جواباً کہوں گا کہ غسل میں مَردوں سے بھی پانی کے قطرات ٹپک ہی جاتے ہیں، کیوں کہ غسل میں پانی زیادہ استعمال ہوتا ہے اور پورے بدن کو دھونا ہوتا ہے، اور اُس زمانے میں برتن بھی بڑے ہوتے تھے، جن میں مَردوں کے لیے بھی پانی کو بچانا مشکل ہوتا ہے، اسی وجہ سے غسل کے بارے میں جانبین سے ممانعت ہے۔

اس پر اگر یہ سوال ہو کہ تب تو مَرد کو بھی مَرد کے بچے ہوئے پانی کے ذریعے غسل کرنے سے منع کیا جانا چاہیے تھا، زوجین ہی کو خصوصاً کیوں روکا گیا؟ حالانکہ علت دونوں کو شامل ہے۔ میں جواب دوں گا کہ زوجین کے درمیان دوسروں

کے مقابلے میں غسل کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔

اور وضو والی حدیث میں عورت سے مُراد وہ عورت ہے جو مَرد کے گھر میں ہو، دو عورتوں کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا، اس لیے کہ عورتیں اپنے عادت کے مطابق ہی کرتی ہیں۔

بچے ہوئے پانی کے استعمال کی چھ صورتیں بنتی ہیں:

حاصل یہ کہ یہاں کل چھ اقسام ہیں: مَرد کے بچے ہوئے پانی کو عورت کا استعمال کرنا اور اس کے برعکس، ہم جنس کا بچا ہوا پانی آپس میں استعمال کرنا، اور اِن میں سے ہر ایک یا تو وضو میں استعمال ہوگا یا غسل میں، جن میں سے چار صورتوں کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں، اگرچہ ان میں سے ایک کو محدثین نے معلل قرار دیا ہے جیسا کہ گزرا، اور دو صورتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں احادیث وارد نہیں ہیں، اس کی وجہ ہم بیان کر چکے، حاصل کلام یہ کہ حدیث کا وساوسِ شہوانیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ حدیث جھوٹے کے بارے میں لوگوں کے مزاج کی رعایت میں وارِد ہے، اس سلسلے میں ممانعت ایسی ہی ہے جیسے میّت کو غسل دینے کی وجہ سے غسل کا حکم ہے، نیز میّت کو اٹھانے کی وجہ سے وضو کا حکم ہے۔ اور یہاں ''فضل'' سے مُراد وہ پانی ہے جو برتن میں بچا ہوا ہو، اعضاء سے گرنے والا نہیں جیسا کہ علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پیروی کی ہے۔

"بِالحَمِيْمِ"...... عبارت کے ظاہر سے لگتا ہے کہ یہ دو واقعات ہیں: ایک گرم پانی کے استعمال کا، اور دوسرا نصرانیہ عورت کا پانی استعمال کرنا۔ حالانکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو مکہ میں پیش آیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لائے تو قضائے حاجت کے بعد آپ نے پانی طلب کیا اور ایک نصرانیہ کے گھر سے گرم پانی کے ذریعے وضو فرمایا، اور ظاہر ہے کہ پانی جب اس نصرانیہ کے گھر سے لایا گیا تو اس کا ہاتھ بھی پانی میں لگا ہوگا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پانی اس کا بچا ہوا ہو، اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وضو فرمایا، جس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مَرد کے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول ہے کہ آپ قریبی احتمالات کا بھی اعتبار کرتے ہیں، اس لیے کہ جب آپ نے خود پر حدیث کے باب میں سختی برتی ہے اور مسائل کی تخریج اور تراجم میں فقہی تفصیل کا بھی ارادہ ہے تو آپ کے لیے ضروری ہوگیا کہ ایسے اشارات اور طرقِ استدلال میں وسعت سے کام لیں۔

---

۱۹۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: "كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جَمِيعًا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ کے زمانے میں مرد اور عورتیں ایک ساتھ وضو کرتے تھے۔"



لفظ "جمیعاً" کی تحقیق:

"جَمِيْعًا"...... علّامہ سیرافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ "كُلُّهُمْ" اور "مَعًا" کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، پہلا معنیٰ استغراق کا ہے اور دوسرا معیت زمانیہ کا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ لفظ کبھی دوسرے معنیٰ اجتماع اور معیت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اور یہی یہاں مناسب ہے، کیوں کہ مردوں اور عورتوں کے مطلقاً غسل کرنے کا ذکر اہم نہیں ہے، بلکہ دونوں کے ایک ساتھ غسل کو بیان کرنا مفید ہے۔

امام ومقتدی کے ارکان میں مقارنت ضروری ہے یا تعقیب؟

ایک چیز سے دوسری چیز یاد آجاتی ہے کہ ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تمام ارکانِ نماز میں امام کے ساتھ مقتدی کی مقارنت کو ضروری قرار دیتے ہیں، حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، سوائے تکبیر تحریمہ اور سلام پھیرنے کے، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آمین کے علاوہ دیگر تمام ارکان میں تعقیب (مقتدی کا امام کے بعد رکن ادا کرنا) کے قائل ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اقتدا والی احادیث کو دلیل بنایا ہے جن میں فاء ہے، مثلاً "إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا...الخ" یہ فاء شوافع کے نزدیک تعقیب کے معنیٰ میں ہے، لہٰذا تمام ارکان میں ان کے نزدیک تعقیب لازم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ "شرح التسہیل" میں ہے کہ فائے جزائیہ کے بارے میں دو قول ہیں: تعقیب اور مقارنت، اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی فاء درست ہوگی۔ پھر میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ تعقیب کبھی ذاتی ہوتی ہے، اور بعدیت ذاتیہ کا اہل لغت نے بھی اعتبار کیا ہے، مقارنت زمانیہ اس کے منافی نہیں ہے، چنانچہ یہ فاء میرے نزدیک تعقیب ذاتی اور مقارنت زمانیہ کے لیے ہے۔

اور امام ومقتدی کے ارکان کے درمیان ذاتی طور پر تقدّم وتاخر ضروری ہے، اور مقارنت سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد یہ ہے کہ جس وقت امام رُکن میں جائے مقتدی بھی اس وقت رُکن میں جائے، مقتدی انتظار نہ کرے کہ امام کا رُکن

پورا ہو، لہٰذا مقتدی امام کے ساتھ رکوع کرے گا، یہ نہیں کہ وہ امام کا انتظار کرے کہ جب اس کا رکوع مکمّل ہو پھر رکوع میں جائے، اور یہ بات بدیہی ہے کہ ذاتی طور پر مقتدی کا رکوع امام کے بعد ہوگا، اگر چہ مقتدی ایک ساتھ رکوع کرنا چاہے، کیوں کہ امام کا رکوع مقتدی کے لیے علت کی طرح ہے، اور جماعت میں میرے نزدیک یہی ملحوظ ہے، اس لیے کہ جماعت کا ظاہری تقاضا یہی ہے کہ ان کی تمام نقل وحرکت ایک ہو، ان کی نماز ایک ہو، قرأت ایک ہو۔ ہم عن قریب اس کی مزید تفصیل چند مواقع میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔



٤٦ - بَابُ صَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَضُوءَهُ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ

١٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي وَأَنَا مَرِيضٌ لَا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ، وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! لِمَنِ الْمِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ. فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا باقی ماندہ پانی بے ہوش شخص پر بہایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کو آئے اس حال میں کہ میں بیمار تھا کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنے وضو کا باقی ماندہ پانی مجھ پر بہایا، جس سے میں ہوش میں آیا، پھر میں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! میرا وارث کون بنے گا؟ میرے مسئلے میں تو کلالہ کی صورت پیش آتی ہے، چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی۔



شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا مائے مستعمل کا مسئلہ بیان کرنا ہے۔



٤٧ - بَابُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ وَالْحِجَارَةِ

١٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ، سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ إِلٰى أَهْلِهِ وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، قُلْنَا: "كَمْ كُنْتُمْ؟" قَالَ: "ثَمَانِينَ وَزِيَادَةً".

ترجمہ: یہ باب لگن، پیالے، لکڑی اور پتھر کے برتن میں غسل اور وضو کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نماز کا وقت ہوا تو جن کے گھر (مسجد سے) قریب تھے وہ (وضو کے لیے) گھر چلے گئے اور کچھ لوگ رہ گئے، (جن کے گھر دور تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پتھر سے بنا ایک لگن لایا گیا جس میں پانی تھا، وہ اتنا چھوٹا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں اپنی ہتھیلی پھیلا نہیں سکتے تھے، چنانچہ تمام لوگوں نے اس سے وضو کیا، ہم نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے) پوچھا کہ تم کتنے لوگ تھے؟ فرمایا: اسّی سے زیادہ۔''

١٩٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ".

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالے میں پانی منگوایا، پھر اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ اس میں دھویا اور اس میں کلّی فرمائی۔''

١٩٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ

يَحْيَىٰ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّأَ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، ہم نے آپ کے لیے پیتل کے ایک برتن میں پانی نکالا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوفرمایا، آپ نے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور دونوں ہاتھ کو دو دو مرتبہ دھویا، اور اپنے سر پر مسح فرمایا، جس میں ہاتھ آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کی جانب لائے، اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔''



"المِخْضَبِ وَالقَدَحِ"...... یہ برتنوں کی شکل بیان کرنے کے لیے ہے۔

"وَالخَشَبِ وَالحِجَارَةِ"...... یہ دونوں برتنوں کے مادّے کا بیان ہے۔

"أَتىٰ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ"......اس میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے تھے اور وضوفرمایا تھا، لہٰذا یہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے ایک جزوی واقعہ تھا، جس میں یہ صراحت ہے کہ دونوں کہنیوں تک ہاتھ دو مرتبہ دھوئے، لیکن پہنچوں تک تین مرتبہ دھونے کے بارے میں تمام روایات متفق ہیں۔

١٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ، اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ، بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ آخَرَ. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: "فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: "أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: "هُوَ عَلِيٌّ". وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَعْدَمَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ: "هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ". وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا: أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ. ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت بیماری سے بوجھل ہوگئی اور تکلیف بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے یہ اجازت چاہی کہ آپ بیماری کے ایام میرے حجرے میں گزاریں، تو ازواجِ مطہرات نے اجازت دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے نکلے اس حال میں کہ آپ کے پیر مبارک زمین کے ساتھ گھسٹتے جا رہے تھے، (سہارا دینے والے) ایک شخص حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے ایک شخص تھے، راوی حضرت عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خبر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے بیان کی تو آپ نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہو کہ وہ دوسرے شخص کون تھے؟ میں نے عرض کیا: نہیں، تو فرمایا: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہونے کے بعد جب آپ کی تکلیف بڑھ گئی تو فرمایا کہ ''مجھ پر سات ایسے مشکیزے پانی بہاؤ جن کے تسمے نہ کھولے گئے ہوں، تا کہ میں لوگوں سے عہد و پیمان لے سکوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لگن میں بٹھایا گیا، پھر ہم اُن مشکیزوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی بہانے لگیں، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اشارے سے یہ فرمانے لگے کہ بس، تم نے کام کرلیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔''



"اسْتَأْذَنَ"[1]...... اجازت اس لیے لی کہ تقسیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھی، یا ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کے لیے استحباباً اجازت لی۔

"بَيْنَ رَجُلَيْنِ"......دوسرے شخص کی تعیین کے بارے میں اختلاف ہے، اس کے مبہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باری باری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک پکڑتے تھے، کبھی یہ صحابی، کبھی وہ صحابی، اور چوں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اس لیے آپ ہمیشہ ہاتھ پکڑتے تھے، یہ علّامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متعدد واقعات پر محمول کیا ہے۔

"سَبْعِ قِرَابٍ"...... کتب سیر میں مذکور ہے کہ یہ سات مشکیزے سات الگ الگ کنوؤں سے بھرے گئے تھے، ہو سکتا ہے کہ سات کے عدد اور ان کے تسمے نہ کھولنے کا شفایابی میں کوئی دخل ہو، جیسا کہ عملیات اور تعویذات میں اس طرح کی شرائط زیادہ ہوتی ہیں۔

"ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ" ......آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نکلنا میرے نزدیک عشاء کے وقت تھا۔

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں اس باب کی تشریحات سبقت قلم سے اس کے بعد والے باب میں ذکر ہوگئی ہیں، اس لیے یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مرض الوفات میں آپ ﷺ کی نمازوں کی تعداد، آپ کا مسجد کے لیے نکلنا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے خلاف اس کی تحقیق

جان لیں کہ مرض الوفات میں نبی کریم ﷺ کتنے دِنوں تک مسجد میں تشریف نہیں لا سکے اس میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ تین دِن تک نہیں آسکے، اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے اور علّامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں آپ کے تابع ہیں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانچ دِن تک آپ مسجد میں تشریف نہیں لا سکے اور اسی کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ شاید حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کسور یعنی دِن کے حصے کو بھی مستقل دِن شمار کیا ہے، شاید ان کے نزدیک غیبوبت کی ابتدا پنج شنبہ سے ہوئی، اِس صورت میں اگر اُس دِن کو سہ شنبہ کے ساتھ شمار کریں تو پانچ دِن ہوں گے، اور جو حضرات تین دِنوں کے قائل ہیں انھوں نے پورے دِن کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ اختلاف ختم ہوگیا۔

پھر اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ ان دِنوں میں کسی ایک نماز کے لیے نکلے تھے، جو شاید شنبہ یا یک شنبہ کی ظہر تھی، اس لیے کہ جب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مختار قول کے مطابق آپ ﷺ پنج شنبہ کی عشاء سے تشریف نہیں لا سکے تو یہ نماز اُس دِن کی ظہر یا جمعہ کی نہیں ہوسکتی، اور آپ ﷺ کی وفات سہ شنبہ کو ہوئی ہے، جس سے یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ نماز شنبہ یا یک شنبہ کی ظہر ہے، تعجب کی بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی فرمائی ہے، حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اگرچہ آپ ﷺ کی ایک نماز میں شرکت کے قائل ہیں مگر وہ آپ کے نزدیک فجر کی نماز ہے، جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کی نماز ہے۔

مجھے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ غیبوبت کے بعد چار نمازوں میں تشریف لائے ہیں، پہلی نماز عشاء کی تھی جس رات آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی، جیسا کہ اِس باب کی روایت میں ہے، کیوں کہ اولاً آپ مسجد تشریف نہیں لے جاسکے، پھر آپ نے کچھ تخفیف محسوس فرمائی تو مسجد تشریف لے گئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا کر خطبہ دیا، جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے: "قَالَتْ: "وَخَرَجَ إِلَى النَّاسِ، فَصَلّٰى بِهِمْ وَخَطَبَهُمْ". حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے نکلنے کا ارادہ فرمایا لیکن آپ نہیں نکل سکے۔

دوسری نماز جس میں آپ ﷺ تشریف لائے وہ ظہر کی نماز تھی، جس کا اعتراف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے۔

تیسری نماز مغرب کی تھی، جیسا کہ ترمذی کے باب القراۃ بعد المغرب میں حضرت اُمّ فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

فرماتی ہیں کہ ''خرجَ إلَينا رسولُ اللّهِ صلَّى اللّهُ علَيهِ وسلَّمَ وَهوَ عاصبٌ رأسَهُ في مرضِهِ فصلَّى المغربَ، فقرأَ بالمرسَلاتِ، فَما صلَّاها بعدُ حتَّى لقيَ اللَّهَ عزَّ وجلَّ'' (سنن الترمذي، رقم: ۳۰۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ مرض الوفات میں آپ کے سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی، پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی جس میں سورۂ مرسلات پڑھی، پھر آپ وفات تک کوئی نماز نہیں پڑھ سکے، یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے گھر میں دوسری جگہ تشریف لے گئے، مسجد کی جانب تشریف نہیں لے گئے۔

چوتھی نماز اُس دِن کی فجر ہے جس دِن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے، جیسا کہ ''مغازی موسیٰ بن عقبہ'' میں ہے، یہ ایک کم عمر تابعی ہیں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کی دوسری رکعت میں تشریف لائے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے آپ نے یہ نماز پڑھی، البتہ بخاری شریف کے ظاہری الفاظ اس کے خلاف ہیں، مگر میں نے دونوں کو بایں طور جمع کیا کہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرۂ مبارکہ سے اقتدا فرمائی تھی اور اولاً مسجد میں تشریف نہیں لے جاسکے۔

الغرض یہ چار نمازیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے غیبوبت کے بعد شرکت فرمائی، اور مجھے کسی بھی دِن میں عصر کی نماز کی شرکت کے بارے میں کوئی روایت نہیں مل سکی، نیز اس نماز میں ترتیب بھی نہیں مل سکی، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات میں تین نمازیں پڑھی ہیں اور میں نے اس میں چوتھی نماز کا اضافہ کیا ہے جو مغرب کی ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے کہ ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعدد نمازوں کے لیے تشریف لائے تھے، حتیٰ کہ ضیاء، ابن ناصر اور ابن حبان رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد نمازوں کے لیے تشریف لانے کا منکر ہو وہ علم حدیث سے ناواقف ہے۔

پھر جان لیں کہ میں نے اس کی خوب تفتیش کی ہے، اس لیے کہ یہ قرأۃ خلف الامام کے مسئلے میں ہمارے لیے مؤید ہے، اس لیے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہری نماز میں مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے قرأۃ وہاں سے شروع فرمائی جہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باقی چھوڑی تھی، اور اِس صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سورۂ فاتحہ مکمّل یا بعض حصّہ چھوٹ گیا ہوگا، اگر فاتحہ رکن صلوٰۃ ہوتو العیاذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز مکمّل نہ ہوگی، تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پڑھی ہوئی آخری نماز ہے جو احناف کا مستدل ہے، اس پر اطلاع صرف ابن سیّد

الناس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرحِ ترمذی میں ذکر فرمائی ہے، مگر انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دوسرا اشکال بھی درپیش ہے کہ جب ان کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز ہی میں تشریف لائے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاں سے قرأۃ چھوڑی وہاں سے شروع کیسے فرما سکتے ہیں؟ اس کی تاویل انھوں نے یہ فرمائی کہ شاید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس نماز میں ایک آیت جہراً پڑھی ہوگی، جب کہ ہمارے اختیار کردہ موقف میں اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ عشاء کی نماز کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا ثابت ہے جو جہری نماز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کے قصے کے متعلّق طحاوی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَىٰ بَيْنَ رَجُلَيْنِ. فَلَمَّا أَحَسَّهُ أَبُو بَكْرٍ سَبَّحُوا بِهِ، فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَأَخَّرُ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ مَكَانَكَ. فَاسْتَتَمَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ حَيْثُ انْتَهَىٰ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنَ الْقِرَاءَةِ". (شرح معاني الآثار / الرقم: ۲۳۵۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ تخفیف محسوس فرمائی تو آدمیوں کے سہارے آپ حجرے سے باہر تشریف لائے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تسبیح پڑھ کر اشارہ کیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارے سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں سے قرأت کی تکمیل فرمائی جہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرأۃ باقی چھوڑی تھی۔'' اس کو ابن ماجہ، دارقطنی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں، ابن الجارود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی المنتقیٰ میں، ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں، علّامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے الطبقات میں اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار نمازوں کے لیے تشریف لائے تھے، جن میں سے فجر اور مغرب کی نماز بھی ہے، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طحاوی کی روایت میں مذکورہ قصّہ اِن ہی دو نمازوں میں سے کسی ایک سے متعلّق ہے، اور اِس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرأت وہاں سے شروع فرمائی جہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرأت باقی چھوڑی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ فاتحہ مکمّل یا بعض حصّہ نہیں پا سکے، پھر آپ کی نماز صحیح ہوگئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قرأت آپ کے لیے کافی ہوگئی، تو اگر سورۂ فاتحہ رکن صلوٰۃ ہوتی تو اس کے بغیر نماز ہی صحیح نہ ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس نماز سے صرفِ نظر کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس کے متعلّق میں نے اپنے فارسی رسالے ''خاتمۃ الخطاب فی فاتحۃ الکتاب'' میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ماجہ کی مذکورہ روایت کو جو کہ طحاوی میں بھی ہے حسن قرار دیا ہے، اور میں نے اس پر

صحت کا حکم لگا کر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا، تو اس پر ایک عمل بالحدیث کے مدّعی نے مجھ پر اعتراض کر دیا کہ یہ نسبت خلافِ واقعہ ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر صحت کا حکم نہیں لگایا، تو میں نے ان کو جواب دیا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دو جگہ ذکر فرمایا ہے، چنانچہ جلد دوم میں حسن قرار دیا ہے اور جلد ششم میں صحیح قرار دیا ہے۔



٤٨ - بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ التَّوْرِ

حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "كَانَ عَمِّي يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوءِ، قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَخْبِرْنِي كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟" فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَكَفَأَ عَلَىٰ يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاغْتَرَفَ بِهَا فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً، فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَدْبَرَ بِهٖ وَأَقْبَلَ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ، فَقَالَ: "هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ".

ترجمہ: یہ باب چھوٹے بَرتن سے وضو کرنے کے بیان میں ہے۔

عمرو بن یحییٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ''میرے چچا بہ کثرت وضو کیا کرتے تھے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ''کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح وضو کرتے دیکھا ہے؟ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پانی کا ایک چھوٹا بَرتن منگوایا، اسے اپنے دونوں ہاتھ پر جھکا کر پانی نکالا، پھر دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور ایک چلّو سے تین مرتبہ کلّی کر کے ناک صاف کیا، پھر اپنا ہاتھ بَرتن میں ڈال کر چلّو بھرا اور اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں سمیت دو مرتبہ دھوئے، پھر ہاتھ سے پانی لے کر اپنے سَر کا مسح کیا، بایں طور کہ ہاتھ کو پیچھے سے آگے کی جانب اور آگے سے پیچھے کی جانب پھیرا، پھر اپنے دونوں پیر دھو کر فرمایا: ''میں نے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

۲۰۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ، فَأُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ، فَوَضَعَ أَصَابِعَهُ فِيهِ،

قَالَ أَنَسٌ: "فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى الْمَاءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنَ أَصَابِعِهِ"، قَالَ أَنَسٌ: "فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّأَ مَا بَيْنَ السَّبْعِينَ إِلَى الثَّمَانِينَ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن پانی منگوایا، تو ایک پیالہ لایا گیا جس میں کچھ پانی تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنی انگلیاں رکھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی پھوٹتا ہوا دیکھ رہا تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے وضو کرنے والوں کا اندازہ لگایا کہ وہ ستر سے اسّی افراد تھے۔“



٤٩ - بَابُ الْوُضُوءِ بِالْمُدِّ

٢٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ، أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ، وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ".

ترجمہ: یہ باب مُد سے وضو کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے غسل فرماتے تھے اور ایک مُد پانی سے وضو فرماتے تھے۔''



مُد اور صاع کی مقدار:

جان لیں کہ اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے، لیکن مُد کی مقدار میں اختلاف ہے، چنانچہ اہل عراق فرماتے ہیں کہ ایک مُد دو رطل کا ہوتا ہے اور اہل حجاز فرماتے ہیں کہ ایک مُد ایک رطل اور ایک تہائی کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے اہل عراق کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوگا اور اہل حجاز کے نزدیک پانچ رطل اور ایک تہائی کا ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ اہل عراق کے صاع کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، اس لیے کہ عہد نبوی میں بھی وہ یقیناً مستعمل تھا، کیوں کہ متعدد طرق سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مُد پانی سے وضو فرماتے تھے، پھر امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رطل کے برابر برتن سے وضو فرماتے تھے۔۔۔۔۔۔الخ، اس روایت میں شریک راوی ہیں، ان سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے، اور نسائی شریف میں موسیٰ جہنی سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ''أُتِيَ مجاهدٌ بقدحٍ حزرته ثمانيةَ أرطالٍ فقالَ حدَّثتني عائشةُ أنَّ رسولَ اللَّهِ، كانَ يغتسلُ بمثلِ هَذا'' (سنن النسائي، رقم:٢٢٦) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ایک پیالہ لے کر آئے جو میرے اندازے سے آٹھ

رطل کا تھا، پھر فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس کے مانند برتن سے غسل فرماتے تھے۔ نیز طحاوی شریف میں ابراہیم سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاع کو ناپا تو وہ صاعِ حجاجی تھا، اور صاعِ حجاجی ان حضرات کے نزدیک آٹھ رطل کا تھا۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہمارے صاع کو ذکر کیا تو اسے ''حجاجی'' کہا، ''فاروقی'' نہیں کہا، حالانکہ حجاج نے اپنا صاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاع کے مطابق بنایا تھا اور حجاج کو اس پر فخر بھی تھا، اور یہی صاع حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، لہٰذا اِس صاع کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چلی آرہی ہے، حجاج نے تو اسے صرف مشہور کیا، اس نے خود ایجاد نہیں کیا تھا۔ اور جن حضرات نے اِس صاع کے صاعِ عمری ہونے سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو مُراد لیا ہے یہ بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ ہمارا صاع عہد نبوی سے اس طرح ثابت ہے کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

اِس باب میں اور بھی دیگر روایات ہیں جو ہمارے مذہب کی دلیل ہیں، مگر ہمارا ارادہ ان تمام کو بیان کرنا نہیں ہے، اس لیے کہ احناف کے صاع کا انکار کرنے کی کسی کو گنجائش نہیں ہے۔ علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے، مگر آپ نے فرمایا ہے کہ وضو اور غسل میں صاع آٹھ رطل کا ہے، اور صدقۃ الفطر میں پانچ رطل اور ایک تہائی کا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مواقع میں آٹھ رطل کا اعتبار کیا جائے۔

پھر جان لیں کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ ''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، صَاعُنَا أَصْغَرُ الصِّيعَانِ، وَمُدُّنَا أَصْغَرُ الْأَمْدَادِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي قَلِيلِنَا وَكَثِيرِنَا، وَاجْعَلْ لَنَا مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ'' (صحيح ابن حبان، رقم: ٣٢٨٤) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہمارا صاع سب سے چھوٹا ہے اور مُد سب سے بڑا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما۔''

بظاہر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اِس سوال کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، کیوں کہ صاع کا چھوٹا ہونا اور مُد کا بڑا ہونا کوئی شکایت کی بات تو ہے نہیں، مجھے اولاً اس حدیث کی مُراد سمجھنے میں تردّد تھا، حتیٰ کہ میں نے مؤطا امام مالک میں ظہار کے بیان میں ایک عبارت دیکھی، جس سے مُراد واضح ہوگئی، اس سے میں نے یہ اخذ کیا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مُد ایک شخص کے غلے کے اعتبار سے تھا، اور مُد ان کے کھانے پینے کی اشیاء کا پیمانہ تھا جو اُن کے گھروں میں استعمال ہوتا تھا، جب کہ صاع ان حضرات کے یہاں آپسی تجارت میں استعمال ہوتا تھا، اور جب کثیر مقدار میں کھانا

پکایا جاتا ہے تو ہمارے زمانے میں بھی پیمانوں سے ناپ کر پکاتے ہیں۔ اب اِس صورت میں حضرات صحابۂ کرام کے اِس سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ مُد جس کو ہم اپنے گھروں میں کھانے وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں وہ بڑا ہے، جب کہ صاع جس سے تجارت ہوتی ہے وہ چھوٹا ہے، گویا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مال کم اور خرچ زیادہ ہونے کی شکایت کی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی کہ اے اللہ! تو ہمیں مُد اور صاع میں برکت عطا فرما۔ دیگر حضرات نے اسے معنوی برکت پر محمول کیا ہے، جب کہ میں نے حسی برکت پر بھی محمول کیا، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صاع کا نام باقی رہتے ہوئے وہ آٹھ رطل کا ہوگیا، اور شاید اس کی قیمت بھی بڑھ گئی، لہٰذا وزن میں اضافے کے باوجود نام اور قیمت کا باقی رہنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا نتیجہ ہے، چنانچہ ہمارا صاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے ثمرات میں سے ہے۔

لیکن یہ صاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیادہ رواج پایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اشیاء کی فراوانی ہوچکی تھی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اتنی فراوانی نہیں تھی۔

اور اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں صاع متعدد تھے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ عراقی اور حجازی دونوں صاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں رائج تھے، اگر چہ ایک کا استعمال دوسرے کے مقابلے میں کم تھا، اس سے متفق علیہ مقدّمے کی اصل بھی ٹوٹ جاتی ہے، اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُد صاع کا چوتھائی حصّہ نہیں ہے، چنانچہ مُد بھی مختلف ہوئے، اور اِس صورت میں سب سے بڑا مُد سب سے چھوٹے صاع کا چوتھائی حصّہ نہیں ہوگا، پھر سورۂ یوسف میں جس ''صواع'' کا ذکر ہے وہ اور صاع دونوں ایک ہی ہیں، حالانکہ صواع شوافع کے صاع سے بڑا ہوتا ہے، پنجاب میں ایک پیمانے کو ''جہا'' کہتے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ وہ صاع کا ایک دوسرا پیمانہ ''کروہ'' ہے، جو شاید لفظ ''کُر'' سے بنا ہے۔ اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اِس زمانے میں اِن پیمانوں کے دستیاب نہ ہونے اور تعامل میں نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ان کی مقدار معلوم کرنے میں پریشانی ہوتی ہے، اس لیے ہم نے صرف ان پیمانوں کے نام سے بحث کی ہے، اور یہی حال ان تمام چیزوں کا ہوتا ہے جو لوگوں میں دستیاب نہیں ہوتیں۔

صاحب قاموس نے اس کی تعداد بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ مُد وہ پیمانہ ہے جو متوسط شخص کی ایک لپ کے برابر ہو، اور صاع اسی طرح چار لپ کے برابر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر مقصود شوافع کے مذہب کے مطابق حساب کو بیان کرنا ہے تو حنفیہ کے مذہب کے مطابق بھی یہ حساب درست ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ان کا صاع اگر چار لپ میں مکمّل ہوتا ہے تو ہمارا صاع چھ لپ میں مکمّل ہوگا۔

اور صاحب قاموس جس طرح لغت کے عالم ہیں اسی طرح حافظ حدیث بھی ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے چار سوسطریں سنیں اور اسی وقت وہ یاد بھی کر لیں، آپ نے ''القاموس'' یمن میں تصنیف فرمائی، آپ شافعی المسلک ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد بھی ہیں، مگر کبھی کبھی اپنے مذہب کی حمایت میں حد پار کر لیتے ہیں، آپ کا ایک فارسی رسالہ بھی ہے جس کا نام ''نورِ سعادت'' ہے، اس میں انھوں نے کچھ ایسی روایات ذکر کی ہیں جن کی محدثین کے نزدیک کوئی اصل نہیں، نیز اسی طرح کبھی وہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نام ذکر کرتے ہیں، حالانکہ اُس نام کی کوئی اصل نہیں ہوتی، اس سے ان کا مقصود صرف تعداد بڑھانا ہوتا ہے، جیسا کہ انھوں نے تشہد میں انگلی اٹھانے کے مسئلے میں یہی کیا ہے، کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ تعداد جو انھوں نے ذکر کی ہے ثابت ہی نہیں ہے، اسی طرح انھوں نے رفع یدین کے مسئلے میں بھی کیا ہے کہ کئی جماعتوں کو شمار کروایا ہے، حالانکہ یہ بالکل خلافِ واقع ہے۔ جیسا کہ عن قریب ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جو طحاوی، ابوداود اور نسائی میں مروی ہیں، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ذہین تھے، اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ حنبلی المسلک ہیں جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے راوی ہیں، جیسا کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ احناف کی فقہ بیان فرماتے ہیں، اور جن حضرات نے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا شمار شوافع میں کیا ہے اُن کا مقصد صرف تعداد بڑھانا ہے، آپ بلا شُبہ حنبلی المسلک ہیں، اسے خوب یاد رکھیں۔

پھر جان لیں کہ یہ ابن جبر جو اِس حدیث میں بخاری کی سند میں مذکور ہیں وہی مُد کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ مُد امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو رطل کا ہے، حالانکہ وضو میں پانی کی تحدید کے متعلّق ائمہ سے کچھ بھی مروی نہیں ہے، سوائے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو وضو کے درمیان ایک وضو فرماتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی اتباع میں اس کی ایک مُد سے تحدید فرمائی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام ذکر نہیں کیا اور پہلو تہی کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ رہی بات غسل میں پانچ مُد کی تو ایک قول یہ ہے کہ ایک مُد پانی وضو کے لیے اور چار مُد غسل کے لیے ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ پانچ مُد پانی غسل کے لیے ہے، مگر جب پانی صاع سے لیا جائے تو وہ پانچ مُد تک ہوگا۔

علمائے ہند نے اس کی مقدار یہ بیان کی ہے کہ صاع دو سو ستر تولے کا ہے، اس سلسلے میں ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ''المحلیٰ'' میں کچھ لکھا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ خلافِ واقع ہے۔ اور اَوزان کے بارے میں مُلّا مبین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے لیکن وہ نادر الوجود ہے، اور ایک دوسرا رسالہ مخدوم ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جس کو میں نے دیکھا تو اس میں اسی طرح پایا۔ اور مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ سے سونے اور چاندی کے نصاب میں غلطی ہوئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اطباء کے

نزدیک جو احمر ہے اس کا اعتبار کیا ہے، جو چار جو کا ہوتا ہے، حالانکہ درحقیقت وہ تین جو کا ہوتا ہے، اس میں صحیح تحقیق وہی ہے جو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ علّامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے صاع کا وزن بیان کرتے ہوئے یہ شعر ذکر کیا ہے:

صاعِ کوفی ہست اے مردِ فہیم! دو صد ہفتاد تولہ مستقیم
باز دینارے کہ دارد اعتبار وزاں از ماشہ داں نیم و چہار

ترجمہ: اے سمجھ دار! صاعِ کوفی دوسو ستر تولے کا ہوتا ہے، پھر وہ دینار جو معتبر ہے ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔

میں نے اس میں مزید دو شعر کا اضافہ کر کے کہا:

درہم شرعی ازیں مسکین شنو! کاں سہ ماشہ ہست یک سرخہ دو جو
سرخہ سہ جو ہست لیکن باو کم ہشت سرخہ ماشہ اے صاحب کرم!

ترجمہ: اِس مسکین کی جانب سے درہم شرعی کا وزن سن لو! وہ تین ماشہ، ایک سرخہ دو جو کا ہوتا ہے، سرخہ تین جو کا ہوتا ہے، لیکن اس سے کچھ کم ہوگا، آٹھ سرخہ کا ماشہ ہوتا ہے اے مہربان!



٥٠ - بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

۲۰۲ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الْمِصْرِيُّ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرٌو: حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ". وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: "نَعَمْ، إِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ".

وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: أَخْبَرَنِي أَبُو النَّضْرِ: أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ سَعْدًا حَدَّثَهُ، فَقَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ اللهِ: نَحْوَهُ".

ترجمہ: یہ باب مسح علی الخفین کے بیان میں ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفین پر مسح فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے متعلّق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں، جب تمھارے سامنے حضرت سعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات نقل فرمائیں تو پھر آپ کے سوا کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اور موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوالنضر نے بیان کیا کہ انھیں ابوسلمہ نے کہا: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اُن سے یہ حدیث بیان فرمائی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح فرمایا۔

۲۰۳ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ، فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ".

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پانی کا ایک برتن لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پانی ڈالا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور خفین پر مسح فرمایا۔''

---

۲۰۴ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ: أَنَّ أَبَاهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: "أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ". وَتَابَعَهُ حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ وَأَبَانُ عَنْ يَحْيَىٰ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خفین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔



کس خف پر مسح جائز ہے؟

"الخُفُّ" کی تعریف کے لیے ''الکبیری'' دیکھیں۔ فقہاء کے نزدیک خفین میں شرط یہ ہے کہ ان میں مسلسل چلنا ممکن ہو، اسی لیے اہل عرب اونٹ کی ٹاپوں کے لیے لفظ "أَخفَاف" استعمال کرتے ہیں، کیوں کہ اہل عرب کے نزدیک ''خف'' اس کو کہا جاتا ہے جس میں مسافت طے کرنا ممکن ہو۔ اس کا اردو ترجمہ ''موزے'' سے کرنا غلط ہے، کیوں کہ اس میں مسلسل چلنے کے معنی نہیں پائے جاتے۔

"وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ"...... اس سوال کی وجہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حالت سفر میں مسح علی الخفین سے واقف تھے، اس لیے آپ نے گھر میں بحالت اقامت بھی اس کے متعلق سوال کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ دینی امور بتدریج معلوم ہوتے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس مدارس نہیں تھے جہاں رہ کر وہ مسائل سیکھتے ہوں، بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حاجات و واقعات پیش آنے پر مسائل سیکھتے تھے۔ پھر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو مسح علی الخفین کے بارے میں سوال کر رہے ہیں رفع یدین کی روایت میں آپ ہی اصل بنیاد ہیں، حالانکہ رفع یدین خلفائے ثلاثہ سے

ثابت نہیں ہے۔

نیز جان لیں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جوربین اور نعلین کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے، یہ قطعی طور پر ایک وہم ہے، کیوں کہ یہ واقعہ تقریباً ستر طریق سے مروی ہے، کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوربین اور نعلین پر مسح کیا۔ لہٰذا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت بیان فرمائی ہے وہ یقیناً وہم ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف سند کو دیکھتے ہوئے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

---

۲۰۵ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَىٰ عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ". وَتَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".

ترجمہ: حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے عمامے اور خفین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔"



عمامہ پر مسح کا حکم:

"يَمْسَحُ عَلَىٰ عِمَامَتِهِ"...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ظاہری معنیٰ مُراد لیتے ہوئے فرمایا کہ عمامے پر مسح کرنے سے مسح کا فریضہ ادا ہوجائے گا بشرطیکہ وہ سر پر بندھا ہوا ہو۔ اور اس کی وہی شرائط ہیں جو خفین کی ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ اگر سر اور عمامے کے کچھ حصے پر مسح کرلے تو استیعاب سے سبک دوش ہوجائے گا۔ یہی بات مالکیہ نے بھی کہی ہے۔ مگر ان میں سے قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک عمامے پر مسح کرنے سے مقدارِ مستحب کا مسح نہیں ہوگا۔ اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ عمامے پر مسح معتبر نہیں ہے۔ مؤطا میں مذکور ہے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ عمامے پر مسح پہلے تھا، بعد میں متروک ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء کی عبارت یہ ہے کہ یہ ہمارے نزدیک بدعت ہے۔ "التمہید" میں ابوعمرو مسح علی العمامہ کی احادیث پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ یہ ساری احادیث معلول ہیں۔

علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محمد الاصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں عمامے کا ذکر امام اوزاعی

رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے متابعات بھی موجود ہیں، اگر ہم امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے تفرد کو تسلیم بھی کرلیں تو آپ کے علو مرتبہ اور جلالت شان کی بنیاد پر اس کو موجب اعلال نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ حالت اقامت کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ مسح علی العمامہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے مگر آپ نے اس پر اِس مسئلے کا باب قائم نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک اس میں ضعف ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول رہا ہے کہ جب آپ کے نزدیک حدیث قوی ہو لیکن اس کے کسی لفظ میں تردّد ہو تو آپ اس حدیث کو اپنی کتاب میں ذکر تو فرماتے ہیں لیکن اس لفظ سے باب کا عنوان قائم نہیں فرماتے اور نہ ہی اس لفظ سے کسی مسئلے کی تخریج فرماتے ہیں، چنانچہ مسح علی العمامہ کے بارے میں آپ کا یہ طرز دلیل ہے کہ اس میں آپ کو تردّد ہے، اسی وجہ سے آپ نے اسے ترک فرما دیا اور اختیار نہیں فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسح کے بعد اپنا عمامہ ٹھیک کیا تو راوی نے اسے مسح سمجھ لیا اور عمامہ ٹھیک کرنے کو مسح سے تعبیر کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ جواب پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے تو صحابی کی تغلیط لازم آتی ہے جنھوں نے واقعے کا مشاہدہ کر کے آنکھوں دیکھا حال بیان فرمایا ہے۔ نیز سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پوری اُمّت میں سب سے ذکی تھے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو عمامہ ٹھیک کرنے اور مسح کے درمیان کا فرق معلوم نہ ہو؟ یہ جواب دراصل قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، حالانکہ ان کی مُراد یہ نہیں ہے، آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامے پر مسح کرنا نص کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سَر کے کچھ حصے پر مسح فرمایا اور کچھ حصے کی تبعیت میں عمامے پر ہاتھ پھیرا، جیسے ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب عمامہ پہنے ہوئے سَر کے کچھ حصے پر مسح کرتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سَر پر مسح کرنا اصل تھا اور عمامے پر تبعاً تھا، راوی نے یہی مُراد لیا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سَر پر مسح قصداً فرمایا اور عمامے بلا قصد تبعاً مسح فرمایا، یہ مطلب نہیں ہے کہ درحقیقت عمامے کو ٹھیک کیا تھا جس کو راوی نے مسح سمجھ لیا، کیوں کہ اس میں راوی کو غلط ٹھہرانا لازم آتا ہے، تو دونوں معنوں میں بہت فرق ہے، میری اِس تقریر کے مطابق قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ راوی نے مسح علی العماملہ کو اسی طرح ذکر فرمایا جیسا انھوں نے خارج میں دیکھا، اور چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسح علی العمامہ بلا قصد تھا تو اسے بھی ذکر کیا، اس میں راوی کو غلط ٹھہرانا لازم نہیں آتا، بلکہ اس میں راوی کی بات کی تائید ہے، لٰہذا دونوں مطلب کے درمیان فرق کو خوب سمجھ لیں

اور تعصب کے شکار نہ ہوں، کہ تعصب ایک طرح کی جہالت ہے۔

نیز یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامے پر مسح نہیں فرمایا، بلکہ عمامہ سَر پر ہونے کی حالت میں سَر کا مسح فرمایا، اِس صورت میں راوی کا مقصد عمامہ پہنے ہوئے مسح کا طریقہ بیان کرنا ہے، جیسا کہ ابوداود کی حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ ''فمسَحَ مقدم رأسه ولم ينقض العمامة'' (سنن أبي داود، رقم: ١٤٧) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سَر مبارک پر مسح فرمایا لیکن عمامے کو نہیں کھولا۔ اور "مَسَحَ عَلَى العِمَامَةِ" کے الفاظ میں عرفی طور پر اور عربیت کے لحاظ سے اِس مُراد کا بھی احتمال ہے۔

حالانکہ میرے نزدیک درست یہ ہے کہ مسح علی العمامہ احادیث سے ثابت ہے، جس کے انکار کی گنجائش نہیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ بھی اس کے قائل ہیں، اگر دین میں مسح علی العمامہ کی کوئی اصل نہ ہوتی تو یہ ائمہ اسے اختیار نہ فرماتے، اور میں ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں جو محض الفاظ سے دین حاصل کرتے ہیں، بلکہ میرے نزدیک اُمّت کا توارث اور ائمہ کا مختار مذہب اولیٰ ہے کہ وہ دین کے رہنما اور پیشوا ہیں، اور ان ہی سے دین ہم تک پہنچا ہے، لہٰذا اس باب میں ان ہی پر اعتماد کرنا چاہیے، اس لیے ہم ان کے بارے میں بدگمانی کر کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسح علی العمامہ دین میں ثابت نہ ہونے کے باوجود انھوں نے اسے اختیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مسح علی العمامہ ثابت نہیں ہے، بلکہ یوں فرمایا کہ اس پر پہلے عمل تھا، بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اور نسخ کا مطلب آپ نے مقدّمے میں جان لیا ہے، اسی کو دیکھ لیں، کیوں کہ وہ بہت اہم ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں، عموماً لوگ نسخ کا مشہور معنیٰ ہی مُراد لیتے ہیں، حالانکہ سلف صالحین کے نزدیک نسخ کے معنیٰ میں عموم ہے۔ اسی وجہ سے میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ مسح علی العمامہ بدعت ہے، جیسا کہ بعض کتابوں سے یہی متبادر ہورہا ہے، بلکہ مسح علی العمامہ مباح ہے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

اور ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مسح علی العمامہ سے استحباب کی سنّت ادا ہونے کے قائل تھے، اگرچہ کتابوں میں یہ لکھا نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے استحباب کی ادائیگی کا التزام مناسب ہے، اس لیے کہ اباحت کا فائدہ تو اس صورت میں ہوگا جب کہ مسح علی العمامہ عادات کے قبیل سے ہو، لیکن جب یہ سنّت بالقصد ہے تو ضروری ہے کہ اسے سنّت تکمیل کی ادائیگی کہی جائے۔

مسح علی العمامہ کے بارے میں احادیث مختلف طرح کی ہیں، بعض احادیث میں صرف عمامے پر مسح کا ذکر ہے، بعضوں میں عمامے اور سَر دونوں کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں صرف سَر کا ذکر ہے، اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی

تینوں طرح مروی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اُس واقعے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامے پر مسح نہیں فرمایا بلکہ سَر کی ضروری مقدار پر مسح فرمایا، پھر راوی نے اس کو مختلف طور پر بیان کرتے ہوئے کبھی صرف سَر کے مسح کو ذکر کیا، کبھی صرف عمامے پر مسح کو ذکر کیا اور جب پورا قصّہ بیان کیا تو دونوں کو ذکر کیا ہے، لہٰذا جب ہم نے اس حدیث میں مسح رأس کی جگہ مسح علی العمامہ کو اور دوسری حدیث میں اس کے برعکس پایا، اور کبھی کسی روایت میں راوی نے دونوں کو جمع بھی کیا ہے تو ذہن میں یہی بات آتی ہے کہ وہ احادیث جن میں صرف مسح علی العمامہ کا ذکر ہے وہ بھی اسی طرح ہوں گی، چنانچہ جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف عمامے پر مسح فرمایا اور سَر کا مسح نہیں فرمایا وہاں تک مجمل احادیث اس باب میں حنابلہ کے لیے حجّت نہیں ہوں گی، کیوں کہ اِن احادیث میں بھی وہی احتمال ہے جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ مسح علی العمامہ وضوعلی الوضوء کے وقت ہو، کیوں کہ میرے نزدیک وضوء کی مختلف قسمیں ثابت ہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔ اگرچہ علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور وضو کی بعض اقسام میں بعض اعضاء اور مسح پر اکتفا ثابت ہے، اس اعتبار سے میرے نزدیک یہ ممکن ہے کہ مسح علی العمامہ بھی وضو کی ایک قسم ہو۔ اس حدیث کے طرق کی تلاش کے بعد میرے سامنے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ واقعہ اور آئندہ باب میں مذکورہ واقعہ دونوں ایک ہی ہیں کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بکری کے شانے کا گوشت دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمارہے تھے، اسی دوران آپ کو نماز کے لیے بُلایا گیا تو آپ نے چاقو رکھ دیا اور وضو نہیں فرمایا۔'' اور اس باب کا واقعہ بھی حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ روایت فرمارہے ہیں، چنانچہ جب طرق کو جمع کرنے کے بعد متبادر یہی ہے کہ دونوں واقعے ایک ہی ہیں تو اقرب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں مکمّل وضو نہیں فرمایا بلکہ صرف عمامے اور خفین کے مسح پر اکتفا فرمایا، اور اِس صورت میں یہ بھی وضو کی ایک قسم شمار ہوگی۔



٥١ - بَابٌ: إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ

٢٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ: "دَعْهُمَا؛ فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ". فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا".

ترجمہ: یہ باب پیروں کے پاک ہونے کی حالت میں خفین پہننے کے بیان میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، میں نے ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خفین اُتار دوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''انھیں چھوڑ دو، اس لیے کہ میں نے پیروں کے پاک ہونے کی حالت میں خفین پہنے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر مسح فرمایا۔''



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ہی سے ترجمۃ الباب قائم فرمائیں۔ آپ نے مسئلے کی تحقیق کی طرف اشارہ نہیں فرمایا کہ طہارت خفین پہننے کے وقت شرط ہے یا حدث کے وقت، کیوں کہ یہ اجتہاد کے مواقع سے متعلّق ہے، اور حدیث میں اس کی گنجائش ہے، اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اِس مسئلے کی جانب اشارہ فرمانا چاہتے تو حدیث کے الفاظ میں کچھ تغیّر فرماتے جس سے پڑھنے والے کا ذہن اس مسئلے کی جانب متوجّہ ہو۔



۵۲ - بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ

وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَتَوَضَّئُوا.

۲۰۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ".

ترجمہ: یہ باب اُن حضرات کے بیان میں ہے جو بکری کا گوشت اور ستّو کھانے کی وجہ سے وضو ضروری نہیں قرار دیتے۔ اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے ان چیزوں کو کھا کر وضو نہیں فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے شانے کا گوشت تناول فرمایا، پھر بغیر وضو کے نماز پڑھی۔"



آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم:

یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کے مسئلے کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے۔ اور اس سلسلے میں آپ نے جمہور کا مذہب اختیار فرمایا ہے جو کہ وضو کا واجب نہ ہونا ہے، اور یہی ائمہ اربعہ اور خلفائے راشدین کا مذہب ہے، لیکن احادیث میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا بھی وارد ہے، لہٰذا بعض حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ ابوداود کی اس روایت کی وجہ سے منسوخ ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل یہ تھا کہ آگ میں پکی ہوئی چیز سے وضو ضروری نہیں ہے۔ اِن حضرات نے اِس روایت کو نسخ کے حکم میں صریح قرار دیا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ اِس سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نسخ بیان کرنا نہیں چاہا، بلکہ ان کا اشارہ اس طرف ہے کہ ایک

ہی دِن میں آپ ﷺ سے وضو اور ترکِ وضو کا عمل صادر ہوا ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے روٹی اور گوشت پیش کیا تو آپ نے تناول فرمایا، پھر وضو کا پانی منگوا کر وضو فرمایا۔ تو یہ پہلا عمل ہوا۔ پھر ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد آپ نے بچا ہوا کھانا منگوا کر تناول فرمایا، پھر آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں فرمایا۔ یہ دوسرا عمل تھا۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور نہیں بھی فرمایا، اور وضو نہ کرنا آپ کا آخری عمل تھا، اسی کی طرف امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ یہ پہلی حدیث کا اختصار ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مُراد نسخ بیان کرنا نہیں تھی کہ اولاً وضو ضروری تھا پھر ترک کر دیا گیا، لہٰذا آخرالامرین کے معنیٰ یہ ہیں، اور ''امرین'' سے مُراد دونوں واقعے ہیں جن کو پہلے ذکر فرمایا، اور نسخ کے لیے کسی عمل کا صرف آخری ہونا کافی نہیں، اس لیے کہ مستحب عمل کبھی کیا جاتا ہے اور کبھی چھوڑ دیا جاتا ہے، لہٰذا اگر ترکِ وضو اس طور پر ہوا ہو تو یہ نسخ کی دلیل ہرگز نہ ہوگا۔

مستحب کی دو قسمیں ہیں: صوری و معنوی:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔ میں اس میں تھوڑے سے اضافے کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ خواص کا مستحب ہے، عوام کا نہیں، اور خواص کے مستحب کا مطلب یہ ہے کہ اس کا استحباب کسی خاص وجہ سے ہو، چنانچہ مستحب کی دو قسمیں ہوں گی، ایک تو مستحبِ صوری، جس کے استحباب کے بارے میں شریعت کا حکم وارد ہوا ہو، جو فقہ میں بیان کیا جاتا ہے، اور دوسرا مستحبِ معنوی ہے، یہ ایسا مستحب ہے جس کے فائدے کی جانب اشارہ کیا گیا ہو، لیکن شریعت میں صراحتاً اس کا استحباب مذکور نہ ہو، مگر چوں کہ اس کے فوائد کی جانب اشارہ ہے تو اس سے ہمیں معلوم ہو کہ وہ شرعاً مطلوب ہے، لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ اُس معنیٰ کی وجہ سے مستحب ہے جو استحباب کا تقاضا کرتا ہے، اگرچہ صورۃً یہ مستحب نہیں، اور مستحب کی یہ قسم فقہاء کا موضوع نہیں ہے، میں اسے خواصِ اُمّت کا مستحب کہتا ہوں، مثلاً جنبی شخص کا وضو کرنا، کہ شریعت میں اس کی وجہ کی جانب اشارہ ملتا ہے، جیسا کہ معجم طبرانی میں ہے کہ جنبی شخص جس کی موت سونے کی حالت میں ہوئی ہو تو ملائکہ اس کے جنازے میں حاضر نہیں ہوتے، تو وضو کرنے کی وجہ سے یہ نقصان ختم ہو جائے گا، اسی وجہ سے اس کو مستحب کہا جائے گا۔

میرے نزدیک مس ذکر، مس مرأۃ اور اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کا حکم اسی قبیل سے ہے، میں کہتا ہوں کہ اِن تمام امور میں وضو مستحب ہے، مگر یہ خواص کا مستحب ہے، اور اس میں کوئی بعید بات نہیں ہے، کیوں کہ ہمارے فقہائے

کرام نے اس سے بھی کم چیزوں کے پیش آنے سے وضو کو ضروری قرار دیا ہے، مثلاً اجنبیہ کو دیکھنا اور غیبت کرنا وغیرہ، لہٰذا اگر ہم مس ذکر اور مس مرأۃ وغیرہ سے وضو کو ضروری قرار دیں جو کہ مذکورہ امور کے مقابلے میں زیادہ فاحش ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی یہ مذہب کے خلاف ہے۔

رہی بات آگ میں پکی ہوئی چیزوں سے وضو کی وجہ تو وہ یہ ہے کہ ملائکہ اپنی پاکیزہ طبیعتوں کی وجہ سے کھانے پینے سے دور رہتے ہیں، اور جو بندہ انسانوں کے ہاتھوں آلودہ ہو کر پکی ہوئی چیز کھا پی لیتا ہے تو گویا وہ فرشتوں کی طبیعت سے دور ہو جاتا ہے، اس لیے شریعت نے اس دوری کی تلافی کے لیے وضو کا حکم فرمایا، جب کہ درخت پر پکا ہوا پھل اِس کے خلاف ہے، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے زماناً قریب اور اس کی برکات کا ثمرہ ہے، اور نبی کریم ﷺ موسم کے پہلے پھل کو اپنی چشم مبارک پر رکھتے تھے اور سب سے چھوٹے بچّے کو عطا فرماتے تھے، جب کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کو انسانی صنعت نے بدل دیا جس سے اس کی برکات ختم ہو گئیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے زماناً دور ہو کر انسانی آلودگیوں سے آلودہ ہو گئی، لہٰذا اس کی شان وہ نہیں جو پھل کی شان ہے۔ نیز آپ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ بھی مروی ہے کہ آپ بارش کے پانی کی طرف سبقت فرماتے تھے اور یہ فرماتے ہوئے اس میں کھڑے رہتے کہ یہ پانی اپنے رب سے زماناً بہت قریب ہے، جب کہ آپ ﷺ دیگر پانی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں فرماتے تھے، اس لیے کہ یہ پانی کسی گڑھے یا تالاب میں ٹھہرنے کے بعد مختلف قسم کی گندگیوں سے آلودہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی پہلی صفت پر باقی نہیں رہتا۔

حاصل یہ کہ اِن مذکورہ چیزوں کی وجہ سے وضو کا حکم حدث اور نجاست کی وجہ سے وضو کے سے بالکل الگ ہے، بلکہ یہ تشبہ وتقرب بالملائکہ کے قبیل سے ہے۔

چوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جمہور کا مذہب اختیار فرمایا ہے اس لیے دوسری جانب کی احادیث ذکر نہیں فرمائیں اور ان کو سرے سے ترک فرما دیا، اور یہ آپ کا معمول ہے۔ بکری کے گوشت کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اونٹ کے گوشت میں اختلاف ہے، کیوں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر اونٹ کا گوشت کچا ہو تب بھی اس کے کھانے سے وضو ضروری ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں وضو سے وضوئے لغوی مُراد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ متبادر معنیٰ کے خلاف ہے، اس وجہ سے نہیں کہ علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا انکار فرماتے ہیں، کیوں کہ وضو کی اقسام میرے نزدیک متعدد احادیث میں ثابت ہے، بلکہ وضوئے لغوی مُراد ہونے پر وجدان اور عمل ساتھ نہیں دیتا، اگر اس کو وضوئے لغوی ہی قرار دینا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں اس روایت کو دلیل بنایا جائے جو علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع الکبیر میں ضیاء المقدسی کی

''المختارة'' سے نقل فرمائی ہے کہ "الوُضُوْءُ النَّاقِصُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"لہٰذا اِن احادیث میں وضوکو''المختارہ'' کی روایت کے مطابق وضوئے ناقص پرمحمول کرنا چاہیے، اور حافظ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں صحت کی شرط رکھی ہے، اور علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی المستدرک سے بہتر ہے۔ پھر "الوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" یہ حدیث قصر پر مشتمل ہے، جس کی توجیہ ہم نے امالئ درسِ ترمذی میں پیش کی ہے۔

---

۲۰۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ: أَنَّ أَبَاهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: "أَنَّهُ رَأَىٰ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَلْقَى السِّكِّينَ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ".

ترجمہ: حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بکری کے شانے کا گوشت چبا رہے تھے، اسی درمیان آپ کو نماز کے لیے بُلایا گیا تو آپ نے چاقو رکھ دیا اور بغیر وضو کیے نماز پڑھی۔''



"يَحْتَزُّ" ...... یہ کاٹنا کھانے کے لیے نہیں تھا، جیسا کہ اہل یورپ کرتے ہیں، بلکہ یہ صرف دانت سے کاٹنا تھا، اور گوشت کا ٹکڑا جب بڑا ہو تو اسے کاٹنا ضروری ہوتا ہے، پھر یہ امور ایسے ہیں جو فطرتِ سلیمہ سے معلوم ہو جاتے ہیں کہ کہاں ضرورت ہے اور کہاں تشبہ ہے؟ اگر آپ کو نورِ ایمان کا حصّہ نصیب ہوا ہے تو آپ اسے پہچان لیجیے، کیوں کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نورِ بصیرت سے دیکھتا ہے، ورنہ اپنی حالت پر رہیے، ایسے مواقع میں بحث وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس نہ حیا ہوتی ہے نہ دین، اللہ تعالیٰ نے سچ ہی فرمایا ہے کہ ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝﴾ [الكهف: ٥٤] اور جدل یہی ہے کہ عمل کی نیت نہ ہو بلکہ صرف شبہات کی بنیاد پر بہانے بنائے جائیں اور اپنی خواہشات کے لیے حجّت بازی کی جائے، لہٰذا ہم ایسے لوگوں کو جواب دینا پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔



٥٣ - بَابُ مَنْ مَضْمَضَ مِنَ السَّوِيقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

٢٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ: أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: "أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ، حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ، وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ، فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ، فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ، فَأَكَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَكَلْنَا، ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا، ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ".

ترجمہ: یہ باب اُن لوگوں کے بیان میں ہے جو ستو کھانے کے بعد کلّی کرتے ہیں اور وضو نہیں کرتے۔
حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وہ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نکلے، جب مقام صہباء میں پہنچے جو خیبر کے قریب ایک جگہ ہے، تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ نے توشہ منگوایا تو ستو کے سِوا کچھ نہیں ملا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے بھگونے کا حکم فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور ہم نے اُسے کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اور ہم نے کلّی کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وضو کیے بغیر نماز پڑھائی۔"

٢١٠ - وَحَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا، ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ".

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے پاس شانے کا گوشت تناول فرمایا، پھر بغیر وضو کیے نماز پڑھی۔"



چوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے بارے میں مختلف جزئیات کے متعلّق روایات ہیں اس لیے آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک پر مستقل باب قائم فرمائیں۔

حضرت علی کے لیے سورج کا واپس لوٹنا:

"صَھْبَاء"...... یہ خیبر اور مدینہ کے درمیان وہ جگہ ہے جہاں سورج لوٹایا گیا تھا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الآثار میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اپنے شیخ سے یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس عظیم معجزے کو یاد رکھنے کی پوری اُمّت کو وصیت فرمائی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ نسبت فرمائی ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس قصے کے متعدد بار ہونے کے قائل ہیں، لیکن یہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا سہو ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی واقعے کو صحیح قرار دیا ہے، آپ اس واقعے کے متعدد ہونے کے قائل نہیں ہیں، ہوسکتا ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اصل نہ مل پائی ہو یا آپ نے اصل سے رجوع نہ کیا ہو، جس کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی، اصول سے مراجعت کیے بغیر نقل کرنے میں اس طرح کی غلطیاں ہوتی ہیں۔

اِس قصے کی تنقیح سے جو حاصل نکلتا ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عصر سے پہلے کسی ضروری کام کے لیے بھیجا، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور نماز پڑھنے سے پہلے سورج غروب ہوگیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی تو سورج لوٹا دیا گیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ راویوں کا اضطراب ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز وقت پر نہیں پڑھی، تو میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے دو امر درپیش تھے، ایک تو حکم عام تھا کہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے۔ اور دوسرا حکم خاص تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس دِن آپ کو اپنے ضروری کام کے لیے بھیجا تھا جو غروبِ شمس سے پہلے پورا کرنا تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بخاری شریف میں بنوقریظہ کے قصے میں آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا تھا کہ بنوقریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھیں، تو ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی عصر کا وقت ہوگیا، تو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم عام کے پیش نظر عصر کی نماز وقت پر پڑھ لی اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت عصر نہیں پڑھی، اس لیے کہ انھوں نے امر خاص کو امر عام پر ترجیح دی اور یہ سمجھے کہ اُس دِن عصر کی نماز بنوقریظہ پہنچ کر ہی پڑھنی ہے، اگرچہ راستے میں وقت نکل جائے۔ اور یہ اجتہاد بہت مشکل ہے، اس لیے کہ اگر امر خاص کو ترجیح دی جائے تو امر عام پر عمل فوت ہوجائے گا اور اگر امر عام پر عمل کیا جائے تو امر خاص پر عمل فوت ہوجائے گا۔

یہ قصّہ غزوۂ خیبر کے موقع پر پیش آیا تھا، بعض حضرات نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ قصّہ غزوۂ خندق کے موقع پر پیش آیا، حالانکہ غزوۂ خندق میں سورج کے لوٹنے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اس میں غروبِ شمس اور نماز کے قضا ہونے کا ذکر ہے۔



٥٤ - بَابٌ: هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ؟

٢١١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ وَقُتَيْبَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا، فَمَضْمَضَ وَقَالَ: "إِنَّ لَهُ دَسَمًا". تَابَعَهُ يُونُسُ وَصَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ دودھ پینے کی وجہ سے کلّی کی جائے یا نہیں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا، پھر کلّی کی اور فرمایا کہ دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔''



کلی کرنا کھانے کے آداب میں سے ہے:

میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ یہ کلّی کرنا دودھ کی وجہ سے ہے، نہ کہ نماز کے لیے، چنانچہ میرے نزدیک کلّی کرنا یہ کھانے کے متعلقات اور آداب میں شمار ہوگا، لہٰذا کھانے پینے کے بعد کلّی کرنا مستحب ہے، یہ نہیں کہ بطورِ خاص نماز ہی کے وقت مستحب ہو۔ البتہ کبھی دونوں اس طرح جمع ہوجاتے ہیں کہ کھانے سے فارغ بھی ہورہے ہوں اور نماز کا بھی ارادہ ہو تو اِس صورت میں یہ حکم مؤکد ہوجائے گا۔ جیسا کہ میں نے حدیث مستیقظ من المنام میں کہا ہے کہ اصلاً وہ پانی کے احکام سے متعلّق ہے، پھر چوں کہ وضو کے پانی کی حفاظت بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہے اس لیے وضو میں بھی یہ حکم جاری ہوگا۔ اور اسی جانب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعلیل بھی مشیر ہے کہ دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُراد یہ ہے کہ کلّی کرنا دودھ پینے کی وجہ سے ہے۔



٥٥ - بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ
وَمَنْ لَمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ أَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوءًا

۲۱۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ".

ترجمہ: یہ باب نیند کی وجہ سے وضو کے بیان میں ہے اور اُن حضرات کے بیان میں جو ایک دو مرتبہ اونگھنے اور جھونکے کی وجہ سے وضو کو ضروری نہیں قرار دیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کو نماز کی حالت میں نیند آئے تو اسے چاہیے کہ وہ نیند پوری ہونے تک سوجائے، کیوں کہ تم میں سے کوئی جب نیند کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اسے معلوم نہیں ہوگا کہ شاید وہ استغفار کی جگہ خود پر بددعا کررہا ہو۔''

۲۱۳ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنَمْ حَتَّى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی نماز کے دوران اونگھنے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ سوجائے، تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے؟''



نیند کی وہ ہیئت جو ناقض وضو ہے:

روایت کا ظاہر یہ ہے کہ اگر سونے کے وقت مقعد زمین سے لگی ہوئی ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر زمین سے الگ ہوجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور نیند کی وہ ہیئت جو کتب فقہ میں مذکور ہے اس کی سب سے پہلے تفصیل امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی، پھر امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی پیروی کی، پھر دیگر لوگوں نے آپ کا اتباع کیا ہے۔ الدر المختار میں ہے کہ اگر مقعد زمین پر لگی ہوئی ہونے کی حالت میں سوجائے تو طویل نیند کے باوجود وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور ایک عبارت میں یہ ہے کہ اگر سہارا لگا کر بیٹھے تو یہی مذہب ہے۔

فتویٰ کی بنیاد چوں کہ مصالح اور اختلافِ زمان و مکان پر ہوتی ہے لہٰذا اِس دور میں اِس مسئلے میں گنجائش نہ ہوگی، اس لیے کہ اِس زمانے میں لوگ زیادہ کھاتے ہیں، جس کی وجہ سے مقعد زمین پر جمی ہوئی ہو تب بھی حدث ہوجاتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نیند مطلقاً ناقض وضو ہے۔ جب کہ دوسرے بعض یہ کہتے ہیں کہ نیند مطلقاً ناقض وضو نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کا حاصل یہ ہے کہ اس حکم میں تفصیل ہے کہ کبھی نیند ناقض وضو ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی، اس کے لیے آپ نے کوئی ضابطۂ کلیہ بیان نہیں فرمایا، اس لیے کہ یہ ممکن نہیں ہے، اور احناف کے مذہب کی تفصیل گزر چکی ہے۔

"فَلْيَرْقُدْ"......یعنی اتنی دیر تک سوجائے کہ اسے یہ پتا چل سکے کہ وہ استغفار کر رہا ہے یا بددعا کر رہا ہے اور کیا پڑھ رہا ہے۔ الدر المختار میں ہے کہ اختیار نماز کی شرط ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اس حالت میں ہونا چاہیے کہ اس کی فہم باقی ہو، اپنے عمل سے کلیۃً بے خبر نہ ہو۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا تراویح کے قعدے میں سو گیا تو گہری نیند کے باوجود نماز فاسد نہ ہوگی۔

میری رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ [النساء: ۴۳]

"اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز سے قریب نہ ہوں، یہاں تک کہ تمھیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

اسی بنیاد پر فقہاء اس بات کی جانب گئے ہیں کہ مکمّل بے ہوشی اور جنون دونوں ناقض وضو ہیں، اس لیے کہ فقہاء نے یہ دیکھا کہ قرآنِ پاک میں اپنی کہی ہوئی بات کے علم کو نماز کی غایت بنایا گیا، لہٰذا جو بندہ اس حالت میں ہو کہ اسے اپنی بات کا علم نہ ہو تو وہ نماز کے قریب نہ ہو، چنانچہ فقہاء نے بے ہوشی اور جنون کو ناقض وضو قرار دیا کہ دونوں حالت میں بندے کو اپنی بات کا علم نہیں ہوتا۔

نماز میں خشوع اور اس کی ادنیٰ مقدار:

اسی آیت کریمہ سے خشوع کی ادنیٰ مقدار بھی معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ آدمی اس حالت میں ہونا چاہیے کہ اسے پتا ہو کہ وہ خود یا اس کا امام کیا پڑھ رہا ہے؟ اسے خوب سمجھ لیں، یہ بہت اہم ہے۔ پھر نماز میں خشوع مستحب ہے جیسا کہ ''الاختیار شرح المختار'' میں مذکور ہے، لیکن ہماری کتب میں مجھے یہ مسئلہ نہیں مل سکا۔ خشوع یہ ہے کہ قیام کی حالت میں نظر سجدے کی جگہ ہو...... الخ، جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں، میں اس تفصیل کے ماخذ کو احناف کی کتابوں میں تلاش کرتا رہا تو مجھے علّامہ جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کی المبسوط میں ملا، آپ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ''الصلوٰۃ'' نامی کتاب میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والا قیام کی حالت میں اپنے سر کو کچھ جھکا ہوا رکھے۔ مگر مجھے اس کتاب کے بارے میں تردّد تھا کہ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے یا نہیں؟ فتح الباری میں ہے کہ یہ آپ کی تصنیف ہے۔

"لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ"...... یعنی نماز پڑھنے والا استغفار کرنا چاہتا ہو، لیکن نیند کی غفلت میں بجائے استغفار کے وہ خود پر بددعا کر رہا ہو۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نماز سے اُکتا کر خود کو ملامت کرنے لگے کہ نماز اس پر فرض کیوں ہوئی؟



٥٦ - بَابُ الوُضُوْءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

٢١٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (ح). قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ"، قُلْتُ: "كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟" قَالَ: يُجْزِئُ أَحَدَنَا الْوُضُوءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ".

ترجمہ: یہ باب حدث پیش آئے بغیر وضو کے بیان میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے وقت وضو فرماتے تھے، (راوی عمرو بن عامر فرماتے ہیں) میں نے پوچھا کہ آپ حضرات کیا کرتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں جب تک حدث پیش نہ آئے وضو کافی ہوتا تھا۔''

٢١٥ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ، صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، فَلَمَّا صَلَّى دَعَا بِالْأَطْعِمَةِ، فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ ثُمَّ صَلَّى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ".

ترجمہ: حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے، جب ہم مقام صہباء میں پہنچے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا طلب فرمایا، تو ستو کے سوا کچھ نہیں ملا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ہم نے کھایا پیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو کلّی فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیے بغیر ہمیں مغرب کی

نماز نماز پڑھائی۔"



ہر نماز کے وقت وضو شرعاً مطلوب ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وضوئے مستحب کی جانب اشارہ فرمانا چاہتے ہیں، لہٰذا اِس باب کے تحت وضو اور ترکِ وضو کی روایت ذکر فرمائی۔ وضو تقریباً بیس مواقع میں مستحب ہے، جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔ اور میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ ہر نماز کے وقت وضو کرنا شرعاً مطلوب ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة : ٦] سے ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے میں اس آیت کریمہ میں "وَأَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ" کو مقدّر نہیں مانتا، جیسا کہ دیگر مفسرین یہ تقدیر مانتے ہیں۔ اس تقدیر کی ضرورت کیسے ہوسکتی ہے؟ جب کہ سنن ابی داود میں قوی سند سے مروی ہے کہ "أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ كان أُمِرَ بالوُضوءِ لِكلِّ صلاةٍ–طاهرًا وغيرَ طاهرٍ–فلما شَقَّ ذلك عليه أُمِر بالسِّواكِ لكلِّ صلاةٍ" (سنن أبي داود، رقم:٤٨) "نبی کریم ﷺ کو وضو کا حکم تھا خواہ آپ باوضو ہوں یا نہ ہوں، پھر جب آپ ﷺ کے لیے اس پر عمل دشوار ہو گیا تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم ہوا۔" اِس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسواک وضو کا بدل ہے، حالانکہ اصل حکم وضو ہی کا تھا، مگر چوں کہ آپ کے لیے یہ دشوار تھا اس لیے مسواک کو بطورِ نمونہ وضو کے قائم مقام بنا دیا گیا۔ نیز فتح القدیر کے حوالے سے میں ذکر کر چکا ہوں کہ نماز کے وقت مسواک کرنا ہمارے نزدیک بھی مستحب ہے۔

پھر وضو اُن احکام میں سے ہے جو آیت کریمہ کے نزول سے مقدّم ہے، اس لیے کہ سورۂ مائدہ کی آیت نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے، اور وضو اس سے پہلے بھی فرض تھا۔



٥٧ - بَابٌ: مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ لَا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ

٢١٦ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ. ثُمَّ قَالَ: بَلٰى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ". ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيلَ لَهُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟" قَالَ: "لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا". أَوْ: "إِلٰى أَنْ يَيْبَسَا".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ اپنے پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرّمہ یا مدینہ منورہ کے کسی باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنھیں ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِن دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، انھیں کسی بڑے امر کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا، پھر فرمایا: کیوں نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے بچتا نہیں تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ٹہنی منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کی قبر پر ایک ایک رکھ دیا، آپ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے رسول! آپ نے یہ عمل کیوں فرمایا؟ آپ نے فرمایا: اُمید ہے کہ دونوں ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔''

دوسرے عالم کے امور کا ادراک اس عالم میں نہیں کیا جا سکتا:

"فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ"...... یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ جس کے کان ہوں اس کو عذابِ قبر محسوس اور مسموع ہو سکتا ہے، عذابِ قبر صرف خیالی امر نہیں ہے، البتہ یہ عذاب دوسرے عالم میں ہوتا ہے اور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسی عالم

میں اس کو سنیں، جس سے ان کو مغالطہ ہوتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس عالم میں حواسِ خمسہ دوسرے عالم کے امور کا ادراک نہیں کر سکتے، چنانچہ قوتِ شامہ ادراک نہیں کرسکتی کہ قوتِ سمع اور ذوق کیا ہیں؟ اور قوتِ سامعہ یہ ادارک نہیں کرسکتی کہ قوتِ شامہ اور ذائقہ کیا ہیں؟ اسی طرح جو شخص عالم اجساد میں ہو وہ عالم برزخ کے حقائق کا ادراک نہیں کرسکتا، اِلا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے سنا دیں تو ممکن ہے۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾﴾ [الفاطر: ۲۲] شریعت کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ عالم برزخ کے احوال عالم اجساد کی طرح ہیں، جس سے یہ اشکال ہو کہ ہم تو معذب شخص کی آواز نہیں سن پاتے اور نہ ہی کسی کو عذاب ہوتا ہوا دیکھ پاتے ہیں وغیرہ۔ اسے خوب سمجھ لیں۔

"فِيْ كَبِيْرٍ" ...... یعنی نفس فعل اور اس کے وجود کے اعتبار سے یہ کوئی بڑا امر نہیں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ کے اعتبار سے بھی بڑا نہیں ہے۔ یہاں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا حاصل یہ ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا فی نفسہٖ گناہِ کبیرہ نہیں ہے، بلکہ وہ گناہِ کبیرہ کا سبب ہے، جو کہ اُن ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنا ہے جس سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد اگر یہ ہے کہ صغائر پر عذاب نہیں ہوگا، تو یہ درست نہیں، ورنہ پیشاب سے نہ بچنا فی نفسہٖ کبیرہ ہے، بلکہ ہر صغیرہ گناہ اِصرار کی وجہ سے کبیرہ ہوجاتا ہے، لہٰذا جو شخص پیشاب کے بارے میں لاپرواہی برتے اور اس کا عادی بن جائے تو یہ گناہِ کبیرہ شمار ہوگا، خواہ وہ ان کپڑوں میں نماز پڑھے یا دوسرے کپڑوں میں، اس لیے کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ عام احوال میں بھی پاک رہنا شرعاً مطلوب ہے اور نجاستوں سے آلودہ رہنا مکروہ ہے، اور پیشاب سے نہ بچنے کا یہ گناہ اگرچہ صغیرہ ہے لیکن جب اصرار کرکے اس کا عادی بن جائے تو وہ کبیرہ شمار ہوگا، حتیٰ کہ وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔ والعیاذ اللہ۔

"لَا يَسْتَتِرُ" ...... ایک روایت کے الفاظ ہیں: "لَا يَسْتَنْزِهُ" اور ایک روایت میں ہے: "لَا يَسْتَبْرِئُ". بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگیا کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ پیشاب کے وقت اپنا ستر نہیں چھپاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ کچھ فرق کے ساتھ اِن تمام الفاظ کا حاصل ایک ہے، چنانچہ عدمِ استتار کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے اور پیشاب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں رکھتا تھا اور پیشاب کے چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا جس سے وہ چھینٹے اس پر اُڑتے تھے۔ اور استنزاہ واستبراء کے معنیٰ مسنون طریقے پر استنجا کرنا ہے، یعنی وہ طریقہ اپنانا جس سے لوگ پیشاب کے قطرات کو روکتے ہیں، مثلاً کھانسنا، ایک دو قدم چلنا، اور سختی سے کھینچنا جیسا کہ ابن ماجہ کی مرفوع روایت میں ہے، لیکن یہ طریقہ اطباء کے نزدیک نقصان دہ ہے۔

چنانچہ اگر میری بات صحیح ہے تو آخری دونوں مفہوم (استنزاہ و استبراء) کے مطابق حدیث صرف انسانوں کے پیشاب پر منحصر ہے، اور اِس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص استنجا کرنے میں اور پیشاب کے قطرات کو روکنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتا تھا، لہٰذا اِس لا پرواہی کے سبب وہ عذاب میں مبتلا ہوا۔ اور پہلے مفہوم (عدمِ استتار) کے مطابق مطلق پیشاب مُراد لینا صحیح ہے جو انسان وغیر انسان تمام کے پیشاب کو شامل ہے، کیوں کہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا تمام پیشاب میں متحقق ہوسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس شخص کو پیشاب میں لا پرواہی برتنے کے سبب عذاب ہورہا ہے۔

پیشاب کا بطورِ خاص عذابِ قبر میں دخل:

پھر میں نے عذابِ قبر میں پیشاب کی خصوصیت کی وجہ تلاش کی تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ اس سے انسانوں کا پیشاب مُراد ہے یا مطلق پیشاب؟ اگر عذابِ قبر انسانوں کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے تو حدیث انسانوں ہی کے پیشاب پر منحصر رہے گی اور اگر عذابِ قبر عام پیشاب کی وجہ سے ہے تو اس کے عموم کی وجہ سے حدیث بھی عام ہوگی۔ لیکن مجھے تلاش کے بعد صرف شرحِ ہدایہ میں یہی ملا کہ یوم قیامت میں بندے سے سب سے پہلا سوال نماز کے متعلّق ہوگا، لہٰذا اس کی مناسبت یہی ہے کہ قبر میں بھی پہلا سوال طہارت کے متعلّق ہو، اس لیے کہ عالم برزخ حشر سے مقدّم ہے اور طہارت نماز سے مقدّم ہے، چنانچہ آخرت کی سب سے پہلی منزل (قبر) میں شرائط نماز کے متعلّق سوال کی مناسبت ظاہر ہے۔

مجھے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ عذابِ قبر میں کسی خاص پیشاب کا دخل نہیں ہے، بلکہ تمام ہی نجاستیں عذابِ قبر کا سبب ہیں، اس لیے کہ ملائکہ کو ان کی پاکیزہ طبیعتوں کی وجہ سے نجاستوں سے تکلیف ہوتی ہے، اور قبر میں معاملہ ملائکہ کے ساتھ ہوگا، اس لیے ان کی جانب سے عذاب ہوگا، کیوں کہ ملائکہ طہارت سے مانوس ہوتے ہیں اور نجاست سے دور رہتے ہیں، اور پیشاب حسی طور پر نجس ہے تو چغلی معنوی طور پر نجس ہے، کیوں کہ وہ مُردار بھائی کا گوشت ہے۔

اور پیشاب کو بطورِ خاص ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لید، گوبر، انسانوں کا پاخانہ اور اس طرح کی دیگر گندگیوں سے فطری طور پر ہر عالم و جاہل بچتا ہے اور اِن چیزوں سے آلودگی کو کم ہی برداشت کرتا ہے، جب کہ پیشاب کی عام اہل عرب پرواہ نہیں کرتے تھے، جیسا کہ شارحین نے دیہاتی کے مسجد میں پیشاب کرنے کے واقعے میں صراحت فرمائی ہے کہ اس دیہاتی کا مسجد میں پیشاب کرنا اُن اہل عرب کی لا پرواہی کی عادت کی وجہ سے تھا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ".

تخفیفِ عذاب کی وجہ:

"مَا لَمْ تَيْبَسَا" ...... تخفیف عذاب کی وجہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ٹہنی کی تسبیح کا اثر ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا وقت خشک ہونے تک کا اس لیے بیان فرمایا کہ خشک ہوجانے کے بعد ٹہنی کی تسبیح نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ ہے کہ تخفیف عذاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی برکات کی وجہ سے تھا۔ اور مسلم شریف کے اخیر میں اس طرح کا واقعہ مروی ہے، اس میں اِن دونوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی صراحت ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں اِن دونوں قبروالوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مروی ہے کہ "فأحببت، بشفاعتي، أن يرفه عنهما، ما دام الغصنان رطبين" (صحيح مسلم، رقم:۳۰۱۲) "میری شفاعت قبول ہوئی ہے کہ جب تک یہ دونوں ٹہنیاں تر رہیں گی اِن دونوں سے عذاب اٹھالیا جائے گا۔" اس میں صراحت ہے کہ تخفیف عذاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے ہے، ٹہنی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، ٹہنی کا خشک نہ ہونا صرف تخفیف عذاب کی مدّت بیان کرنے کے لیے ہے، لہٰذا وقت مقرّر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ٹہنی خشک ہونے کے بعد تسبیح بیان نہیں کرتی، بلکہ خشک ہونے تک کی مدّت تخفیف عذاب کے لیے بیان کی گئی ہے۔

پھر حافظ ابن حجر اور علّامہ عینی رحمہما اللہ نے یہ بحث فرمائی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں یا ایک ہی واقعہ ہے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اِس باب میں مدینہ منورہ کے دو مسلمانوں کا قصّہ ہے، جب کہ مسلم کے اواخر میں جو مروی ہے وہ کسی سفر میں دو کافر شخصوں کا قصّہ ہے، آپ نے یہ اختیار فرمایا ہے کہ کافر کو مکمّل نجات نصیب نہیں ہوگی، البتہ عذاب میں تخفیف ہوگی۔ جب کہ علّامہ بدالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں واقعے ایک ہی ہیں۔

رہا مسئلہ قبروں پر خوشبودار پودے ڈالنے کا، تو فتاویٰ ہندیہ میں "مطالب المؤمنین" سے منقول ہے کہ حدیث الباب کو دلیل بناتے ہوئے یہ جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ لغو اور بے کار بات ہے۔ علّامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں پر لوگ جو کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے جیسا کہ نووی میں ہے۔ اور "مطالب المؤمنین" کے مصنّف قابل اعتماد اکابر میں سے نہیں ہیں۔

اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اگر تسبیح عذاب کی تخفیف میں مؤثّر ہے تو کیا ٹہنی کے خشک ہوجانے کے بعد تسبیح منقطع ہو جاتی ہے؟ کیوں کہ یہ آیت کریمہ: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ [الإسراء: ٤٤] کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے۔

درخت ونباتات کی تسبیح کے متعلّق بحث

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ﴾ [الإسراء : ٤٤] کے تحت مفسرین نے کچھ آثار ذکر کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح ایک وقت کے بعد منقطع ہوجاتی ہے، حالانکہ آیت کریمہ سے عموم معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ان آثار میں یہ منقول ہے کہ کپڑا جب تک سفید ہو تسبیح کرتا رہتا ہے اور جب میلا ہوجاتا ہے تو پھر تسبیح نہیں کرتا، اسی طرح پانی جب تک بہتا رہتا ہے تسبیح کرتا ہے اور جب ٹھہر جاتا ہے تو اس کی تسبیح رُک جاتی ہے، اسی طرح عورت بھی جب حائضہ ہوتی ہے تو تسبیح بیان نہیں کرتی، گدھا اور کتّا تو سِرے سے تسبیح نہیں کرتے، یہیں سے مجھے اِن دونوں کے نمازی کی نماز توڑنے کی وجہ سمجھ میں آئی، لہٰذا جب ان کے درمیان سترہ حائل ہو تو ان کا گزرنا مضر نہیں ہے، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غضب ناک ہوکر فرمایا تھا کہ ''قدْ شَبَّهْتُمُونَا بالحَمِيرِ والْكِلَابِ'' (صحيح مسلم، رقم:٥١٢) ''تم نے ہمیں کتوں اور گدھوں کے مُساوی سمجھ رکھا ہے۔'' اور حائضہ کی قید اگرچہ عام طرق میں نہیں ہے لیکن ابوداود کی روایت میں ہے کہ ''يقطعُ الصلاةَ المرأةُ الحائضُ والكلبُ'' (سنن أبي داود، رقم:٧٠٣) ''حائضہ عورت اور کتّے کا گزرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔'' اور محدثین میں سے مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آیا جس کی توجّہ اس نکتے کی جانب گئی ہو۔

میری رائے یہ ہے کہ اسی وجہ سے وقوعِ نجاست کی بِنا پر کپڑا نجس ہوجاتا ہے، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے، یہی حال پتھر کا بھی ہے کہ اگر اپنی جگہ برقرار ہو تو تسبیح کرتا ہے اور جب ہٹایا جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا اور درخت بھی جب تک تَر ہوتا ہے تسبیح کرتا ہے اور جب خشک ہوجائے تو تسبیح نہیں کرتا۔

مجھے جو بات سمجھ میں آتی ہے (واللہ اعلم) وہ یہ کہ یہ تمام اشیاء دونوں حالتوں میں تسبیح بیان کرتی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے، البتہ اِن کی تسبیح کی نوعیت بدل جاتی ہے، کیوں کہ کپڑے کا میلا ہوجانا، پانی کا ٹھہر جانا، درخت کا کٹ جانا اور پتھر کا اُکھڑ جانا اِن اشیاء کی موت ہے، اسی طرح انسان بھی جب تک زندہ ہو ایک طرح کی تسبیح بیان کرتا ہے، پھر جب وہ مرجاتا ہے اور مٹّی ہوکر اس کے اجزاء عناصر سے مل جاتے ہیں تو وہ زندہ انسانوں کی طرح تسبیح بیان نہیں کرتا بلکہ عناصر کی تسبیح بیان کرتا ہے، تو اس کی تسبیح کی نوعیت بدل جاتی ہے، یہ نہیں کہ وہ سِرے سے تسبیح بیان کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک میں یہ صراحۃً بیان کیا گیا ہے کہ ہر نوع کی تسبیح علاحدہ ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسۡبِیۡحَہٗ ؕ﴾ [النور:٤١] اسی طرح عام آیات سے استغراق معلوم ہوتا ہے، صرف ایک آیت سے تخصیص معلوم ہوتی ہے، چنانچہ سجدے کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿وَكَثِیۡرٌ حَقَّ عَلَیۡہِ الۡعَذَابُ ؕ﴾ [الحج:١٨] سجدہ اور

تسبیح ایک ہی نوع کے ہیں۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے "الفصوص" میں فرمایا ہے کہ "کافر کا ڈھانچہ تسبیح بیان نہیں کرتا لیکن اس کے اجزاء تسبیح کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اِن کی مُراد بھی وہی ہے جو ہم نے کہا کہ ہیئت وحدانیہ تسبیح نہیں کرتی البتہ مُردہ انسان کے اجزائے عنصر یہ اپنی طرح تسبیح بیان کرتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ تَر درخت نباتات کی طرح تسبیح بیان کرتے ہیں، اور جب وہ خشک ہو جاتے ہیں تو جمادات کی طرح تسبیح بیان کرتے ہیں۔ "مَا لَمْ تَيْبَسَا" کی یہی مُراد ہے۔

اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط﴾ [الحج:۱۸] میں صراحۃً استثناء نہیں ہے، کیوں کہ استثناء حکم سے خارج کرنے کے لیے ہوتا ہے، جس کے لیے اہل عرب لفظ "إِلَّا" استعمال کرتے ہیں، بلکہ آیت کریمہ میں یہ خاص ہے جو حکم عام کی نقیض کے طور پر وارد ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ [الإسراء : ٤٤] لہٰذا اس میں استثناء نہیں بلکہ تعارض کی جانب اشارہ ہے۔

پھر میں یہ کہتا ہوں کہ عذابِ قبر اُن کیفیات کی طرح ہوتا ہے جو انسان اپنی زندگی میں تنگی اور انشراح کی صورت میں دیکھتا ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی نیند میں خود کو دیکھے کہ وہ نجاستوں سے آلودہ ہے تو اسے کدورت محسوس ہوگی، دِل میں تنگی محسوس ہوگی اور یہ وقت اسے دراز معلوم ہوگا، اسی طرح قبر میں جب انسان خود کو نجاست سے آلودہ دیکھے گا تو اسے نفرت ہوگی اور غیبت شاید گوشت کی صورت اختیار کرے گی اور اس طرح اسے عذاب ہوگا۔ علّامہ صلاح الدین صفدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

شَرُّ الوَرىٰ بِمَسَاوِئِ النَّاسِ مُشْتَغِلٌ مِثْلَ الذُّبَابِ يُرَاعِيْ مَوْضِعَ العِلَلِ

"لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جو لوگوں کی عیب جوئی میں مشغول رہتا ہے، اس مکھی کی طرح (ہوتا ہے) جو گندگی کی جگہ تلاش کرتی رہتی ہے۔"

تمام حیوانات میں مکھی اور کتّے کی طرح نجاستوں کے پیچھے پڑے رہنے والا اور کوئی جانور میں نے نہیں دیکھا، نیز کتّے میں اور بھی کچھ باتیں ہیں، مثلاً اس کی عادت ہے کہ وہ برتنوں میں منہ مار دیتا ہے، جس کسی بھی برتن کے پاس سے وہ گزرتا ہے تو اس کو سونگھ کر منہ مارتا ہے، انسان پر حملہ کرنا بھی اس کی عادت ہے، پھر جب انسان اسے لاٹھی لے کر ہانکتا ہے تو بھاگ جاتا ہے، پھر کچھ دیر غافل رہتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ یہی حال شیطان کا بھی ہے کہ وہ انسان کی تاک میں رہا کرتا ہے، جب بھی کوئی موقع پاتا ہے تو رخنہ ڈال دیتا ہے، اسی طرح ذکر شیطان کے لیے ایسا ہے جیسے کتّے کے لیے لاٹھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾[الأعراف : ۲۰۱]

''بے شک جن لوگوں نے پرہیز گاری اختیار کی ہے، جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی چھو لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگتے ہیں، سو اسی وقت ان کی (بصیرت کی) آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کو ہنکا دینے والا ہے، قلب کی حیات ہے۔ الغرض وہ ابلیسی عادات جو انسان میں ہوتی ہیں وہی قبر میں صورتِ مثالیہ بن جاتی ہیں، جن سے عذاب میں اضافہ ہوتا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ عذابِ قبر محض خیالات ہیں، جیسا کہ بعض ملاحدہ کی بکواس ہے، بلکہ میں صرف کچھ مثالوں کے ذریعے کیفیت عذاب کو فہم کے قریب کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ قبر میں عذاب ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔



٥٨ - بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ: "كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ". وَلَمْ يَذْكُرْ سِوىٰ بَوْلِ النَّاسِ.

---

٢١٧ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهٖ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهٖ".

ترجمہ: یہ باب پیشاب کو دھونے کے بیان میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”وہ پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو میں پانی لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دھوتے۔“



۵۹ - بَابٌ

۲۱۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ". ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ، فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. قَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟" قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا".

قال ابن المثني، وحدثنا وكيع" قال: حدثنا الأعمش" قال: سمعت مجاهداً مثله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر دو قبروں سے ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِن دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی چیز کے بارے میں عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ایک تر ٹہنی کو لے کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر ایک کی قبر میں ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ عمل کیوں انجام دیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُمید ہے کہ دونوں ٹہنیاں خشک ہونے تک دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔

راوی ابن المثنیٰ فرماتے ہیں کہ "حضرت وکیع نے ہمیں حدیث بیان فرمائی کہ ہمیں اعمش نے حدیث بیان فرمائی کہ میں نے حضرت مجاہد کو اسی کے مانند روایت کرتے ہوئے سنا ہے۔"



کیا "بول" سے انسانی پیشاب مراد ہے؟

اس روایت میں پیشاب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انسانوں کے پیشاب پر منحصر فرما کر اس کی صراحت بیان فرمادی، مطلق پیشاب مُراد نہیں لیا ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیا ہے۔ اور اِس

صورت میں آپ کے نزدیک "لَا يَسْتَتِرُ مِنَ البَوْلِ" یہ صرف انسانوں کے پیشاب پر منحصر ہوگا، بلکہ آپ کے تراجم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک انسانوں کے پیشاب کے سِوا دوسرے تمام پیشاب پاک ہیں۔ شارحین یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے داود ظاہری کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ انسان، خنزیر اور کتّے کے پیشاب پاخانے کے سِوا دیگر تمام جانوروں کا پیشاب و پاخانہ پاک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ماقبل کے باب میں یہ بات گزر چکی کہ لفظ ''استنزاہ'' اور ''استبراء'' اس بات کی جانب مشیر ہیں کہ اس سے مُراد انسان کا پیشاب ہے، کیوں کہ استنزاہ اور استبراء انسان کے پیشاب ہی میں ممکن ہے، لہٰذا اس حدیث میں لفظ استنزاہ اس جانب اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے مُراد خاص طور پر انسانی پیشاب ہے، اور اِس صورت میں اِس حدیث کو دیگر تمام پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل قرار دینا درست نہ ہوگا۔

اور اِس سے انسانی پیشاب ہی مُراد ہونے پر دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں روایت ہے کہ جب انھیں پیشاب لگ جاتا تھا تو وہ اپنی چمڑی کے اس حصے کو کاٹتے تھے۔ علّامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ چمڑی کو کاٹنے سے مُراد کپڑے کو کاٹنا ہے نہ کہ جسم کو، کیوں کہ یہ بعید ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے بعض عبارتوں میں جسم کو کاٹنا بھی پڑھا ہے، پھر میں نے مصنّف ابن ابی شیبہ میں پڑھا کہ ''أَوَ مَا علمْتُمْ ما أصابَ صاحبَ بني إسرائيلَ كانَ الرجلُ مِنْهُمْ إذَا أصابَه الشيءُ مِنَ البولِ قرضَهُ بالمقراضِ فنَهَاهُمْ عن ذلِكَ فعُذِّبَ في قبرِهِ'' (مصنف ابن أبي شيبة: ج ۳، ص: ۳۷۶، رقم: ۱۲۱٦۵) ''بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ وہ دنیا میں پیشاب لگے ہوئے کپڑے کو کاٹیں، اور چمڑی کے کاٹے جانے کا عذاب انھیں قبر میں ہوگا۔'' میرا خیال یہ ہے کہ اِس اُمّت پر بھی اس کا کچھ اثر باقی ہے، اگر چہ کچھ تخفیف کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

انسانی پیشاب مُراد ہونے پر تیسرا قرینہ یہ ہے کہ رواۃ اِس روایت کو انسانی پیشاب کے بارے میں نقل کرتے ہیں، یعنی جب وہ اِس حدیث پر بحث کرتے ہوئے سوال و جواب کرتے ہیں تو اِس سے انسانی پیشاب مُراد لیتے ہیں، اس سے تائید ہوتی ہے کہ رواۃ کے نزدیک یہ حدیث انسانی پیشاب پر محمول ہے، لیکن چوں کہ میرے پاس اِس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے میں نے دونوں جانب کی رعایت کی ہے، چنانچہ رواۃ کے نقل کی بنیاد پر میں کہتا ہوں کہ اس سے انسانی پیشاب مُراد ہے، جو کہ مرادِ اوّلی ہے، اور دلیل تخصیص نہ ہونے کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ اس سے مطلق پیشاب مُراد ہے، جو کہ مُرادِ ثانوی ہے۔ اور میرے نزدیک یہ گنجائش ہے کہ ایک شئے اپنی مُرادِ اوّلی کے اعتبار سے خاص ہو اور مُرادِ ثانوی کے اعتبار سے عام ہو۔ نیز انسانی اور غیر انسانی پیشاب کے درمیان کوئی وجہ فرق نہیں ہے، لہٰذا غیر انسان کا

پیشاب بھی اس کے ساتھ حکم میں ملحق ہوگا۔

اور میرے نزدیک یہ مصداق کا تعدد ثابت ہے، جس پر ''التلویح'' کے بعض شرّاح کے سوا کسی کی توجّہ نہیں ہے، چنانچہ شارح تلویح فرماتے ہیں کہ انگوری شراب یہ خمر کا اوّلین مصداق ہے، اور جمہور جو کہہ رہے ہیں وہ اس کا مصداقِ ثانوی ہے۔ یہی بات میں پیشاب کے بارے میں کہتا ہوں۔

ایک اصولی قاعدہ اور اس پر تفریع:

پھر میرا کہنا ہے کہ جب حکم کسی اسم پر وارد ہو جس کے بعض مصداقات کثیر الوقوع ہوں، پھر حدیث اِس بعض کثیر الوقوع مصداق کو کسی حکم کے ساتھ خاص کر دے تو کیا حکم صرف اِس بعض پر منحصر رہے گا یا مطلقاً اُس اسم پر دائر ہوگا؟ ظاہر ہے کہ حکم مطلقاً اسم پر دائر ہوگا، بعض پر منحصر نہیں رہے گا، اس لیے کہ جب انحصار کثرتِ وقوع کی وجہ سے تھا تو تخصیص کا کوئی مطلب نہیں، اور یہاں بھی اسی طرح ہے کہ عذاب دیے جانے کا حکم اگرچہ انسانی پیشاب پر منحصر ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے، مگر خاص طور پر انسانی پیشاب کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ زیادہ تر معاملہ اسی کے ساتھ پیش آتا ہے، لہٰذا حکم اس پر منحصر نہیں رہے گا بلکہ دیگر تمام پیشاب میں بھی متعدی ہوگا۔ اِس صورت میں سابق تقریر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

علمائے اصول نے مصداق کے تعدد کو ذکر نہیں کیا ہے، البتہ انھوں نے عُرف کو لفظی اور عملی میں تقسیم فرمایا ہے، عُرفِ لفظی یہ ہے کہ لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے اس پر دلالت کرے۔ اور عُرفِ عملی یہ ہے کہ جس کے بعض مصداقات پر عمل ترک کر دیا گیا ہو، اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ اُن بعض مصداقات کو شامل ہو، مثلاً لفظ ''لحم'' کا اطلاق عرف میں مچھلی کے گوشت پر نہیں ہوتا، اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ ''لحم'' اُس گوشت کو بھی شامل ہے، لہٰذا علمائے اصول نے عرفِ لفظی کا مطلقاً اعتبار کیا ہے، اور کبھی عرفِ عملی کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور اس کو خاص قرار دیتے ہیں، جیسا کہ لفظ ''لحم'' میں کیا ہے، چنانچہ جو شخص یہ قسم کھائے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا، تو وہ مچھلی کا گوشت کھانے کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا۔

میں اِس جیسے مواقع میں مراتب قائم کرنے کا قائل ہوں اور کہتا ہوں کہ مسمّٰی کے بعض افراد میں احکام مختلف ہوں گے، چنانچہ ''لحم'' کے معنیٰ میں چند مراتب ہیں جن میں متکلم کے لیے گنجائش ہے کہ بعض کو مُراد لے اور بعض کو چھوڑ دے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے۔ حالانکہ اقامت مراتب کی اہمیت کے باوجود علمائے اصول نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔

اور نور الانوار کے حاشیے میں مستدرکِ حاکم سے جو مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تدفین سے

فارغ ہوئے اور وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اہلیہ کے پاس آ کر سوال فرمایا، تو انھوں نے عرض کیا کہ وہ بکریاں چراتے تھے اور اُن بکریوں کے پیشاب سے بچتے نہیں تھے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''پیشاب سے بچتے رہو۔'' مجھے یہ روایت نہ مطبوعہ نسخے میں مل سکی اور نہ ہی میرے پاس موجود قلمی نسخے میں مل سکی۔ اگر یہ روایت ثابت ہو تو اِس باب میں فیصلہ کن شمار ہوگی۔ عن قریب اس پر مزید کلام "بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ والمَاءِ" کے تحت آئے گا۔



٦٠ - بَابُ تَرْكِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسِ الْأَعْرَابِيَّ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ

۲۱۹ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَىٰ أَعْرَابِيًّا يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: "دَعُوهُ". حَتّٰى إِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر تمام لوگوں نے دیہاتی شخص کو (مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھ کر) نظر انداز کیا، حتیٰ کہ وہ مسجد میں پیشاب کر کے فارغ ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دیہاتی کو دیکھا جو مسجد میں پیشاب کر رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، حتیٰ کہ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ نے پانی منگوا کر پیشاب پر بہا دیا۔''



شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسجد میں پیشاب کر دے تو بہتر طریقہ کیا ہے؟ یہاں مسئلۂ تطہیر کو ذکر نہیں فرمایا ہے۔ اور یہ "بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يُغْتَسَلُ بِهِ شَعْرُ الْإِنسَانِ" کے تحت گزر چکا ہے۔



٦١ - بَابُ صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ

۲۲۰ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: "دَعُوهُ وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ".

ترجمہ: یہ باب مسجد میں پیشاب پر پانی بہانے کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کیا، لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو، (راوی کو شک ہے لفظ "سَجْلًا" فرمایا یا "ذَنُوْبًا") تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، مشکل پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''



یہی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔



٦٢ - بَابٌ: يُهرِيقُ الْمَاءَ عَلَى الْبَوْلِ

۲۲۱ - حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ: وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ، فَزَجَرَهُ النَّاسُ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَضَىٰ بَوْلَهُ، أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ، فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ".

ترجمہ: یہ باب پیشاب پر پانی بہانے کے بیان میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ایک دیہاتی نے آکر مسجد کے کونے میں پیشاب کر دیا، لوگ اسے منع کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں روک دیا، جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈول پانی منگوایا، جو اُس پیشاب پر بہایا گیا۔''



سطح اور اوپری حصّہ پانی بہانے سے پاک ہوتا ہے اور اندرونی حصّہ خشک ہونے یا کھودنے سے پاک ہوتا ہے، اس لیے کہ جب پانی بہایا جائے گا تو وہ مائے جاری کے حکم میں ہوگا۔

ایک فقہی مسئلہ

یہاں یہ جان لیں کہ ہماری فقہ میں ایک عجیب مسئلہ مذکور ہے کہ پانی کے دو ڈول میں سے ایک ناپاک ہو اور دوسری پاک ہو اور دونوں کو اوپر کی جانب سے ایک ساتھ بہایا جائے تو گرنے والا سارا پانی بہنے کی وجہ سے پاک شمار ہوگا، اِس مسئلے کو پڑھنے والا یہی خیال کرتا ہے کہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، کوئی اختلاف نہیں ہے، حالانکہ یہ مسئلہ ہمارے نزدیک ایک دوسری مختلف فیہ اصل پر مبنی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بہنے کے لیے کثرت سے پھیلاؤ شرط ہے یا نہیں؟ تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ مائے جاری اسی وقت کہا جائے گا جب اس میں کثرت سے پھیلاؤ ہو، جب کہ بعض حضرات نے اسے مطلق رکھتے

ہوئے صرف بہاؤ کی وجہ سے مائے جاری کہا ہے، پھر فقہاء اس مسئلے کی تفریع اِن حضرات کے قول کے مطابق بیان کرنے لگے جنھوں نے مائے جاری ہونے کے لیے کثرت سے پھیلاؤ کی شرط نہیں لگائی ہے، جیسا کہ مذکورہ مسئلے میں آپ نے دیکھا، تو اِس مسئلے کو دیکھنے والا جب مختلف فیہ اصل سے ناواقف ہو تو اسے متفق علیہ مسئلہ سمجھ لیتا ہے۔ اسے خوب یاد رکھیں۔

"طَائِفَةٍ مِنَ المَسْجِدِ"...... "النَّاحِيَة" کا ترجمہ میرے نزدیک ''یکسو'' ہے، اور اسی معنیٰ کے مطابق مؤطا امام محمد میں یہ روایت ہے:

"أَحْسِنْ إِلىٰ غَنَمِكَ، وَأَطِبْ مُرَاحَهَا، وَصَلِّ فِي نَاحِيَتِهَا، فَإِنَّهَا مِنْ دَوَابِّ الْجَنَّةِ". (موطأ مالك برواية محمد / الصلوٰة في مرابض الغنم / الرقم: ۱۷۹)

''تم اپنی بکریوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کی جگہوں کو صاف رکھو اور اُس جگہ میں ایک طرف یکسو ہو کر نماز پڑھو، کیوں کہ بکریاں جنّتی جانوروں میں سے ہیں۔''

لہٰذا یہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پاخانے کے نجس ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ اس میں اس سے دور رہتے ہوئے ایک کونے میں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

"أَعْرَابِيٌّ" ...... یہ ذوالخویصرہ تھے، یمن کے رہنے والے تھے، اور دوسرا شخص تمیمی ہے، پہلے شخص نیک ہیں جب کہ دوسرا بدبخت خوارج کا سرغنہ بنا، اس پر علّامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی ہے۔



٦٣ - بَابُ بَوْلِ الصِّبْيَانِ

٢٢٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ".

ترجمہ: یہ باب بچّوں کے پیشاب کے بیان میں ہے۔
اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بچّہ لایا گیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوا کر اس پر ڈال دیا۔"

٢٢٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ".

ترجمہ: حضرت اُمّ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "وہ اپنے ایک چھوٹے بچّے کو جس نے کھانا شروع نہیں کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھایا، اس بچّے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوا کر کپڑے پر چھڑک دیا اور اسے دھویا نہیں۔"

شیر خوار بچّے کے پیشاب کو پاک کرنے کے طریقے میں اختلاف:

علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کی جانب یہ مسئلہ منسوب کیا ہے کہ اُس بچّے کا پیشاب جس نے کھانا شروع نہ کیا ہو

اُن کے نزدیک پاک ہے۔ لیکن شوافع نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ پیشاب ہمارے نزدیک ناپاک ہے، مگر اسے پاک کرنے کے لیے صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شوافع کا مذہب یہ ہے کہ جب ایسے بچّے کے پیشاب پر پانی چھڑک دیا جائے تو کپڑا پاک ہوجائے گا، اگرچہ اس سے ایک قطرہ بھی نہ ٹپکے، کیوں کہ پانی چھڑکنے کی وجہ سے پیشاب مغلوب ہوگیا۔ اور اِس صورت میں اگر علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کی جانب اِس پیشاب کا پاک ہونا منسوب کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ جب نجاست کچھ بھی لے کر باہر نہیں نکلی تو محض مغلوب ہوجانے سے وہ پاک کیسے ہوسکتی ہے؟

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ایسے بچّے کا پیشاب بھی دیگر نجاستوں کی طرح ناپاک ہی ہے، مگر اس کو دھونے میں ہر مرتبہ رگڑ کر اور نچوڑ کر مبالغے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ شیر خوار بچّے کے پیشاب میں رخصت یعنی آسانی ہے، اور یہی احادیث کا تقاضا ہے، چنانچہ اس کے بارے میں پانچ الفاظ روایتوں میں وارد ہیں: "أَتْبَعَهُ بَوْلَهُ، رَشَّهُ، نَضَحَهُ، صَبَّهُ، لَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلاً" جیسا کہ مسلم شریف میں ہے، اور آخری "وَلَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلاً" یہ تاکید سے دھونے کی نفی کی صراحت کررہا ہے۔

علّامہ ابوالحسن ابن عصفور رحمۃ اللہ علیہ نے امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''الکتاب'' کے حاشیے میں تحریر فرمایا ہے کہ عربی زبان میں چوں کہ مجازی معنیٰ کی سرایت زیادہ ہے اس لیے اہلِ عرب نے اسے دفع کرنے کے چند طریقے وضع کیے ہیں، جن میں سے ایک طریقہ تاکید کا ہے، لہٰذا ہمارا "جاءَنِيْ، جاءَنِي" کہنا اس بات کی وضاحت کے لیے ہوگا کہ یہاں فعل مجئ حقیقۃً مُراد ہے، اس کے مقدّمات مُراد نہیں ہیں، اسی طرح ہمارا یہ کہنا کہ "جاءَنِيْ أَمْسِ أَمْسِ" یہ وقت کے متعلّق مجازی معنیٰ کو دفع کرنے کے لیے ہے۔ نیز اہلِ عرب نے کہا ہے کہ فعل میں مجازی معنیٰ کے وہم کو دور کرنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مفعولِ مطلق کے ذریعے تاکید بیان کی جائے، اِس اصل کے مطابق روایت کے الفاظ: "لَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلاً" تاکید اور مجازی معنیٰ کے وہم کو دور کرنے کے لیے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے باضابطہ طور پر نہیں دھویا، راوی یہاں لفظ ''رش'' اور ''نضح'' لاکر یہی مُراد لے رہے ہیں، چنانچہ نفی واثبات مآل کے اعتبار سے ایک ہوں گے کہ نفی سے غسل مؤکد کی نفی مُراد ہے اور امر سے مُراد صرف پانی چھڑکنا وغیرہ ہے۔

پھر الفاظِ روایت مختلف ہوں تو تمام الفاظ کی رعایت کرتے ہوئے مسئلہ اخذ کرنا چاہیے، تو جن حضرات نے صرف لفظ ''نضح'' اور ''رش'' کو دیکھا ان کی نظر ضروری معنیٰ تک نہیں پہنچی۔ بچّے کے پیشاب کو پاک کرنے کے بارے میں روایات کے الفاظ مختلف اس وجہ سے ہیں کہ اِس کے دھونے میں تاکید نہیں ہے، لہٰذا حکم میں تخفیف ہوگئی، جس کو راوی

نے کبھی ''نضح'' اور ''رش'' سے تعبیر کیا اور کبھی ''صب'' (بہانا) سے تعبیر کیا ہے، تو یہ محض ایک تعبیر اور طرزِ بیان ہے، کوئی باضابطہ مسئلہ نہیں ہے، اور اس طرح جب حکم میں تخفیف ہو تو ہر طریقے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی سے اِس مسئلے میں آسانی معلوم ہوتی ہے۔

پھر الدرّ المختار کے ایک مسئلے میں غلطی ہے، وہ یہ کہ کپڑا جب ٹب (بڑے برتن) میں دھویا جائے تو نچوڑنے کی شرط ہے، ورنہ نچوڑے بغیر صرف پانی بہا دینا بھی کافی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل صاف غلطی ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ نجاست مرئیہ کے بارے میں ہے جسے صاحب درّ مختار نجاست غیر مرئیہ میں لے گئے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ پر مجھے تعجب ہے کہ آپ نے یہاں صاحب درّ مختار کا تعاقب نہیں فرمایا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری طرح لفظ ''رش'' کا جواب دیا ہے کہ ''نضح'' سے مُراد کپڑے پر پانی بہانا ہے، اہل عرب اس کو بھی نضح کہتے ہیں، اسی قبیل سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "إِنِّيْ لَأَعْرِفُ مَدِيْنَةً يَنْضِحُ الْبَحْرُ بِجَانِبِهَا." ''میں ایک شہر کو جانتا ہوں جس کے کنارے سمندر بہتا ہے۔'' اس میں بھی ''نضح'' سے چھڑکنے کے معنیٰ مُراد نہیں ہیں، بلکہ مُراد یہ ہے کہ اس شہر کے کنارے کے ساتھ سمندر لگ کر بہتا ہے۔

نضح اور ''صب'' کے معنیٰ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں کہ ''نضح'' کے معنیٰ اصل میں الگ الگ وقت میں تھوڑا تھوڑا پانی بہانا ہے، جب کہ ''صب'' کے معنیٰ ایک ہی مرتبہ میں پانی بہا دینا ہے، اسی وجہ سے وہ اونٹ جس پر کھیتی کو سیراب کرنے کے لیے پانی لادا جاتا ہے اسے ''الناضح'' کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا کر کے پانی لاتا ہے، اگرچہ پانی زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا انصاف کی بات یہ ہے کہ کپڑے میں ''نضح'' کے معنیٰ چھڑکنے کے ہیں، بہانے کے نہیں، اگرچہ سمندر اور اونٹ میں ''نضح'' کے یہ معنیٰ نہیں ہوں گے، اور معنیٰ کا یہ فرق مقام کے فرق کی وجہ سے ہے، لہٰذا سمندر کے لیے ''نضح'' بہنے سے بھی زیادہ ہوگا، لیکن کپڑے میں ''نضح'' ایسا نہیں ہوگا بلکہ چھڑکنے کے معنیٰ میں ہوگا، کیوں کہ ہر شئے کا ''نضح'' اس کے اعتبار سے ہوتا ہے، سمندر میں پانی کی قلّت و کثرت نفسِ لفظ میں مُراد نہیں ہے، بلکہ وہ مقام کی وجہ سے ہے، ''نضح'' کے لغوی معنیٰ تھوڑا تھوڑا پانی چھڑکنا ہے، لیکن سمندر کا ''نضح'' وہ ''صب'' یعنی پانی بہانے کے معنیٰ میں ہوگا۔ اسے خوب سمجھ لیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، آپ نے فرمایا ہے کہ ''احادیث صریحہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تردید

ہورہی ہے۔'' حالانکہ پانچ الفاظ میں سے تین "أَتْبَعَهُ بَوْلَهُ، صَبَّهُ، لَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلاً" امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں ہیں۔ علاوہ ازیں لفظ ''نضح'' حیض کے خون کو پاک کرنے کے بارے میں بھی وارِد ہے جیسا کہ عن قریب آئے گا۔ لیکن وہاں تو کوئی بھی تخفیف کا قائل نہیں ہے، جیسے بچّے کے پیشاب میں تخفیف کے قائل ہیں۔



٦٤ - بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا

یہ باب کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کے بیان میں ہے۔

٢٢٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ، فَبَالَ قَائِمًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ، فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ".

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہوکر پیشاب کیا، پھر آپ نے پانی منگوایا تو میں پانی لے کر حاضر ہوا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا۔'' [1]



شارحین کی توجہ اس جانب ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث کیوں ذکر نہیں فرمائی؟ حالانکہ باب کے عنوان میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ مشہور ہونے کی وجہ سے اس کی تخریج نہیں فرمائی اور ترجمۃ الباب میں عموم اس وجہ سے رکھا تا کہ اقتصار کا وہم دور ہوجائے۔ اور فتاویٰ شامی میں مذکور ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اِس دور میں اس کی گنجائش نہ ہونی چاہیے، اس لیے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا نصاریٰ کا شعار بن چکا ہے، اور یہ عمل مکروہِ تنزیہی سے کم نہ ہوگا۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا تو وہ اعذار پر محمول ہے، چنانچہ مستدرکِ حاکم میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں میں تکلیف تھی اس وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا، اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن احتمال بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اہل عرب کمر کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے کھڑے ہوکر

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے اس باب کی تشریح بعد والے باب کے تحت ذکر ہوگئی ہے، اس لیے اسے یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

پیشاب کرتے تھے۔

سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ "سُبَاطَةٌ" جو کوڑے کے ڈھیر کو کہا جاتا ہے یہ عموماً مخروطی شکل کا ہوتا ہے، لہٰذا اگر اِس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر پیشاب کرتے تو پیشاب لوٹ کر آپ کی طرف آتا۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھروں کے قریب پیشاب کرنا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ ایسے موقع پر دور جانے کی تھی، اس کی وجہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر فرمائی ہے کہ آپ مسلمانوں کے کام میں مشغول تھے، ممکن ہے اس وجہ سے مجلس طویل ہوگئی ہو، اور اسی وقت استنجا کا تقاضا پیش آیا تو دور تک جانا ممکن نہ رہا، اگر دور جاتے تو نقصان ہوتا۔



٦٥ - بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَالتَّسَتُّرِ بِالْحَائِطِ

٢٢٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "رَأَيْتُنِي أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشَىٰ، فَأَتَىٰ سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ، فَقَامَ كَمَا يَقُومُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ، فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ، فَأَشَارَ إِلَيَّ فَجِئْتُهُ، فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ حَتَّى فَرَغَ".

ترجمہ: یہ باب اپنے ساتھی کی موجودگی میں اور دیوار کی آڑ لے کر پیشاب کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ "مجھے یاد ہے کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیوار کے پیچھے کسی قوم کے کوڑے کے ڈھیر کے پاس آئے، پھر آپ کھڑے ہو گئے جیسے تم میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے، پھر آپ نے پیشاب کیا، میں آپ سے دور ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اشارہ فرمایا، تو میں آپ کے پاس آ کر آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استنجا سے فارغ ہو گئے۔"



اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحراء (کھلی جگہ) میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پیشاب کرنا جائز ہے۔
علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "حاشیۃ النسائی" میں فرماتے ہیں وضو میں تثلیث سنّت ہے اور اسے ترک کرنا مکروہِ تحریمی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کبھی کبھی تثلیث کو ترک کرنا آپ کے حق میں موجب ثواب ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیانِ جواز واجب ہے، اور ظاہر بات ہے کہ واجب کو بجا لانا موجب ثواب ہے۔
میں کہتا ہوں کہ ترکِ تثلیث کسی کے لیے بھی میرے نزدیک مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جتنا ترک ثابت ہے اس سے زیادہ نہ ہو اور ترکِ تثلیث کو عادت نہ بنا لے۔
"خَلْفَ حَائِطٍ" ...... یہ دیوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی جانب تھی۔

"فَقَامَ كَمَا يَقُوْمُ" ...... یہ صرف کھڑے ہونے کی تشبیہ ہے۔

"فَأَشَارَ إِلَيَّ" ...... اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں بات نہ کرنی چاہیے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اشارہ فرمایا۔ اور مسلم شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فَقَالَ: ادْنُهْ، فَدَنَوْتُ". ممکن ہے کہ یہ روایت بالمعنیٰ ہو۔ متبادر یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس حالت میں کلام نہیں فرمایا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشاب کرتے ہوئے سلام کا جواب دینے سے منع فرمایا ہے۔ جب کہ استنزاہ، استبراء اور ڈھیلے سے استنجا کرتے وقت سلام کے جواب کی گنجائش رکھی ہے۔ اور مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے استنجا کرتے وقت بھی سلام کے جواب کو ممنوع قرار دیا ہے۔



٦٦ - بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

ترجمہ: یہ باب کسی قوم کے کوڑے کے ڈھیر کے پاس پیشاب کرنے کے بیان میں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ کوڑے کی جگہ پر پیشاب کرنے کے لیے اس کے مالک کی اجازت ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ عرفاً یہ اجازت سب کو ہوتی ہے۔

---

٢٢٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: "كَانَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ وَيَقُولُ: "إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ قَرَضَهُ". فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "لَيْتَهُ أَمْسَكَ، أَتَىٰ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ، فَبَالَ قَائِمًا".

ترجمہ: حضرت ابووائل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیشاب کے بارے میں سختی برتتے تھے اور فرماتے تھے کہ "بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ جب ان میں سے کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس حصے کو کاٹ دیتا تھا۔ اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "کاش! وہ اِس بات سے رُک جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے کوڑے کی جگہ تشریف لائے اور آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔"



"يُشَدِّدُ" ...... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے شیشے کا برتن استعمال فرماتے تھے۔

"قَرَضَهُ" ...... اور بعض صحیح روایات میں "قَرَضَ الجِلْدَ" بھی وارد ہے، جیسا کہ گزرا۔ اور میرے نزدیک یہ ثابت ہے کہ قبر میں چمڑی کا کاٹنا بطورِ عذاب ہوگا، یہ دنیا میں تشریعی حکم نہیں ہے، اگرچہ رواۃ کے الفاظ اس کے خلاف ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ عذاب اِس امّت پر بھی ہوگا، جو بنی اسرائیل کے باقی ماندہ آثار میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ" ...... یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حد تجاوزی پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے تردید ہے، اس میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم نہیں ہے۔



٦٧ - بَابُ غَسْلِ الدَّمِ

ترجمہ: یہ باب خون کودھونے کے بیان میں ہے۔

خون کے ناپاک ہونے پر اجماع ہے اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمے میں لفظ غسل سے تعبیر فرمایا اور یہی تعبیر پیشاب، مذی اور منی کے بارے میں بھی فرمائی ہے: "بَابُ مَا جَاءَ فِيْ غَسْلِ البَوْلِ" جیسا کہ گزرا، نیز آگے آئے گا: "بَابُ غَسْلِ المَذِيِّ وَالوُضُوْءِ مِنْهُ، بَابُ غَسْلِ المَنِيِّ وَفَرْكِهِ". چنانچہ میری رائے کے مطابق یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔ اور ہماری عام کتب فقہ میں مذکور ہے کہ دمِ مسفوح (بہنے والا خون) نجس ہے، لیکن دمِ غیر مسفوح نجس نہیں ہے۔ اس سلسلے میں شارح ''المنیہ'' نے ''الکبیری'' میں بحث فرمائی ہے۔

علّامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ کو ایک رسالے ''الدرر البہیہ'' میں جمع کیا ہے، اس میں ایسے مسائل بیان فرمادیے ہیں کہ اس پر عمل کرنے والے کے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ اس کی مغفرت نہ ہو، اُن مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ حیض کے خون اور انسان کے پیشاب و پاخانے کے سِوا تمام چیزیں پاک ہیں۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ خنزیر کی چربی حرام نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن نے اس کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے، اور چربی گوشت نہیں ہے، لہٰذہ وہ حرام نہیں ہے۔ نعوذ بالله منه.

---

٢٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "جَاءَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: "أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا تَحِيضُ فِي الثَّوْبِ، كَيْفَ تَصْنَعُ؟" قَالَ: "تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ، وَتَنْضَحُهُ، وَتُصَلِّي فِيهِ".

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: ہم میں سے کسی عورت کو کپڑے پہنے ہوئے ہونے کی حالت میں حیض آجائے تو وہ کیا کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کھرچ دے، پھر پانی میں بھگو کر رگڑے اور دھو کر اس میں نماز پڑھے۔''

"وَتَنْضَحُهُ" ...... یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ''نضح'' یہاں تمام کے نزدیک دھونے کے معنیٰ میں ہے، اور بچے کے پیشاب کے بارے میں بھی ہماری مُراد یہی ہے، چنانچہ ہمارے نزدیک طریقۂ تطہیر ایک ہی رہے گا، جب کہ شوافع کے نزدیک طریقہ مختلف ہوگا۔

---

۲۲۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ رَضِيَ اللهُ عَنها إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ، فَلاَ أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ؟" فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لاَ، إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلاَةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ، ثُمَّ صَلِّي". قَالَ: وَقَالَ أَبِي: "ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلاَةٍ، حَتّٰى يَجِيءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے حیض آتا ہے تو رُکتا نہیں ہے، تو کیا میں نماز چھوڑتی رہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''نہیں، وہ رگ کا خون ہے، حیض کا نہیں، لہٰذا جب تمھیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو، اور جب حیض کے دِن ختم ہو جائیں تو خون کو دھو کر نماز پڑھتی رہو۔ (راوی ہشام) فرماتے ہیں کہ میرے والد (حضرت عروہ) نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''پھر تم ہر نماز کے لیے وضو کرو، یہاں تک کہ پھر حیض کا وقت آجائے۔''



"أُسْتَحَاضُ" ...... یہ ہمزہ کے ضمے اور تا کے فتحے کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے، اُسے مجہول ہی پڑھا جائے گا، اس لیے کہ استحاضہ میں عورت کا دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے اسبابِ سماویہ کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ اور یہاں مطلب یہ ہے کہ مجھے مسلسل خون آتا رہتا ہے، رُکتا نہیں ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مُراد اس سے فقہی استحاضہ نہیں ہے، فقہی اعتبار سے استحاضہ ایسا خون ہوتا ہے جو عورت کی عادت سے کم یا زیادہ ہو۔ اہلِ لغت فقہ میں بیان کیے جانے والے خون کی انواع میں فرق نہیں کرتے، لہٰذا وہ "حَاضَتِ الْمَرْأَةُ" اس وقت کہیں گے جب کہ خون عورت کی عادت کے مطابق ہو، اور جب عادت سے بڑھ جائے تو کہتے ہیں: "أُسْتُحِيْضَتْ"۔ فقہائے کرام حیض اور استحاضہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں، جو ان کا

موضوع ہے، لیکن اہل لغت دونوں کے مجموعے کو استحاضہ قرار دیتے ہیں۔

"فَلَا أَطْهُرُ"...... یعنی حسی طور پر پاک نہیں ہو پاتی، اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مُراد طہارتِ شرعیہ نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں حسی طور پر پاک نہیں ہو پاتی اور خون کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے آلودہ رہتی ہوں۔ اور شریعت میں نجاست حسیہ کے ہوتے ہوئے بھی طہارت کا حکم ہوتا ہے، جیسا کہ معذور کے لیے ہے، اور کبھی اس سے برعکس حسی طور پر طہارت پائی جانے کے باوجود نجاست کا حکم لگایا جاتا ہے، مثلاً طہر متخلّل، یہ شرعی اعتبارات ہیں، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مُراد نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی مُراد یہ ہے کہ خون اتنا بڑھ گیا ہے کہ رُکتا نہیں ہے اور اس کی وجہ سے وہ نماز سے رُکی ہوئی ہیں، اور اسی مُراد سے جواب مربوط ہو سکے گا، کیوں کہ اگر انھیں پہلے سے معلوم ہوتا کہ یہ خون استحاضہ کا ہے، تو کوئی اشکال ہی نہ ہوتا، ان کو اشکال اس وجہ سے ہوا کہ جب خون مسلسل جاری رہا تو وہ فرق نہیں کر پائیں کہ یہ حیض ہے یا استحاضہ؟ چنانچہ انھوں نے صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔

"إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ" ...... یہ علت منصوصہ ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ سبیلین کے علاوہ سے نکلنے والی چیز بھی ناقض وضو ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ رَگ کا خون ہے، البتہ اس کا سبیلین میں سے ایک سے نکلنا مقام کی خصوصیت کی وجہ سے ہے، لہٰذا اِس موقع پر سبیلین پر حکم دائر کرنا منطوق کو چھوڑ کر مسکوت پر عمل کرنا ہے، جو آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "إِنَّهُ دَمُ عِرْقٍ" یہ اِس خون کے حیض نہ ہونے کی تاکید ہے، اس کے ناقض وضو ہونے کا بیان نہیں ہے۔ سیاقِ کلام اِس تقریر کے خلاف ہے۔ پھر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خارج من غیر السبیلین کے ناقض وضو نہ ہونے کے بارے میں شوافع کی موافقت فرمائی ہے۔ حالانکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے نقض وضو کی صراحت فرمائی ہے۔ اس کی صراحت پہلے گزر چکی ہے۔

ایام حیض میں خون کے رنگوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

"فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ"...... "حَيْضَةٌ" حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔ اس سے خون کی رنگت کے ذریعے تمیز کی جانب اشارہ ہے۔ جان لیں کہ ایامِ حیض میں ہمارے نزدیک رنگوں کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ سیاہی سے لے کر مٹیالے رنگ تک جو عورت دیکھے وہ تمام حیض شمار ہوگا۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رنگوں کا اعتبار کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے نزدیک گہرے سُرخ اور سیاہ رنگ کا خون حیض شمار ہوگا، اور بقیہ رنگوں کو آپ نے حیض شمار نہیں فرمایا ہے۔

روایت میں لفظ "إِقْبَال" اور "إِدْبَار" سے اِس کی تائید ہو رہی ہے، کیوں کہ اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حیض کے خون میں بذاتِ خود تمیز ہو جاتی ہے، جب بھی وہ آئے گا اور ختم ہوگا تو پتا چل جائے گا، چنانچہ اس معاملے کو خون کے حوالے کرنا اس بات کی جانب مشیر ہے کہ حیض کا خون استحاضہ سے بالذات الگ ہے اور دیگر ماہیات کی طرح اس کی تمیز کی جاسکتی ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ حیض پر اکتفا فرمایا، کیوں کہ حیض ان اشیاء میں سے ہے جس کی تمیز خود بخود ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے: "فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ".

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ الفاظ بلا شبہ شوافع کے موقف سے قریب ہیں، مگر یہ ہمارے مذہب پر بھی صادق آسکتے ہیں، اس لیے کہ عورت کی عادت کے اعتبار سے حیض کا آنا اور ختم ہونا معلوم ہوسکتا ہے، چنانچہ جب حیض کا وقت ہو جائے اور خون آجائے تو حیض کے ایام شروع ہوں گے اور جب حیض کے ایام ختم ہوں گے تو حیض بھی ختم ہوگا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اِس باب میں ایک روایت اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستحاضہ کو مہینے کے جتنے دِن اور رات میں خون آتا ہے ان کی گنتی کا حکم فرمایا ہے، ظاہر ہے کہ یہ عورت کی عادت کے حوالے کیا گیا ہے جس میں خون اور اس کے رنگوں کی کوئی تفصیل نہیں ہے، اگرچہ اس میں بھی شوافع کو گنجائش ہے کہ اِس کو رنگوں کی تمیز پر محمول کریں، مگر متبادر یہی ہے کہ تمیز پر محمول نہ کیا جائے۔

حاصل یہ کہ پہلا عنوان شوافع سے قریب تر ہے اور دوسرا عنوان احناف سے قریب تر ہے، اگرچہ دونوں کو ایک دوسرے پر محمول کر سکتے ہیں، اسی وجہ سے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ترجمۃ الباب اِن الفاظ سے اور دوسرا دیگر الفاظ سے قائم فرمایا ہے، تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ دونوں قسم کے الفاظ دو الگ الگ موقف کے ترجمان ہیں۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: "فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ" اسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جگہ روایت فرمایا ہے اور اس کے معلل ہونے کا اشارہ فرمایا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ''العلل'' میں ہے کہ یہ منکر ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''شرح مشکل الآثار'' میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ یہ مُدرَج ہے۔ پھر بھی اگر ہم تسلیم کرلیں تو یہ اغلب پر محمول ہوگا، اس کا اصلاً اعتبار نہ ہوگا، جیسا کہ شوافع نے سمجھا ہے۔

اور مجھے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں عادت کو مدار بنایا گیا ہے، نہ کہ رنگوں کی تمیز کو، اگرچہ لفظ ''اِقبال و اِدبار'' تمیز سے قریب تر ہیں، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت بعینہٖ "باب إِذا حَاضَتْ فِي شَهرٍ ثلاثَ حِيضٍ وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ" میں ذکر فرمائی ہے، جس میں اِقبال و اِدبار کے بجائے یہ الفاظ ہیں: "وَلٰكِنْ دَعِي الصَّلَاةَ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا"

کہ اِتنے ایام کے بقدر نماز چھوڑ دو جتنے ایام تمھیں خون آتا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ راوی کا مقصد محض عبارت کا تفنن ہے اور "أَقْبَلَتْ وَ أَدْبَرَتْ" سے کسی ایسے معنیٰ کو مُراد نہیں لیا ہے جو "قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا" کے مفہوم سے زائد ہو، چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا معتادہ تھیں جو اپنی عادت کے مطابق حیض کے آنے اور ختم ہونے کو جانتی تھیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ رنگوں کو دیکھ کر تمیز کرتی تھیں، ورنہ راوی ایسی تعبیر اختیار نہ فرماتے جو مُراد کے سمجھنے میں مخل ہو۔

"فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ"...... اس سے آلودگی کو دھونا مُراد ہے، وہ غسل مُراد نہیں جو بالا جماع فرض ہے۔ اور یہی قطعی مُراد ہے، اگرچہ اِس طریق میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور اِس سلسلے میں لفظ "تَوَضَّئِيْ" بھی صحیح ہے، اگرچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تردّد ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حماد بن زید کی حدیث میں ایک لفظ کی زیادتی ہے جس کو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

میری رائے میں یہ زیادتی بلاتردّد صحیح ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثابت فرمایا ہے اور اس کے متابعات بھی ذکر فرمائے ہیں، لہٰذا اس میں کوئی تردّد و تفرد نہیں ہے۔ نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس زیادتی کا اقرار فرمایا ہے۔ پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس سند کی تخریج فرمائی ہے اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور ابن سیّد الناس رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ ترمذی میں اس کو ذکر فرما کر صحیح قرار دیا ہے، نیز ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے ''التمہید'' میں اس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے شاہد بنایا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اِس زیادتی کا اعتراف فرمایا ہے لیکن اس طریق سے مدد نہیں لی ہے، ہم اُن کا ارادہ سمجھ سکتے ہیں، آپ بھی سمجھ جائیے! واللهُ المستعانُ، ولا حول ولا قوة إلا بالله۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس سلسلے میں وضو کا حکم ثابت ہے، پھر یہ حکم ہمارے نزدیک وجوب پر محمول ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استحباب پر محمول ہے، اس لیے کہ یہ معذور کا عذر ہے، جس سے آپ کے نزدیک طہارت ختم نہیں ہوتی، اسی لیے بعض مالکیہ اس زیادتی کو ساقط کرنے پر مصر ہیں۔

معذور کے وضو کا مدار نماز پر ہے یا وقت پر؟

یہاں ایک اور اختلاف ہے کہ معذور کا وضو نماز کے لیے ہے یا نماز کے وقت کے لیے؟ چنانچہ شوافع کے نزدیک معذور کا وضو نماز کے لیے ہے، جب کہ ہمارے نزدیک وقت کے لیے ہے۔ چنانچہ مستحاضہ عورت جو وضو کر لے تو وہ اُس وضو سے وقت میں جس قدر فرائض و نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتی ہے، اِس عذر کی وجہ سے اس کی طہارت باطل نہ ہوگی۔

شوافع نے روایت کے الفاظ: "لِكُلِّ صَلَاةٍ" سے استدلال کیا ہے، جس میں صراحۃً فرمایا کہ معذور کی طہارت کا اعتبار بطورِ خاص نماز کے لیے ہے۔ احناف نے جواباً فرمایا ہے کہ یہاں مضاف مقدّر ہے، جس کا مطلب ہے: "لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ" کہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے۔

میں کہتا ہوں کہ علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''المغنی'' سے لفظ "لِوَقْتِ" روایت کیا ہے، اِس صورت میں اِس کو تاویل نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس تاویل کی ضرورت رہے گی۔ اس لیے کہ اسلامی معاشرت میں کام کے اوقات کو نماز کے نام سے متعین کرنے کا رواج عام ہے، جیسے آپ کہتے ہیں کہ ''میں تمھارے پاس ظہر میں آؤں گا، میں تمھارے پاس عصر میں آؤں گا۔'' جس سے نماز کا وقت مُراد ہوتا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: "لِكُلِّ صَلَاةٍ" اس صورت میں بھی صادق ہے جب کہ طہارت وقت کے لیے ہو، آپ سمجھ گئے ہوں کہ مضاف کو محذوف ماننے اور ہماری اِس تقریر کے درمیان بہت فرق ہے۔ میرے نزدیک فیصلہ کن بات یہی ہے کہ حدیث میں دونوں معنیٰ کی گنجائش ہے، دونوں میں سے کوئی ایک متعین نہیں ہے۔

اور یہ مسئلہ اجتہاد سے متعلّق ہے، اس لیے کہ اگر "لِوَقْتِ صَلَاةٍ" کے الفاظ ثابت ہوں تب بھی بحث یہاں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے بعد بحث سبب کے بارے میں ہوگی کہ سبب نماز ہے یا وقت؟ شوافع کے لیے اس میں بھی گنجائش ہے کہ وہ یہ کہیں کہ لام ظرفیت کے لیے ہے، لہٰذا نماز کا وقت وضو کے لیے سبب نہیں بلکہ ظرف ہے، سبب تو نماز ہے، جیسا کہ ہم کہیں: "أَتَيْتُ فُلَانًا لِخَمْسٍ مَضَيْنَ مِنْ رَمَضَانَ" کہ میں فلاں کے پاس پانچ رمضان کو آیا۔'' اس میں لام ظرفیت کے لیے ہے، نہ کہ سبب کے لیے، لہٰذا معذور پر وضو شوافع کے نزدیک نماز کے لیے اس کے وقت میں ضروری ہوگا، لہٰذا ''المغنی'' کی روایت کے الفاظ "لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ" شوافع کے مذہب کے مطابق بھی صحیح ہیں، اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ اجتہاد کے حوالے ہوگا، نص کے تحت نہیں رہے گا۔

اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ اعتبار نماز کا نہیں بلکہ وقت کا ہوگا، جیسا کہ پاگل پن اور بے ہوشی میں بھی وقت کا اعتبار ہوتا ہے، کہ جو شخص رمضان میں سے کچھ بھی وقت پا لینے کے بعد پاگل ہو گیا تو اس پر پورے رمضان کے روزوں کی قضا لازم ہوگی، اسی طرح جو شخص پورے ایک دِن ایک رات تک بے ہوش رہے تو اس سے نماز کی قضا ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ جنون اور اِغماء دونوں ایسے عذر ہیں کہ ان میں بھی وقت کا اعتبار ہے، البتہ اِغماء میں پورے ایک دِن ایک رات کا اعتبار ہے، اس لیے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا ہے کہ پانچوں نمازوں کے درمیان ربط ہے، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ فوائت کے درمیان ترتیب ضروری ہے، جب کہ روزے کے بارے میں

آپ نے مہینے کا اعتبار کیا اور اس کا کچھ حصّہ پا لینے کی وجہ سے پورے مہینے کی قضا لازم فرمائی، لہٰذا جنون کے بارے میں مہینے کا حکم ایسا ہے جو اِغماء کے بارے میں پانچ نمازوں کا ہے، چنانچہ جس شخص نے مہینے کا کوئی بھی جز نہیں پایا اور پورے مہینے تک اس پر جنون طاری رہا تو وہ روزوں کی قضا نہیں کرے گا، جیسے کہ وہ شخص جسے ایک دِن ایک رات تک بے ہوشی طاری رہی ہو۔

اور اسی طرح رجعت کے مسئلے میں احناف نے کہا ہے کہ اگر عورت کا خون دس دِنوں پر منقطع ہوا ہو تو وہ محض تیسرے حیض کے گزرتے ہی سے عدت سے نکل جائے گی۔ اور اگر دس دِنوں سے کم میں خون منقطع ہوا ہو تو وہ غسل کے وقت کے بقدر انتظار کرے گی، لہٰذا اس مسئلے میں بھی احناف نے وقت کا اعتبار کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اُس صورت میں جب کہ خون دس دِنوں سے کم میں منقطع ہوا ہو تو بحث یہ ہوگی کہ شوہر کا حق رجعت امر سماوی یعنی وقت سے متعلّق ہوگا؟ یا فعل اختیاری یعنی عورت کے غسل کرنے سے متعلّق ہوگا؟ احناف نے جو سمجھا وہ یہ ہے کہ اِس کو امر سماوی یعنی وقت کے حوالے کرنا اولیٰ ہے، برخلاف فعل اختیاری کے، کیوں کہ کسی کے فعل کی وجہ سے کسی کے حق کو باطل کرنا غیر معقول ہے، اس لیے احناف نے اس میں عورت کے فعل غسل کا اعتبار نہیں کیا، برخلاف وقت کے، اس لیے کہ وہ ایک امر سماوی ہے۔ اس سلسلے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابوجعفر النحاس رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دیکھیں، آپ نے بہت عمدہ اور بہترین بحث فرمائی ہے جس کی تلخیص یہاں ممکن نہیں۔

اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اِس پورے باب میں وقت کا اعتبار کیا ہے تو آپ کے لیے گنجائش ہے کہ معذور کی طہارت کے بارے میں وقت کا اعتبار کریں، چنانچہ معذور کی طہارت کا مدار وقت پر ہوگا، نہ کہ نماز پر، کیوں کہ نماز معذور کا اپنا فعل ہے، جب کہ وقت ایک امر سماوی ہے اور نماز کی علامت ہے، شریعت سے یہی مستفاد ہو رہا ہے کہ معذور وقت کا انتظار کرے گا، جب آخری وقت ہو تو وہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

حاصل کلام یہ کہ علمائے احناف نے جنون میں پورے مہینے کا اعتبار کیا ہے، اِغماء میں ایک دِن ایک رات کا اعتبار کیا ہے اور معذور کے بارے میں ایک پوری نماز کے وقت کا اعتبار کیا ہے۔ لہٰذا یہ صرف اجتہاد کے مواقع میں سے ہے۔

تنبیہ: معلوم ہونا چاہیے کہ مستحاضہ کے بارے میں ہر نماز کے لیے غسل کرنا اور ایک غسل میں دو نمازوں کو جمع کرنا ثابت ہے۔ علّامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بعید قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہر نماز کے لیے غسل کرنا دشوار ہے، شریعت میں ایسا حکم ممکن نہیں ہے۔ لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ یہ قطعی طور پر ثابت ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ثابت فرمایا ہے۔ اور دارمی میں ہے کہ ایک مستحاضہ نے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنے متعلّق مسئلہ دریافت کیا، یہ عورت پریشان تھی، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ہر نماز کے وقت غسل کرنے کا حکم فرمایا، آپ سے کہا گیا کہ اس میں تو بہت دشواری ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس سے بھی زیادہ دشواری ہوجاتی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فتویٰ دیا ہے۔

رہا معتادہ اور مبتدءہ عورت کا متعدد غسل کرنا تو اسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھنڈک حاصل کرنے، خون کے بہاؤ کو کم کرنے اور قطرات دفع کرنے پر محمول کیا ہے، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو غسل خانے میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا اس میں یہی حکمت معلوم ہورہی ہے۔ اور ہر نماز کے لیے غسل کرنا قطرات کو روکنے میں معین ہے، اگر یہ دشوار ہو تو ایک غسل میں نمازوں کو جمع کیا جائے، ورنہ ہر نماز کے لیے وضو کیا جائے، یہی عورت پر واجب ہوگا، اور دیگر تمام غسل عورت کے لیے مستحب ہیں۔



٦٨ - بَابُ غَسْلِ الْمَنِيِّ وَفَرْكِهِ وَغَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ الْمَرْأَةِ

٢٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ الْجَزَرِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَإِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ".

ترجمہ: یہ باب منی کو دھونے، اس کے کھرچنے اور اور اس رطوبت کو دھونے کے بیان میں ہے جو بیوی سے لگ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے جنابت (منی) کو دھوتی تھی، پھر آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اس حال میں کہ پانی کے دھبے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں ہوتے تھے۔“

٢٣٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا (ح). وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ؟ فَقَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ".

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُس منی کے بارے میں دریافت کیا جو کپڑے کو لگ جائے، تو فرمایا: ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں سے منی کو دھوتی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے اس حال میں کہ دھونے کا اثر پانی کے دھبوں کی شکل میں آپ کے کپڑوں میں ہوتا تھا۔



٦٩ - بَابٌ: إِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ أَوْ غَيْرَهَا، فَلَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ

٢٣١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ قَالَ: سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ، قَالَ: "قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيهِ بُقَعُ الْمَاءِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب منی وغیرہ کودھوئے لیکن اس کا اثرختم نہ ہو۔

حضرت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے کپڑے سے متعلّق دریافت کیا جس پر منی لگ جائے، آپ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں سے منی کودھوتی تھی، پھر آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے، اس حال میں کہ دھونے کا اثر پانی کے دھبوں کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں ہوتا تھا۔

٢٣٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَرَاهُ فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں سے منی کو دھوتی تھیں، پھران کپڑوں میں پانی کا ایک یا چند دھبے دیکھتی تھیں۔''



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کے مذہب کے مطابق منی کے ناپاک ہونے کو اختیار فرمایا ہے اور مسلسل تین باب قائم فرمائے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ منی کے دھونے کو ذکر فرمایا، جیسا کہ پیشاب اور مذی کے دھونے کو ذکر فرمایا، اسی طرح آئندہ باب میں بھی کیا جس میں منی کے پاک ہونے کا اشارہ نہیں فرمایا اور اس کو آئندہ باب: ''باب إذا

أُلقِيَ عَلىٰ ظَهْرِ المُصَلِّيْ قَذْرٌ أَوْ جِيْفَةٌ" میں دیگر نجاستوں کے ساتھ شمار فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "وَفِيْ ثَوْبِهٖ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ، أَيْ: مَنِيٌّ ...الخ" چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خون اور منی کو یکساں قرار دیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔

شے کو پاک کرنے کے مختلف طریقے:

پھر جان لیں کہ ہمارے فقہائے احناف نے شئ کو پاک کرنے کے مختلف طریقے مقرّر فرمائے ہیں، چنانچہ سبیلین کے لیے ڈھیلے کا استعمال ہے، خفین کو پاک کرنے کے لیے رگڑنا ہوگا، اور ایسی چیزیں جن میں نجاست سرایت نہیں کرتی ان کو پوچھ لینے سے پاک ہوجاتی ہیں، زمین سوکھ جانے کی وجہ سے پاک ہوگی اور کپڑے سے منی کھرچ دینے سے شرعاً کپڑا پاک ہوجائے گا، اگرچہ مکمّل طور پر اسے کپڑے سے نکالنا ممکن نہ ہو، جو بعض مرتبہ پانی سے بھی ممکن نہیں ہوتا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، جس کے الفاظ ہیں: "ثُمَّ أَرَاهُ فِيْهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا". اس لیے کہ بظاہر ضمیر اس میں منی کی جانب راجع ہے۔ اور ہماری فقہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نجاست کی بو اور رنگ کو دور کردیا جائے، مگر جس اثر کو ختم کرنا مشکل ہو اسے دور کرنا ضروری نہیں، اور اِس صورت میں اگر ہم اس روایت میں "المَاء" سے منی اور "بُقْعَة" سے منی کا دھبّہ مُراد لیں تو کوئی حرج نہیں، حالانکہ لفظ "المَاء" کے متبادر معنیٰ پانی ہی کے ہیں اور "بُقْعَة" سے پانی کا دھبہ ہی مُراد ہے۔

روایت کا حاصل:

اور روایت کا حاصل میرے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں بھی مسجد تشریف لے جاتے تھے کہ آپ کے کپڑوں میں دھونے کا اثر باقی ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوکھنے تک کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔ اس معنیٰ کے لیے روایات میں چند الفاظ وارد ہیں:

پہلا: "وَإِنَّ بُقَعَ المَاءِ فِيْ ثَوْبِهٖ". اس میں "بُقَعَ المَاءِ" (محلاً) مبتدا ہے، اور "فِيْ ثَوْبِهٖ" اس کی خبر ہے۔ دوسرا: "وَأَثَرُ الغَسْلِ فِيْ ثَوْبِهٖ". اور تیسرا ہے: "ثُمَّ أَرَاهُ فِيْهِ بُقْعَةً".

مسائل اخذ کرنے میں روایات کے الفاظ میں اختلاف کو بنیاد بنایا جائے:

یہ آخری لفظ فقہائے کرام کی مُراد کا ظاہر ہے، لیکن جب روایات کے الفاظ مختلف ہوں تو محض رواۃ کے مختلف الفاظ ہی سے مسائل کو اخذ نہیں کرنا چاہیے، خصوصاً جب کہ مسئلہ حلال وحرام یا طہارت ونجاست سے متعلّق ہو، نیز یہاں لفظ

"الفَرْك، المَسْح، السَّلْت" جو اِس باب میں وارد ہوئے ہیں ان میں بھی شوافع کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ ان میں سے بعض کے ذریعے کپڑا پاک ہوجاتا ہے اور بعض سے فوری طور پر نجاست کم ہوجاتی ہے اور نجاست کی غلاظت ختم ہوکر لوگوں کی نظر سے چھپ جاتی ہے۔ نیز نماز کی حالت میں ناک کی آلائش جو کپڑے کو لگ جائے تو اس کے بارے میں بھی فقہاء نے آپس میں ردوقدح فرمایا ہے، حالانکہ نجاست قلیلہ ہمارے نزدیک معاف ہے۔ پھر اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کپڑے میں نماز پڑھی جس سے منی کو صرف پوچھ لیا گیا اور دھویا نہیں تھا، لہٰذا شوافع کے پاس احادیث میں منی کے پاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، جب تک کہ وہ کوئی ایسی روایت نہ پیش کریں جس میں صراحت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس میں منی لگی ہوئی تھی اور اس کپڑے کو دھویا نہیں گیا تھا، بلکہ صرف پوچھنے اور کھرچنے ہی پر اکتفا فرمایا۔ شوافع پر تعجب یہ ہے کہ وہ مذی کو نجس قرار دیتے ہیں، خروجِ منی کی وجہ سے غسل کو بھی واجب قرار دیتے ہیں، پھر بھی منی کو پاک کہتے ہیں۔



٧٠ - بَابُ أَبْوَالِ الْإِبِلِ وَالدَّوَابِّ وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضِهَا

وَصَلّٰى أَبُو مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي دَارِ الْبَرِيدِ وَالسِّرْقِينِ وَالْبَرِّيَّةُ إِلَى جَنْبِهِ، فَقَالَ: "هَاهُنَا وَثَمَّ سَوَاءٌ".

٢٣٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَدِمَ أُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوْا الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ، وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَانْطَلَقُوا، فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ، وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ، يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ".

قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: "فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ".

ترجمہ: یہ باب اونٹ، چوپائے اور بکریوں کے پیشاب اور ان کے باڑوں کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ڈاک خانے اور گوبر میں نماز پڑھی، حالانکہ صاف زمین آپ کے پہلو ہی میں تھی، پھر آپ نے یہ فرمایا کہ یہاں اور وہاں نماز پڑھنا دونوں یکساں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ عُکل یا عُرینہ کے کچھ لوگ آئے اور مدینہ میں بیمار ہو گئے، تو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ والی اونٹیوں (کی جگہ رہنے) کا حکم فرمایا، اور یہ حکم فرمایا کہ وہ اُن اونٹیوں کے پیشاب اور دودھ کو پیتے رہیں، چنانچہ وہ لوگ وہاں چلے گئے، جب یہ لوگ صحت یاب ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کو مار دیا اور اونٹوں کو ہنکا لے گئے، اس کی خبر صبح سویرے ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعاقب میں (گھوڑسواروں کو) بھیجا، ان کو دِن چڑھے لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھیں گرم سِلائی سے پھوڑ دی گئیں اور انھیں حرّہ نامی میدان میں پھینک دیا

گیا، وہ پانی مانگتے تھے، لیکن انھیں پانی نہیں دیا گیا۔ راوی ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے چوری کی، قتل کیا، ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی۔

٢٣٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بننے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔''



نجاستوں کے بارے میں امام بخاری کا مذہب:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے کہ آپ نے نجاستوں کے بارے میں داود ظاہری کا مذہب اختیار فرمایا ہے، جیسا کہ علّامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ لیکن میں تو وہی کہوں گا جو آپ کی عبارت سے ظاہر ہے اور جس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہیں اس سے میں بھی خاموش رہوں گا۔ اس لیے کہ ظاہریہ کے کچھ جزئیات اختیار کرنے سے ان کے مذہب کو اختیار کرنا لازم نہیں آتا، شارحین اجمالی حکم پر اکتفا کرتے ہیں، جب وہ دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی جزئیے میں کسی کی موافقت کی ہے تو یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ آپ نے فلاں کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد فی الفقہ ہیں، چنانچہ آپ فقہاء کے مسائل میں سے جو چاہیں اختیار فرماتے ہیں اور جسے چاہے چھوڑ دیتے ہیں، کچھ مسائل کو اختیار کرنے سے پورے مذہب کو اختیار کرنا لازم نہیں آتا۔

پھر جان لیں کہ ظاہریہ کی جانب منسوب ہے کہ وہ سُور، کتّے اور انسان کے فضلات کے سوا تمام جانوروں کے پیشاب اور فضلات کو مطلقاً (خواہ ماکول اللحم ہوں یا نہ ہوں) پاک قرار دیتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کا مذہب تحقیقی طور پر معلوم نہیں۔ اس لیے کہ علّامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ حدیث: "'صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الغَنَمِ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے، مساجد میں خوشبو لگانے کا حکم اس کے لیے ناسخ ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ بکریوں کا فضلہ ان کے نزدیک ناپاک ہے۔ بہرحال میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب ظاہریہ کے مذہب کو منسوب کرنا پسند نہیں کرتا، کیوں کہ آپ کی شان میرے نزدیک ان سے بہت بلند ہے۔

لہٰذا آپ کے ترجمے کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ آپ نے اونٹ کے پیشاب کو مُراد لیا ہے اور فضلہ کو چھوڑ دیا ہے، اور اونٹ کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ آپ کے پاس عرنیین کی حدیث موجود ہے، پھر لفظ "الدواب" کا اضافہ اپنی جانب سے فرمایا ہے، جس پر آپ کے پاس حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے اسے مبہم ذکر فرمایا، اور یہ تعمیم بعد التخصیص ہے، تاکہ منصوص پر انحصار کا وہم دور ہو جائے۔

میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ "الدواب" سے ان جانوروں کو مُراد لیا ہے جن پر سواری ہوتی ہے، پھر لفظ "غَنَم" کا اضافہ اس وجہ سے فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں آپ کے پاس حدیث موجود ہے، چنانچہ جس کی دلیل آپ کے پاس تھی اس کو ذکر فرمایا اور جس کی دلیل نہیں تھی اسے مبہم رکھا۔ پھر آپ نے حکم کی صراحت نہیں فرمائی کہ یہ پیشاب پاک ہیں یا ناپاک؟ اس لیے کہ آپ کا معمول یہ ہے کہ احادیث میں جب دونوں جانب کا احتمال ہو تو آپ حکم پڑھنے والے کے حوالے فرما دیتے ہیں، جب تک ضرورت نہ ہو کسی ایک جانب کا حتمی فیصلہ نہیں فرماتے۔

"وَمَرَابِضِهَا" ...... یہ فضلات کا مسئلہ ہے، جس میں آپ نے اونٹ اور بکری جن کا ذکر حدیث میں ہے ان کے سوا دیگر حیوانات کی تعیین نہیں فرمائی ہے۔

وَصَلّٰی أَبُوْ مُوْسٰی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ" ...... اِس اثر سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گوبر پاک ہے۔

وَالسِّرْقِيْنِ" ...... مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ گوبر سے دور نماز پڑھنا چاہتے تو اس کی گنجائش تھی، کیوں کہ پاک زمین آپ کے بازو ہی میں تھی، مگر آپ نے یہ ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ یہاں نماز پڑھنا اور وہاں دونوں برابر ہے۔ اِس حدیث میں لفظ "السِّرْقِيْنِ" میں یہ دلیل نہیں ہے کہ آپ نے گوبر پر نماز پڑھی، کیوں کہ ظرفیت میں توسع سے کام لیا جاتا ہے، عنقریب بخاری شریف میں آئے گا کہ اونٹ مسجد سے باہر تھا، جس کو راوی نے یوں تعبیر کیا ہے کہ وہ مسجد کے اندر تھا۔

جان لیں کہ انسان کا پیشاب و پاخانہ بالاجماع نجس ہے۔ اور ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور فضلات کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ناپاک ہیں۔ جب کہ امام مالک اور امام محمد رحمہما اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ وہ پاک ہیں۔ اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

جو حضرات ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک قرار دیتے ہیں انھوں نے عُرنیین کی حدیث کو دلیل بنایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لیے اونٹنیوں کا پیشاب پینا مباح قرار دیا، اگر یہ پیشاب ناپاک ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پینے کا حکم

نہ فرماتے۔اور ماکول اللحم جانوروں کے فضلات پاک ہونے کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کو مباح قرار دیا ہے۔

چنانچہ ہم اولاً عُرنیین والی حدیث کے بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے،جس کے ضمن میں اختلاف کرنے والوں کا جواب بھی واضح ہوجائے گا۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ عُرنیین والی حدیث میں چار بحثیں ہیں: پہلی بحث اونٹ کے پیشاب کے پاک یا ناپاک ہونے کے بارے میں ہے۔دوسری بحث حرام چیزوں سے علاج کے بارے میں ہے۔تیسری بحث حدود کے مسئلے میں ہے۔اور چوتھی بحث مُثلہ کے بارے میں ہے۔

اونٹ کے پیشاب کا حکم:

تو پہلی بحث میں ہم یہ کہتے ہیں کہ عُرنیین والی حدیث پیشاب کے پاک ہونے کے لیے حجّت تب ہی شمار ہوگی جب کہ پیشاب کے پاک ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پینے کا حکم فرمایا ہو،اگرچہ بطورِ علاج ہی سہی،لہٰذا اِس میں پیشاب کے پاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے،کیوں کہ یہ جائز ہے کہ کوئی شئے فی نفسہٖ حرام ہو،پھر بھی شارع کے جانب سے اس کو ضرورۃً مباح قرار دیا جائے۔اور روایت کے الفاظ سے جو معنیٰ متبادر ہے وہ یہی ہے کہ یہ حکم بطورِ علاج تھا،اس لیے رُواۃ نے اِس حدیث کے سیاق میں عُرنیین کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:"فَاجْتَوَوْا الْمَدِيْنَةَ"کہ مدینے کی آب وہوا اُن کو موافق نہ آنے کی وجہ سے وہ لوگ بیمار ہوگئے۔جس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کو پینے کا حکم شفایابی کے لیے تھا،حدیث کے الفاظ میں اِس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اِس حکم کی بنیاد پیشاب کا پاک ہونا تھا۔

نیز بخاری شریف کے "بَابُ أَلْبَانِ الأُتُنِ"میں ہے:"قَدْ كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَتَدَاوَوْنَ بِهَا فَلَا يَرَوْنَ بِذٰلِكَ بَأْسًا" کہ مسلمان اونٹ کے پیشاب سے علاج کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔اور جب مسلمانوں کا معمول معلوم ہوگیا کہ وہ اس کے ذریعے علاج کرتے تھے تو ذہن میں یہی بات آتی ہے کہ حدیث عُرنیین میں بھی یہ حکم بغرضِ علاج تھا۔اور بعض اطباء نے کہا ہے کہ اونٹ کے پیشاب کی بو شفایابی کے لیے مؤثّر ہے۔اور علی بن سینا نے کہا ہے کہ اونٹ کے پیشاب سے بیماری میں شفا ملتی ہے۔

اس میں پھر میری ایک بحث اور ہے،وہ یہ کہ علاج پینے کے ذریعے تھا یا سونگھنے کے ذریعے؟ کیوں کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاج سونگھنے کے ذریعے تھا،پینے کے ذریعے نہیں،امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لو خرجتم إلى ذود لنا فشربتم من ألبانها. قال: وذكر قتادة أنه قد حفظ عنه ''أبوالها'' (شرح معاني الآثار، رقم:٦٤٧)''اگر تم چاہو تو ہمارے اونٹوں کی جگہ چلے جاؤ اور ان کا دودھ پیو۔'' امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کو لفظ "أَبْوَالَهَا" بھی یاد ہے، چنانچہ راوی نے پیشاب کو دودھ سے علاحدہ ذکر کیا ہے، اسی طرح نسائی شریف میں بھی ہے کہ حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ''فبعث بهم رسول الله ﷺ إلى لقاح ليشربوا من ألبانها، فكانوا فيها'' (سنن النسائي، رقم:٤٠٣٦)'' آپ ﷺ نے انھیں اونٹوں کو باندھنے کی جگہ بھیج دیا، تاکہ وہ ان کا دودھ پیتے رہیں، چنانچہ وہ لوگ وہاں تھے۔'' اِس روایت میں پیشاب کا ذکر نہیں ہے۔ نیز نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ ''فبعثهم النبي ﷺ إلى ذود له، فشربوا من ألبانها وأبوالها'' (سنن النسائي، رقم:٤٠٢٨) آپ ﷺ نے انھیں اپنے اونٹوں کے ریوڑ میں جانے کا حکم فرمایا، جہاں انھوں نے اونٹ کے پیشاب اور دودھ کو پیا۔'' اِس روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ان کا پینا آپ ﷺ کے حکم سے تھا یا آپ کے حکم کے بغیر تھا۔

لٰہذا تحقیق کرنے والے کو غور کرنا چاہیے کہ بعض روایات میں پیشاب کو دودھ سے علاحدہ کیوں بیان کیا گیا ہے؟ بعض میں صرف دودھ کا ذکر کیوں ہے؟ پھر کیوں بعض روایات میں پیشاب کے پینے کا حکم مرفوعاً مذکور ہے اور بعض میں نہیں ہے؟ پھر حدیث کے بعض طرق میں دودھ کا ذکر پیشاب سے پہلے ہے: "وَأَنْ يَشْرَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا" جیسا کہ ماقبل میں مذکور طحاوی اور نسائی شریف کی روایات کے الفاظ سے پتا چلتا ہے۔

اِس صورت میں ممکن ہے کہ یہ "عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَاءً بَارِدًا" کے قبیل سے ہو اور پیشاب کے لیے پینے کا حکم نہ ہو، بلکہ معطوف سے فعل محذوف ہو، مثلاً: "وَيَسْتَنْشِقُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا" ''کہ وہ لوگ اس کے پیشاب کو سونگھیں۔'' اور پینا اور سونگھنا دونوں فعل قریب قریب ہونے کی وجہ سے اسے حذف کر دیا ہو۔ یہ اس وجہ سے کہ مصنّف عبدالرزاق میں حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ''اونٹ کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ لوگ اسے سونگھتے تھے۔'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج کا طریقہ پیشاب کا سونگھنا تھا، جو اِسی قسم کا فعل محذوف ہونے کا قرینہ ہے۔ پھر یہ اثر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، مگر اس میں "يَسْتَنْشِقُوْنَ" کی جگہ "يَسْتَنْشِفُوْنَ" مذکور ہے: "كَانُوْا يَسْتَنْشِفُوْنَ بِأَبْوَالِ الإِبِلِ". لٰہذا اب الفاظ میں بھی تردّد ہو گیا۔ میں نے اِس کو محض بحث کے طور پر ذکر کیا ہے، یہ میرے نزدیک مختار نہیں ہے، ظاہر یہی ہے کہ عُرَنیین نے اونٹ کا پیشاب بھی پیا، لیکن وہ بغرضِ علاج تھا۔

حرام چیزوں سے علاج کا مسئلہ:

دوسری بحث یہ ہے کہ حرام چیزوں سے علاج جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہمارے مذہب کے ناقلین کا کلام اس سلسلے میں مختلف ہے، کنز الدقائق میں ہے کہ پیشاب مطلقاً پینا جائز نہیں ہے، نہ علاج کے مقصد سے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور مقصد سے۔ البحر الرائق میں ہے کہ ہمارا مذہب عدمِ جواز کا ہے، لیکن مشائخ احناف نے کچھ قیود کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ''المستصفیٰ'' میں ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس سے مُراد اتفاقِ ائمہ ہے یا اتفاقِ مشائخ احناف۔ فتح القدیر میں ہے کہ مطلقاً جائز ہے۔ طحاوی شریف میں ہے کہ ضرورت کے وقت نشہ آور چیزوں کے سِوا دیگر چیزوں سے علاج جائز ہے، پھر یہ معلوم نہیں کہ یہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحقیق ہے یا کسی کا مذہب ہے؟ الدر المختار میں ایک جگہ ہے کہ علاج صرف پاک چیزوں کے ذریعے ہی جائز ہے۔ اور دوسری جگہ ''النہایۃ'' سے منقول ہے کہ جب حرام چیز کے سِوا کسی دوسری چیز سے فائدہ نہ ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ مسلمان متقی ماہر طبیب نے اس کی شہادت دی ہو۔

شیخ امیر الکاتب الاتقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''غایۃ البیان'' میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا جس کی انگلی میں ایک پھوڑا تھا، کہ کیا وہ پِتّے کو لپیٹ کر اس کا علاج کر سکتا ہے؟ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ قرار دیا، جس سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ گنجائش نکالی۔

میں کہتا ہوں کہ شاید ہمارا مذہب یہی ہے کہ حرام چیزوں کے ذریعے علاج مطلقاً جائز نہیں ہے۔ صاحب مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ مطلق تھے، جن کی تفصیل مشائخ احناف نے ضرورت اور عدمِ ضرورت سے بیان کی ہے۔ اور تخریج سے مُراد یہ ہے کہ مشائخ احناف نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد کی تعیین فرما کر ابہام کی تفصیل بیان فرمائی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ انھوں نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے، چنانچہ مذہب عدمِ جواز ہی کا ہے، لیکن مشائخ احناف نے اس کو بعض حالات میں جائز اور بعض میں ناجائز قرار دیا ہے۔ اور میرے نزدیک اس پر چند قرائن ہیں، چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مسئلہ نقل فرمایا ہے کہ سونے کا دانت لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ جب سونے کا دانت لگانا جائز ہے تو حرام چیز سے علاج بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

اور متون میں مذکور ہے کہ تقویت حاصل کرنے کے لیے چار شراب کے سِوا دیگر چیزوں کو پینا جائز ہے، بشرطیکہ لہو

کے طور پر نہ ہو۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ قیود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ہیں یا مشائخ احناف کی جانب سے ہیں؟ اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ہوں تو یہ ضرورت کے وقت جواز کی دلیل ہے۔ نیز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جہاد میں ریشم کے کپڑے پہننے کا جواز منقول ہے، تو شاید ہمارے مذہب میں اِس جیسے مستثنیات کے ساتھ دیگر مواقع میں اجازت نہیں ہے۔ اور مطلقاً عدمِ جواز جو منقول ہے وہ سدِ ذرائع پر محمول ہے، تا کہ لوگ اسے معمولی نہ سمجھیں، اور ہوسکتا ہے کہ مطلقاً عدمِ جواز کے قائلین کے نزدیک ضرورت متحقق نہ ہو۔

طحاوی شریف میں یہ روایت ثابت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ سونے کی ناک بنوائیں، جب کہ ان کی چاندی کی ناک میں سڑن پیدا ہوگئی تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دی تھی۔

نیز طحاوی اور سنن ابی داود کی اور بھی روایات ہیں جن سے عدمِ جواز کا پتا چلتا ہے، ایک روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ولا تتداووا بحرام'' (المعجم الكبير للطبراني: ج٢٤، ص:٢٥٤، رقم:٦٤٩) ''حرام چیز سے علاج نہ کرو۔'' نیز مسلم شریف میں ہے کہ ''إِنَّه ليسَ بدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ'' (صحيح مسلم، رقم: ١٩٨٤) ''شراب بیماری ہے، دوا نہیں ہے۔'' اور طحاوی میں ہے کہ ''إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ'' (شرح معاني الآثار، رقم:٦٥٢) ''اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر حرام فرمائی ہیں ان میں تمھاری شفا نہیں رکھی۔'' فتاویٰ عالم گیری میں اس کی ایسی تاویل کی گئی ہے جسے سننا گوارہ نہیں ہوتا۔

میرے نزدیک نہی والی احادیث کا مطلب یہ ہے کہ حرام چیزوں میں شفا تلاش نہ کی جائے، لہٰذا حلال چیز کے ہوتے ہوئے حرام سے علاج نہ کرنا چاہیے، چنانچہ مطلوب یہ ہے کہ جب تک حلال چیز دست یاب ہو حرام سے علاج نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں لفظ "لَمْ يَجْعَلْ" اسی معنیٰ کی جانب مشیر ہے، کیوں کہ لفظ "جَعل" حقیقت سے پھیرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق پہلی حدیث میں اور اس کے بعد چند مواقع میں گزری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ [الواقعة : ٨٢]

یعنی تکذیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمھارا حصّہ نہیں ہے، لیکن تم نے خود تکذیب کو اپنا حصّہ بنالیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال چیزوں میں شفا رکھی ہے، اور تم ہو کہ اسے حرام میں تلاش کرتے ہو، چنانچہ تم اپنی جانب سے حلال کی جگہ حرام کو اختیار کرتے ہو، یہ ان کی قباحت بیان کی گئی ہے۔

اسی طرح دیگر تمام احادیث بھی حرام چیزوں کے ذریعے علاج مکروہ ہونے پر دلالت کررہی ہیں اور عام حالات

میں اسے نہ برتا جائے۔لیکن سدِ ذرائع کے مدّنظر الفاظ کو مطلق رکھا گیا، تا کہ لوگ اسے معمولی نہ سمجھیں۔

پھر بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حرام چیز میں سِرے سے شفا ہے ہی نہیں۔اور یہ لوگ آیت کریمہ: ﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ [البقرة : ۲۱۹] میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس میں منافع سے مُراد تجارت کے منافع ہیں، منافع بدنیہ مُراد نہیں ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ یہاں مطلق منافع مُراد ہیں، صرف تجارتی منافع مُراد نہیں ہیں، اس لیے کہ جو چیز کھائی پی جا سکتی ہو وہ بالذات مطلوب ہوتی ہے، برخلاف نقود کے، کیوں کہ نقود کسی چیز کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، نقود بالذات مطلوب نہیں ہوتے، لہٰذا اگر ہم آیت میں صرف تجارتی منافع مُراد لیں اور ذاتی منافع مُراد نہ لیں تو اِن منافع کو نقود کے حکم قرار دینا لازم آئے گا۔

کیا حرام چیز میں بدنی منفعت ہو سکتی ہے؟

پھر آپ کے لیے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآنِ کریم نے یہاں ایک بہت ہی اہم بات ذکر کی ہے جس میں عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور سوچ وفکر جواب دے جاتی ہے، وہ یہ کہ شریعت جب کسی چیز کو حرام کر دے تو کیا اس میں کوئی بدنی منفعت باقی رہے گی؟ تو قرآن نے اِس اصلِ عظیم کو ذکر فرمایا کہ وہ کچھ چیزوں کو ان کے منافع کے باوجود حرام کرتا ہے، اس لیے کہ ان کا نقصان فائدے کے مقابلے میں بڑا ہوتا ہے، اسی وجہ سے فرمایا کہ ﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ [البقرة : ۲۱۹] تو یہ بات تو تسلیم کی کہ شراب اور جُوے میں منفعت ہے، مگر چوں کہ ان کا نقصان اور گناہ منفعت سے بڑا ہے اس لیے اِن چیزوں کو حرام فرما دیا۔اور یہ چیز شریعت ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ نقصان اور گناہ بڑا ہے یا منفعت بڑی ہے، اسی کے قبضے میں میزان ہے جسے وہ جھکاتا بھی ہے اور اٹھاتا بھی ہے۔

پھر اگر حدیث علاج پر محمول ہو تو اس سے شراب کے پاک ہونے کا مسئلہ مستنبط نہیں ہوگا، اور اگر ہم حدیث کو پیشاب کے پاک ہونے پر محمول کریں تو اس سے حرام چیز سے علاج کا مسئلہ مستنبط نہیں ہوگا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ لوگوں نے اِس حدیث سے دونوں مسئلے کیسے اخذ کیے ہیں؟ حالانکہ صرف کوئی بھی ایک ہی مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

تیسری بحث (حدود) کے بارے میں شوافع نے فرمایا ہے کہ اِس حدیث میں قصاص میں مماثلت کی دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث سیاست پر محمول ہے۔نسائی شریف میں آیت کریمہ: ﴿اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط﴾ [المائدة:۳۳] کی تفسیر میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن عُرَنیین پر بددعا فرمائی کہ اے اللہ! تو اُن لوگوں کو پیاسا رکھ جو آلِ محمد کو پیاسا رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر بدُدعا اس وجہ سے فرمائی کہ وہ لوگ اونٹوں کو ہنکا لے گئے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بھی تھی، جس سے آپ کے اہل وعیال پیاسے رہے، جیسا کہ سیر میں مذکور ہے، چنانچہ اِس بددعا کا بھی اِس سزا میں دخل ہے، اسی وجہ سے جب وہ پانی مانگ رہے تھے تو اُن کو نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ وہ لوگ پیاسے مر گئے۔ علاوہ ازیں انھوں نے ڈاکہ زَنی کی تھی، اونٹوں کو لے گئے تھے اور چرواہوں کو مار دیا تھا، اس طرح ان لوگوں نے متعدد جنایات کی تھیں، اِس جیسے گناہ میں اِمام المسلمین کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو تمام گناہوں کی سزا کو جمع کرے یا صرف قتل کردے۔ اِس سلسلے میں کتب فقہ سے مراجعت فرمائیں۔

رہی چوتھی بحث تو یہ حدیث مُثلہ کی ممانعت سے پہلے شمار ہوگی، کیوں کہ نسائی شریف میں ہے کہ ''كان رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّم يَحُثُّ في خُطبَتِه على الصَّدَقةِ، ويَنْهى عن المُثْلةِ'' (سنن النسائي، رقم:٤٠٤٧) ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد جو بھی خطبہ دیا اس میں مُثلہ سے منع فرمایا۔'' اور ترمذی میں حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اور اِن مباحث کے ضمن میں یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث پاک میں پیشاب کے پاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کا حکم:

رہا مسئلہ فضلات کا تو امام مالک، امام زفر اور امام محمد رحمھم اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے فضلات پاک ہیں۔ لیکن حدیث: "صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الغَنَم". میں اِن حضرات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ جب ہم نے اس حدیث کے طرق میں غور کیا تو کوئی ایسی وجہ نہیں پائی جو ہمارے مذہب کے خلاف ہو، اور حدیث کے تمام طرق جب تک جمع نہ کیے جائیں مُراد واضح نہیں ہوتی، اور اس طرح یہ معلوم ہوا کہ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا مطلوب ہے جس کا صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا ہے، اس میں کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔

یہی حدیث بعینہٖ طحاوی میں بھی ہے کہ ''قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: ''نَعَمْ'' (شرح معاني الآثار، رقم:٢٢٦٢) ''ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔'' اِس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ابتدائی نہیں تھا بلکہ سائل کے جواب میں کہا گیا تھا، چنانچہ اِس میں کوئی شدّت باقی نہیں رہی اور تاکید کم ہوگئی۔ نیز طحاوی میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''إِذَا لَمْ تَجِدُوا إِلَّا مَرَابِضَ الْغَنَمِ وَمَعَاطِنَ الْإِبِلِ، فَصَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَلَا تُصَلُّوا فِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ'' (شرح معاني الآثار، رقم:٢٢٦٤) ''جب تمھیں بکریوں اور اونٹ کے باڑے کے سِوا کوئی اور جگہ نہ ملے تو تم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لو، لیکن اونٹ کے باڑوں میں نماز مت پڑھو۔'' چنانچہ اب اِس میں مطلوبیت بھی باقی نہیں رہی اور یہ معلوم ہوگیا کہ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم اُس صورت میں ہے جب اور کوئی جگہ نہ ملے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسری جگہ میسّر ہونے کے باوجود بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مطلوب ہے۔

پھر یہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت کے مطابق ہے، کیوں کہ ان کے پاس بکریوں کے باڑوں کے سِوا کوئی اور ہموار زمین ہوتی نہیں تھی، اور بکریاں ان کے قیمتی اموال میں شمار ہوتی تھیں، لہٰذا وہ بکریوں میں رہا کرتے تھے اور اُن کے باڑوں میں بیٹھتے اور باتیں کرتے تھے، جب کہ اونٹ کے بیٹھنے کے لیے ہموار زمین ضروری نہیں۔

مزید یہ کہ اِس حدیث میں اِس بات پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پیشاب اور فضلات کے اوپر بھی نماز پڑھتے تھے، اس لیے کہ جب ان حضرات کا کھانا پینا اور رہائش اُن باڑوں ہی میں تھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ان میں ایک جگہ اپنے لیے صاف ستھری رکھتے ہوں، جہاں وہ نماز بھی پڑھ سکیں، اس پر دلیل موطا امام محمد کی یہ روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''أَحْسِنْ إِلَى غَنَمِكَ، وَأَطِبْ مُرَاحَهَا، وَصَلِّ فِي نَاحِيَتِهَا'' (موطأ مالك برواية الإمام محمد، رقم:١٧٩) ''تم بکریوں کے باڑوں کو اچھّا بناؤ اور ان کے بیٹھنے کی جگہوں کو صاف ستھرا رکھو، اور اس کے ایک کونے میں نماز پڑھو۔'' امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مرفوع قرار دیا ہے، لیکن مجھے اس کے مرفوع ہونے میں تردّد ہے، ممکن ہے کہ یہ وہم ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ایک کونے میں نماز پڑھنے کا حکم تھا، جس کا ترجمہ پہلے گزر چکا کہ ''یکسو ہوکر نماز پڑھو''۔ اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا موقوف گزر چکا کہ وہ اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ حکم اُس حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے جو سنن ابی داود میں قوی سند سے مذکور ہے، اُس میں مساجد کو خوشبو سے معطر رکھنے اور صاف ستھری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ کیوں ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے قائل ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ وہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور فضلات کی ناپاکی کے قائل ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اِس کا منسوخ ہونا تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن میرے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ اِس اُمّت سے نماز کے وقت کی جستجو اور وقت کی رعایت مطلوب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى المَسْجِدُ'' (صحيح البخاري، رقم:٤٢٩) ''آپ مساجد بننے سے پہلے

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔" اور اس سے کچھ ہی پہلے حدیث میں ہے کہ "وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ" (صحيح البخاري، رقم:٤٢٨) "آپ ﷺ جہاں نماز کا وقت ہوجائے وہیں نماز پڑھ لینا پسند فرماتے تھے اور آپ بکریوں کے باڑے میں بھی نماز پڑھتے تھے۔"

اور "بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا ۝١٢٥﴾ [النساء: ١٢٥] میں یہ روایت مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "قلتُ: يا رسولَ اللهِ، أيُّ مسجدٍ وضعَ في الأرضِ أولَ؟ قال: المسجدُ الحرامُ، قلتُ: ثم أيٌّ؟ قال: المسجدُ الأقصى...، ثم أَينَما أدركتْكَ الصلاةُ بعد فصلِّه؛ فإنَّ الفَضلَ فِيهِ. (صحيح البخاري، رقم:٣٣٦٦) "میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کونسی بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد حرام، میں نے عرض کیا: پھر کونسی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ، پھر وہیں نماز پڑھ لو جہاں نماز کا وقت ہوجائے، کیوں کہ اسی میں خیر ہے۔" اِس سے معلوم ہوا کہ اولاً اہتمام یہی ہونا چاہیے کہ جہاں نماز کا وقت ہوجائے وہیں نماز پڑھ لی جائے، اور چوں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بکریوں کے باڑے میں رہا کرتے تھے اور وہیں نماز کا وقت ہوجاتا تھا تو وہ حضرات وہیں نماز پڑھ لیتے تھے، اسی وجہ سے راوی نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کو اور جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھنا مستحب ہونے کو ایک ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، چنانچہ یہ ترقّی کے درجے میں شمار ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا وقت ہوجانے پر نماز پڑھ لینا پسند فرماتے تھے، حتیٰ کہ آپ اس وقت بکریوں کے باڑے میں ہوتے تب بھی اس میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کے نجس ہونے کی دلیل کے بارے میں کہوں گا کہ قرآنِ کریم کے سِیاق سے ان کا نجس ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے گوبر کو خون کے ساتھ شمار فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِۦ مِنۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّٰرِبِينَ ۝٦٦﴾ [النحل:٦٦]

"ہم ان کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر تمھیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لیے فرحت بخش ہوتا ہے۔"

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ "نهى رَسُولُ اللهِ ﷺ عن أكلِ الجلَّالةِ وألبانِها" (سنن الترمذي، رقم:١٨٢٤) "رسول اللہ ﷺ نے گندگی کھانے والے جانور کا گوشت اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔" قاموس میں ہے کہ "الجلَّة" مینگی کو کہا جاتا ہے۔ اس سے علت معلوم ہوگئی کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ناپاک

ہے۔ نیز حدیث پاک میں ہے کہ ''إذا جاءَ أحدُكُم إلى المسجدِ فلينظُر فإن رأى في نعليهِ قذرًا أو أذًى فليمسَحهُ وليصلِّ فيهِما'' (سنن أبي داود، رقم: ٦٥٠) ''جو شخص مسجد میں داخل ہو اسے چاہیے کہ اپنی جوتیوں سے گندگی کو صاف کر لے۔'' اِس کو انسانی پاخانے پر منحصر کر دینا بہت ہی بعید ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضلات کی جگہ میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوبر کو یہ فرماتے ہوئے پھینک دیا کہ وہ نجس ہے۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا جو اثر منقول ہے تو اس میں اِس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ گوبر پر نماز پڑھتے تھے، نماز کے لیے تو صرف اعضائے سجود کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ اور قدوری میں ہے کہ سجدے میں صرف پیشانی اور ایک پیر کو رکھنا فرض ہے۔ البتہ اگر نمازی کے اِرد گِرد نجاست ہو تو ہمارے نزدیک بھی نماز مکروہ شمار ہوگی۔ لہٰذا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اثر سے اگرچہ بظاہر فضلات کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے مگر نجاست کے بارے میں بھی متعین نہیں ہے۔



٧١ - بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: "لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ أَوْ رِيحٌ أَوْ لَوْنٌ". وَقَالَ حَمَّادٌ: "لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ". وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَىٰ نَحْوَ الْفِيلِ وَغَيْرِهِ : "أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُونَ بِهَا وَيَدَّهِنُونَ فِيهَا، لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا". وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَإِبْرَاهِيمُ: "وَلَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ".

ترجمہ: یہ باب اُن نجاستوں کے بیان میں ہے جو گھی اور پانی میں گر جاتی ہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''نجاست جب تک پانی کا مزہ، بو یا رنگ نہ بدل دے تب تک اس میں کوئی حرج نہیں۔'' اور حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''مُردہ پرندے کے پَروں میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' ہاتھی اور اس کے مانند مُردہ کی ہڈّیوں کے بارے میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''میں نے علمائے سلف صالحین کو ہاتھی دانت (کی کنگھیوں) سے کنگھی کرتے ہوئے اور اُن (برتنوں) میں تیل استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہے، وہ حضرات اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔'' اور امام ابن سیرین اور ابراہیم رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ ''ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

٢٣٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ، فَقَالَ: "أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، فَاطْرَحُوهُ، وَكُلُوا سَمْنَكُمْ".

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چوہے کے متعلّق دریافت کیا گیا جو گھی میں گر جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''چوہے کو اور اُس کے اِرد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو، اور بقیہ گھی کو کھا سکتے ہو۔''

۲۳۶ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ، فَقَالَ: "خُذُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، فَاطْرَحُوهُ".

قَالَ مَعْنٌ: "حَدَّثَنَا مَالِكٌ مَا لَا أُحْصِيهِ، يَقُولُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ".

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چوہے کے متعلّق دریافت کیا گیا جو گھی میں گر جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''چوہے کو اور اُس کے اِرد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو۔'' راوی حضرت معن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں یہ حدیث کئی مرتبہ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ عَن میمونةَ کی سند سے بیان فرمائی ہے۔

۲۳۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللهِ، يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا، إِذْ طُعِنَتْ، تَفَجَّرُ دَمًا، اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسلمان کو لگنے والا ہر زخم قیامت کے دِن اسی حالت میں ہوگا جب وہ زخم لگا تھا، اس سے خون بہہ رہا ہوگا، اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی سی ہوگی۔''



پانی سے متعلق مسائل:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے پانی کا مسئلہ شروع فرمایا ہے، اس مسئلے سے متعلّق کچھ تفصیل "بَابُ المَاءِ الَّذِيْ يُغْسَلُ بِهِ شَعَرُ الإِنْسَانِ" کے تحت گزر چکی ہے، جہاں ہم نے کہا تھا کہ یہاں سور یعنی جھوٹے کا مسئلہ بیان کرنا مقصود

ہے اور پانی کا ذکر وہاں تبعاً تھا، اس لیے کہ پانی میں یہ چیزیں گرتی ہیں۔ اِس ترجمۃ الباب کا بنیادی مقصد پانی کا مسئلہ بیان کرنا ہے، اس میں نجاستوں کا ذکر اس لیے ہے کہ وہ پانی میں گرتی ہیں، چنانچہ حال اور محل میں ایسا ربط ہے کہ ان میں سے ایک کو ذکر کرنے کی وجہ سے دوسرے کا ذکر ضروری ہوجاتا ہے۔ فقہائے کرام نے بھی کتب فقہ میں یہی کیا ہے کہ پانی کے ابواب میں نجاستوں کا ذکر کرتے ہیں، پھر نجاستوں کے لیے علاحدہ فصل بھی قائم کرتے ہیں، یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے جس پر ہم نے ابھی تنبیہ کی ہے۔

"وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: "لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ" ......اس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پانی کا مسئلہ بیان کرنا شروع فرمایا ہے۔ پھر اس عبارت میں مزہ وغیرہ پانی میں گرنے والی چیزوں کی صفات کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں، اور مشہور عبارت میں یہ پانی کے اوصاف قرار دیے گئے ہیں، چنانچہ فقہاء نے فرمایا ہے: "مَا لَمْ يُغَيِّرْ طَعْمَهُ، أَوْ رِيْحَهُ، أَوْ لَوْنَهُ".

"قَالَ حَمَّادٌ: "لَا بَأْسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ"......یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اُن اجزاء کے بارے میں ہے جن میں حیات نہیں ہوتی۔ مثلاً مُردار کی ہڈی، اس کے سینگ، بال اور اُون وغیرہ۔

"قَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْ عِظَامِ الْمَوتىٰ" ...... یہاں سے اِس باب کے ملحقات کا ذکر ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہاتھی نجس العین ہے، اور نجس العین وہ جانور ہے جو اپنے تمام اجزاء سمیت حرام ہو، دیگر حیوانات میں جس طرح کچھ چیزیں مستثنیٰ ہوتی ہیں اس طرح نجس العین میں کچھ بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔

"وَقَالَ ابنُ سِيْرِيْن وَإِبْرَاهِيْمُ" ...... ہاتھی دانت اور ہڈیوں کا ذکر محض مناسبت کی وجہ سے ہے، ورنہ طہارت و نجاست کا اصل مسئلہ گوشت سے متعلّق ہے، پھر وہ سور میں بھی اثر انداز ہوتا ہے، کیوں کہ سور گوشت کے تابع ہوتا ہے۔ رہا مسئلہ ہڈیوں سے وابستگی اور انھیں کام میں لینے کا تو یہ دور کے متعلقات میں شمار ہوگا۔ رہا تجارت کا مسئلہ تو اس کا مدار مِلک پر ہے، طہارت و نجاست پر نہیں۔

ناپاک شے قابلِ انتفاع ہے یا نہیں؟

پھر شیئ ناپاک ہوجانے کے بعد کسی بھی طرح قابل انتفاع رہتی ہے یا نہیں؟ تو حنفیہ قائل ہیں کہ تیل میں چوہا گر جائے تو اس تیل کو بیچنا اور چراغ میں ڈالنا جائز ہے، مگر وہ چراغ مسجد میں نہ جلایا جائے۔ اس سے فی الجملہ انتفاع کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن مُردار کی چربی سے انتفاع کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے، حتیٰ کہ اس سے کشتیوں کو ملنے کی بھی گنجائش

نہیں ہے۔ چنانچہ جب انتفاع کا جائز ہونا عام ضابطے کے مطابق طہارت کی دلیل نہیں ہے تو اسی طرح مُردار کے اجزاء کی بیع کا جواز بھی اجزاء کے پاک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

پانی کے مسئلے میں علماء کے مذاہب:

بہر حال پانی کے مسئلے میں علماء کے پندرہ مذاہب ہیں، جن میں سے ہم یہاں چار کو ذکر کریں گے، اور حاشیۂ موطا میں حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر یہ کا مذہب نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔

آپ کو پہلے معلوم ہو چکا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تغیّر اور عدمِ تغیّر کا اعتبار کیا ہے۔ مختصر ابن حاجب میں مذکور ہے کہ مالکیہ کے تین اقوال ہیں، جن میں سب سے مشہور یہ ہے کہ اعتبار تغیّر اور عدمِ تغیّر کا ہوگا۔ لہٰذا پانی کے ایک پیالے میں پیشاب کا ایک قطرہ گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت ذکر کی گئی ہے کہ جامد اور سیّال نجاست کے درمیان فرق کیا جائے گا، چنانچہ جامد نجاست اگر پانی میں گر جائے اور فوراً اسے نکال لیا جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، برخلاف سیال نجاست کے۔ لیکن جب وہ نجاست پانی کو بدل دے اور اس کا اثر پانی میں ظاہر ہوجائے تو پانی بالاتفاق ناپاک ہو جائے گا، خواہ نجاست جامد ہو یا سیال۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہا اللہ کا مذہب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وقوعِ نجاست کے باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مختار:

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا تو اب جان لیجیے کہ عام شارحین کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے، اس لیے کہ آپ نے چوہے والی حدیث ذکر فرمائی، جس میں حکم ہے کہ ”ألقوها وما حولَها وَكُلُوهُ“ (صحيح البخاري، رقم: ٥٥٤٠) ”چوہے کو اور اس کے اردگرد کے حصے کو نکال کر پھینک دو۔ اور بقیہ گھی کو استعمال کرو۔“ اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ حصّہ پاک ہے، نیز امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا اثر بھی ترجمۃ الباب کے تحت گزر چکا۔

میں کہتا ہوں کہ اِس میں شارحین کی بات پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اُس غیر مشہور روایت کو اختیار فرمایا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی۔ اور وہ اس لیے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً چوہے والی حدیث ذکر فرمائی، جو کہ نجاست جامدہ ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوہے کو نکالنے اور اس کے اِردگرد کا حصّہ پھینک دیے جانے کے بعد گھی کو کھانے کی اجازت دی۔ پھر اِس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پیشاب کا باب قائم فرمایا ہے، جو کہ سیّال نجاست ہے، اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی حدیث ذکر فرمائی ہے جو نجاست پر دلالت کرتی ہے،

خلاصہ یہ نکلا کہ سیّال نجاست کا حکم جامد نجاست کے برعکس ہے۔ چنانچہ دونوں جز حدیث سے ثابت ہیں۔ چوں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ والی روایت علماء کے درمیان مشہور نہیں ہے اس لیے شارحین کی توجّہ اس جانب نہیں گئی اور انھوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر محمول کر دیا۔ اور اِس صورت میں اِردگرد لگے ہوئے گھی کو پھینکنے کا حکم استحباب پر محمول ہوگا۔

الغرض یہاں چار مواقع میں بحث ہوگی۔ پہلی بحث میرے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختار موقف اور اس کی وضاحت کے بارے میں ہے۔ دوسری بحث عام شارحین کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختار موقف اور اس کی وضاحت کے بارے میں ہے۔ تیسری بحث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے شارحین کی اخذ کردہ دلیل کے جواب میں۔ اور چوتھی بحث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کے جواب میں ہے، خواہ آپ کا مختار موقف وہ ہو جو شارحین بیان کرتے ہیں یا میری تحقیق کے مطابق ہو۔ پہلی بحث تو آپ کو ابھی معلوم ہوگئی۔

عام شارحین کی دلیل:

دوسری بحث کے متعلّق آپ نے جان لیا کہ شارحین کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے، شارحین نے یہ موقف دو باتوں کی وجہ سے اختیار کیا ہے، پہلا یہ کہ جلد ثانی (کتاب الذبائح) میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم فرمایا ہے: "بَابٌ: إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ الْجَامِدِ أَوِ الذَّائِبِ" جس میں دونوں قسموں جامد اور سیال کو بالعموم ذکر فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ نے اِس حدیث میں مروی زیادتی: "وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوهُ". کو معلّل قرار دیا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اِس زیادتی کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ: وَحَدِيثُ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَذَكَرَ فِيهِ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْهُ، فَقَالَ: "إِذَا كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوهُ". هٰذَا خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيهِ مَعْمَرٌ. قَالَ: "وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا". (سنن الترمذي/ الرقم: ١٧٩٨)

اِن دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ جامد اور سیال کا حکم جمہور کے برخلاف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یکساں ہے۔ اور یہ صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک اعتبار تغیّر وعدم تغیّر کا ہے، جس میں

جامد اور سیال دونوں یکساں ہیں۔ جب کہ احناف وشوافع کے نزدیک قلیل سیال چیز میں نجاست گر جائے تو مطلقاً وہ چیز ناپاک ہوجائے گی، کیوں کہ سیال چیز سے نجاست کو علاحدہ کرنا ممکن نہیں ہے، برخلاف جامد چیز کے، اس لیے کہ سیال چیز میں سے کچھ بھی نکالو گے تو فوراً دوسرا سیال مادّہ اس جگہ آجائے گا۔

حاصل یہ کہ جمہور نے اپنی دلیل کی وجہ سے جامد اور سیال نجاست کا فرق کیا ہے، جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصل پر چلے ہیں، چنانچہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامد اور سیال چیزوں کو طہارت کے حکم میں یکساں قرار دیا جیسا کہ جلد ثانی میں قائم کردہ باب میں اس کی صراحت ہے اور جامد وسیال کے درمیان فرق والی زیادتی کو معلّل قرار دیا تو عام شارحین کو یہ لگا کہ آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے۔ یہ عام شارحین کے قول کی وضاحت ہے۔

عام شارحین کی دلیل کا جواب:

بہر حال تیسری بحث جو عام شارحین کے قول کا جواب ہے، میں اِس سلسلے میں کہتا ہوں کہ جلد ثانی میں قائم کردہ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیم شارحین کے دعوے میں منحصر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ''جامد'' کا ذکر حدیث کی اتباع میں کیا ہو، اور لفظ ''ذائب'' کا اضافہ اپنی جانب سے فرمایا ہو، تاکہ پڑھنے والے کو اس کا حکم تلاش کرنے کی طرف توجّہ دِلائیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی کتاب مسائل فقہ پر بھی مشتمل ہے، لہٰذا اِس میں جامد اور سیال کا حکم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یکساں ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب بھی جامد اور سیال دونوں کے لیے متعین نہیں ہے، اگرچہ سوال دونوں ہی سے متعلّق ہے، بلکہ اس بات کا اِمکان ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث وارد ہونے کی وجہ سے جامد شئے کا جواب ذکر فرمایا لیکن سیال کا حکم بیان کرنے سے خاموش رہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے وہ مجھے پسند نہیں، نیز آپ کے اس زیادتی کو معلّل قرار دینے میں عام شارحین کے قول کی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے وہ زیادتی فی نفسہا معلّل ہو، مسئلے کی وجہ سے معلّل نہ ہو، بلکہ یہی ظاہر ہے۔ ذکر کردہ بات سے حاصل یہ نکلا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے میرے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار نہیں فرمایا بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی غیر مشہور روایت کو اختیار فرمایا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جامد اور سیال چیز کے حکم میں فرق ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کا جواب:

چوتھی بحث جس کا تعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے ہے، وہ یہ کہ آپ کی ذکر کردہ حدیث شئے جامد کے بارے میں ہے، سیال چیز کے بارے میں نہیں ہے، اس لیے کہ علّامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گھی اگر سیال (پگھلا

ہوا) ہوتو کوئی چارۂ کار نہیں ہے، کیوں کہ جس کسی بھی جانب سے کچھ نکالا جائے گا تو فوراً اس جگہ دوسرا گھی آجائے گا، تو وہ بھی اس کے اِرد گرد والے حصے سے متاثّر ہوگا، لہٰذا پورا گھی پھینکنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ اِس حدیث میں جامد اور سیال چیز کا حکم یکساں ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ نجاست سے متاثّر حصے کو نکال دینا شئے جامد میں تو ممکن ہے، سیال میں کیسے ممکن ہوگا؟ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اُن پر غصّہ ہوئے اور جواباً فرمایا کہ اس میں سے ایک لَپ بھر کر نکال دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب بَرتن چوڑا ہو اور سیال چیز گاڑھی ہو، لیکن اگر برتن گڑھے کی طرح گہرا ہو، اور سیال چیز پتلی ہو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ طریقہ متصور نہیں ہوسکتا۔ آپ کا غضب ناک ہونا ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ جواب مشکل تھا۔ پھر یہ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ حافظ حدیث ہیں، آپ ہی کی وجہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہے، حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی بھی ہیں جن کا نام صالح ہے۔

حاصل کلام یہ کہ نجاست کو نکال دینا صرف شئے جامد ہی میں ممکن ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سیال چیز میں جب نجاست کو نکالنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو وہ نجس ہے۔ لہٰذا بخاری کی یہ حدیث اگرچہ اپنے منطوق سے اِس بات پر دلالت نہیں کرتی لیکن اِس حدیث کے مفہوم سے جامد اور سیال کے درمیان فرق کی دلیل نکلتی ہے۔

علاوہ ازیں اِس حدیث کا مفہوم سنن ابی داود میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور نسائی میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں منطوق ہوکر بھی وارِد ہے، اور اِس صورت میں اِس حدیث کا مفہوم حدیث صریح کے منطوق سے مؤید شمار ہوگا۔

رہا اِس حدیث میں مروی زیادتی کا معلّل ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اسحاق بن راہویہ اور امام ذہلی رحمہما اللہ نے ''الزہریات'' میں اِس زیادتی کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

چنانچہ ہماری بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ نص حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جامد اور سیال شئے کا حکم ایک ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ بخاری کی حدیث اپنے مفہوم سے اور سنن ابی داود اور نسائی شریف کی حدیث اپنے منطوق سے صراحۃً دونوں کے درمیان فرق کو واضح کررہی ہیں۔ اور یہ جمہور کا مذہب ہے۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاطعمہ میں نجاست کے اِرد گرد کے حصے کی مقدار جس کو نکالا جائے اس کی تحدید نقل فرمائی ہے، چنانچہ عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہتھیلی کی مقدار ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہوتا تب تو اِس نقل کا کوئی فائدہ تھا،

لیکن جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نہیں ہے تو اِس نقل کا کوئی فائدہ نہیں۔

ایک اشکال اور جواب:

البتہ یہاں ایک شبہ آپ کے دِل میں ہوسکتا ہے کہ وقوعِ نجاست کی وجہ سے پانی کے ناپاک ہونے کے بارے میں جتنی احادیث ہیں وہ سب سیال چیزوں کے بارے میں ہیں، سوائے چوہے والی حدیث کے، اس سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی تائید ہورہی ہے، یعنی یہ کہ سیال اور جامد میں فرق کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ کتے کے منہ مارنے کی حدیث، مائے دائم میں پیشاب سے ممانعت والی حدیث اور حدیث مستیقظ من المنام یہ تمام حدیثیں سیال نجاست کے بارے میں ہیں۔

میں جواباً کہتا ہوں کہ یہ احادیث خارج میں پیش آنے والے واقعات کے پیشِ نظر بیان ہوئی ہیں، کیوں کہ مائے دائم میں پیشاب ہی کا اتفاق ہوسکتا ہے، خصوصاً عرب کے دیہاتی لوگ اس سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، برخلاف پاخانہ کرنے کے، اس لیے کہ کوئی یہ حرکت نہیں کرتا تھا، بلکہ طبعی طور پر اسے گندگی خیال کرتے تھے، لہٰذا اس سے منع کرنے ضرورت ہی نہ تھی، اسی طرح گھروں میں کتے اور بلّی کے منہ مارنے اور چوہے کے گرنے ہی کا اتفاق ہوسکتا ہے، اور صحراء میں درندوں کے منہ مارنے کا اتفاق ہوتا ہے، اسی طرح عام لوگوں کی عادت ہے کہ بیدار ہونے کے بعد ہاتھ منہ دھوتے ہیں، جس کے لیے پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیوں کہ اُس زمانے میں اہل عرب کے برتن دستانے والے نہیں ہوتے تھے، چنانچہ احادیث میں اِن تمام واقعات کو مدّنظر رکھا گیا ہے، یہ نہیں کہ تمام احادیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روات شاذّہ کے مطابق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کردہ مذاہب کے بارے میں کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے جیسا کہ دیگر ائمہ کے اختیار کردہ مذاہب میں تصنیفات ہیں، لہٰذا آپ کے تراجم میں غور وفکر چلتا رہتا ہے اور اُن اہل مذاہب میں سے ہر ایک ترجمے کو اپنے مذہب کی طرف کھینچ کر اپنے مسائل کے مطابق ترجمۃ الباب کی تفسیر کرتے ہیں، حالانکہ میرے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد کی راہ پر چلے ہیں اور اپنی کتاب میں کسی کی تقلید نہیں کی ہے، بلکہ اپنی فہم کے مطابق فیصلہ فرمایا ہے، اس لیے اولاً آپ کے تراجم کا حق ادا کرنا چاہیے، پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ آپ نے کسی کی موافقت کی ہے یا نہیں؟ اور چوں کہ آپ کا فقہ مدوّن نہیں ہوا اس لیے مجھے گنجائش ہے کہ میں آپ کی طرف وہی نسبت کروں جو آپ کے تراجم سے سمجھ میں آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ میں دیگر شارحین سے بسا اوقات آپ کے مختار مذہب کے بارے میں اختلاف کرتا ہوں، جیسا کہ اِس ترجمے میں کیا ہے۔

اور بالآخر یہ تمام صرف ظن اور احتمال کی باتیں ہیں، علم صحیح اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ کیوں کہ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مراد

کی صراحت فرماتے تو ہم حتمی فیصلہ کر سکتے تھے، مگر آپ کا معمول ہے کہ بسا اوقات مادّۂ جواب کو ذکر کرتے ہیں لیکن اس کی صراحت نہیں فرماتے، جس سے آپ کے جواب کی تشریح میں تردّد رہتا ہے، اور ایسے مواقع آپ کی کتاب میں بہت سارے ہیں، اسی کے مانند آپ کے اور بھی مقاصد ہوتے ہیں جو اپنے مواقع میں معلوم ہوں گے۔

"اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ" ...... باب کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اعتبار معنیٰ کا ہوگا نہ کہ صورت کا، جیسے کہ شہید کا خون صورۃً تو خون ہے لیکن معنوی اعتبار سے وہ مشک ہے، اسی طرح پانی میں بھی اعتبار معنیٰ کا ہوگا جو کہ تغیّر اور عدمِ تغیّر ہے۔ گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کو دور فرمادیا کہ نجاست جب پانی میں گر گئی تو پھر پانی پاک کیسے رہ سکتا ہے؟ تو جواب دیا کہ اعتبار معنیٰ کا ہوگا، صورت کا نہیں، لہٰذا جب نجاست پانی میں گر گئی لیکن پانی اس کی وجہ سے متغیر نہیں ہوا تو وہ اپنے اصل معنیٰ پر باقی ہے، اور یہی اِس باب میں معتبر ہے، جیسا کہ خون میں معنیٰ کا اعتبار کیا گیا۔

مناسبت کے بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اِس بات کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ اعتبار غالب کا ہوگا، چنانچہ جب مشک کی خوشبو خون کے رنگ پر غالب ہو تو وہ مشک کے حکم میں پاک شمار ہوگا، اسی طرح پانی میں بھی غلبے کا اعتبار ہوگا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِس سے اوصاف کے اعتبار کی طرف اشارہ ہو، کیوں کہ آپ نے ترجمۃ الباب میں مزہ اور بو کا ذکر فرمایا ہے، لہٰذا اِس بات پر تنبیہ فرمائی کہ شئے اپنے اوصاف کے تغیّر سے متغیر ہو جاتی ہے، جیسے مشک کی خوشبو کی وجہ سے خون اپنی اصل سے متغیر ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



۷۲ - بَابُ البَوْلِ فِي المَاءِ الدَّائِمِ

۲۳۸ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ".

ترجمہ: یہ باب ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ ہم ہی (دنیا میں) سب سے آخری اور (آخرت میں) سب سے پہلے ہوں گے۔"



حدیث پاک کے اِس جملے: "نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ". کی باب کے ساتھ مناسبت کے بارے میں شارحین نے خوب بحث کی ہے اور ہر طرح سے مناسبت بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس میں دور دور تک کی مناسبت بیان کی ہے، درحقیقت عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو چند احادیث پر مشتمل تھا، اس صحیفے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث لی ہیں، جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی صحیفہ ہے جس سے وہ احادیث لیتے ہیں، پھر دونوں حضرات اس صحیفے کی جانب اپنے مخصوص انداز میں اشارہ فرماتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی حدیث "نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ". کو ذکر فرما کر ترجمۃ الباب کے مناسب روایت ذکر فرماتے ہیں۔ جب کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فَذَكَرَ أَحَادِيْثَ، مِنْهَا هٰذَا الحَدِيْثُ". لہٰذا ان مواقع میں مناسبت قائم کرنا تکلّف بارِد ہے۔ اصل وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کہ یہ اِس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ حدیث اس صحیفے کی ہے جس میں پہلی حدیث: "نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ". ہے، جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کی جانب ان الفاظ سے اشارہ فرماتے ہیں: "فَذَكَرَ أَحَادِيْثَ، مِنْهَا هٰذَا الحَدِيْثُ". امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کتاب الجمعہ اور کتاب الانبیاء

میں بھی کیا ہے۔

۲۳۹ - وَبِإِسْنَادِهِ قَالَ: "لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ".

ترجمہ: ابوالیمان رحمۃ اللہ علیہ ہی کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسے ٹھہرے ہوئے پانی میں جس میں بہاؤ نہ ہو پیشاب نہ کرے، پھر اس میں غسل کرے۔''



ماءراکداوردائم میں فرق:

"الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ"......دائم اور راکد کے درمیان فرق کر پانا شارحین کے لیے مشکل ہوگیا، حتیٰ کہ یہ فرق ان پر مخفی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بعض شراح نے کہا کہ "الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ" یہ "الدَّائِم" کی صفت کاشفہ ہے، حالانکہ میرے نزدیک دونوں میں بہت فرق ہے، دائم ایسے پانی کو کہا جاتا ہے جس کی اصل ہمیشہ باقی رہتی ہو، کبھی منقطع نہ ہو، خواہ اس پانی کے نیچے مقدار زیادہ ہو، جیسے کنواں، یا مقدار زیادہ نہ ہو۔ جب کہ ''راکد'' یہ ''جاری'' کی ضد ہے، خواہ وہ پانی ہمیشہ رہے یا نہ رہے، چنانچہ دوام زماناً باقی رہنے کی وجہ سے ہے، اور اِس صورت میں "الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ" قید احترازی ہے اس پانی سے جو دائم اور جاری ہو، اسی وجہ سے اس قید کو راکد کے ساتھ ذکر نہیں کیا جاتا، کیوں کہ راکد کے معنیٰ ہیں جو بہتا نہ ہو، جب کہ مائے دائم کبھی بہنے والا ہوتا ہے، مثلاً چشمے، اور کبھی مائے دائم میں بہاؤ نہیں بھی ہوتا، اس لیے اِس قید کی ضرورت ہے، یہاں یہ سوال نہ ہو کہ اِس صورت میں مذکورہ ممانعت صرف اسی پانی پر منحصر رہے گی جو غیر جاری ہو، مائے جاری کو یہ ممانعت شامل نہیں ہوگی۔

مجمع الزوائد میں بہنے والے مائے دائم میں بھی ممانعت وارد ہے، لیکن میرے نزدیک یہ وہم ہے، "الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ" کی جگہ راوی نے "الَّذِيْ يَجْرِيْ" روایت کردیا ہے، ہمارے نزدیک دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ دونوں میں پیشاب نہ کرے، اور قیود کا معاملہ آسان ہے۔

"ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ"......ہم نے درسِ ترمذی میں اس کی وجوہِ اعراب ذکر کی ہیں، درحقیقت یہ میرے نزدیک آیت کریمہ: ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①﴾ [الأنعام:۱] کے مانند ہے، جیسا کہ علّامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تقریر فرمائی ہے، لہٰذا ممانعت پیشاب پر منحصر ہے، اور لفظ "ثُمَّ" یہاں استبعاد اور بیانِ مآل کے لیے ہے۔

اِس حدیث پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی نے عمل نہیں کیا ہے، اس لیے کہ آپ نے جریان اور عدمِ جریان کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مائے جاری نجاست گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتا، برخلاف مائے غیر جاری کے۔ اِس حدیث میں نہ قلتین وغیرہ کا کوئی ذکر ہے نہ پانی کے تغیّر وعدمِ تغیّر کا۔ اسی وجہ سے میں نے کہا ہے کہ حدیث قلتین اِس باب میں اجنبی ہے اور اِس مسئلے کے کثیر الوقوع ہونے کے باوجود مراجعات کے وقت اُس حدیث کی نقل نہیں ملتی۔

چنانچہ اِس حدیث کا ظاہراً مطلب یہی ہے کہ مائے غیر جاری محض نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجائے گا۔ ورنہ اس میں پیشاب کرنا پانی انڈیلنے کی طرح شمار ہوگا اور مائے جاری اور غیر جاری یکساں ہوجائے گا، تو قید لگانے کا کوئی مطلب نہیں رہے گا۔

علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں، جس پر ہم نے درسِ ترمذی میں مفصل بحث کی ہے، علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات میں سے ایک یہ ہے کہ مائے دائم میں پیشاب کرنے کی ممانعت نجاست کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ تمھارا دعویٰ ہے، بلکہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ مائے دائم میں پیشاب کرنے سے وہ متغیر ہوجاتا ہے، اگرچہ ایک وقت کے بعد ہی سہی، اگر اس سے روکا نہ جاتا تو لوگ اس میں پیشاب کرنے کے عادی بن جاتے، اس وجہ سے ممانعت فرمائی۔

ہم جواباً کہتے ہیں کہ اگرچہ آپ کے کلام میں باریکی ہے، مگر یہ حدیث اور راوی کے فہم کے خلاف ہے، اس لیے کہ حدیث میں پیشاب کے بعد غسل کو بعید قرار دیا گیا ہے، اور ایک روایت میں ہے: "ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ" اس میں استبعاد نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ بذاتِ خود نجاست سے پاک ہوجائے گا، اس میں تغیّر کی جانب کوئی اشارہ نہیں ہے اور نہ ہی اس پر مدار ہے، اس لیے کہ اِس حدیث میں پیشاب کرنے کے بعد اسی وقت اس میں غسل کرنے کو بعید قرار دیا گیا ہے، تغیّر کے بعد نہیں۔

نیز امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ''فَإِنَّهُ يَمُرُّ بِهِ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَيَشْرَبُ مِنْهُ وَيَتَوَضَّأُ'' (شرح معاني الآثار، رقم: ۳۵) ''ہوسکتا ہے کہ وہاں سے اس کے مسلمان بھائی کا گزر ہو اور وہ اس پانی میں سے پیے اور وضو کرے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ مائے دائم میں پیشاب کرنے کے بعد وہ پینے اور وضو کرنے کے لائق نہیں رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں "فَإِنَّهُ يَمُرُّ بِهِ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ" فرمایا، اس لیے کہ خود اس میں پیشاب کرنے والے کا اس پانی کو پینا اور وضو کرنا انتہائی بعید ہے، یہ اتفاق اسی مسلمان بھائی سے ہوسکتا ہے جو وہاں سے گزرے اور پانی میں بظاہر نجاست کا اثر نظر نہ آئے تو اس کو پی لے، حالانکہ وہ ناپاک پانی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اِس حدیث میں جو ممانعت ہے وہ پانی میں سانس لینے، پانی میں تھوکنے اور درخت کے نیچے پاخانہ کرنے کی ممانعت کی طرح نہیں ہے، چنانچہ یہ ممانعت آداب کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ قطعی طور پر نجاسات کے باب سے ہے۔

علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ پیشاب ناپاک ہے اور پانی پاک ہے، مگر چوں کہ پیشاب سیال ہے اس وجہ سے پانی سے اس کی تمیز یقیناً ممکن نہیں ہے، سوائے یہ کہ اس کا استعمال چھوڑ دیا جائے، چنانچہ استعمال چھوڑ دینا اس وجہ سے ہے کہ اس پانی میں نجاست کی تمیز نہیں ہو پاتی، اس وجہ سے نہیں کہ پانی ناپاک ہوگیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات عجیب ہے، کیوں کہ ناپاک ہوجانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ نجاست اس طرح مل گئی ہے کہ اس کی تمیز نہیں ہو پائے گی۔ اسی طرح پیشاب کی وجہ سے متغیر ہونے اور نہ ہونے کا عذر بیان کرنا یہ محض فلسفلہ ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اِس حدیث کے ظاہر پر صرف ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمل فرمایا ہے، کیوں کہ ٹھہرے ہوئے اور بہنے والے پانی کے درمیان فرق صرف آپ ہی نے فرمایا ہے، دیگر حضرات نے اس پر توجّہ نہیں کی ہے، چنانچہ بعض حضرات نے تغیّر اور عدمِ تغیّر کے ذریعے پانی کو تقسیم کیا ہے اور بعض حضرات نے قلّتین کو مدار بنایا ہے، جب کہ پانی کے ٹھہرنے اور بہنے کا فرق صرف امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملحوظ رکھا ہے۔

اسی طرح فطری طور پر پانی کی تقسیم کا بھی کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے، حالانکہ پانی خلقت کے اعتبار سے تین طرح کا ہوتا ہے، جس کی ہم احناف نے رعایت کی ہے اور ہم نے شریعت کے مطابق ہر ایک قسم کا علاحدہ حکم بیان کیا ہے، جب کہ دیگر حضرات نے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تمام اقسام کو ایک درجے میں رکھا، جس کی وجہ سے انھیں تاویلات کرنی پڑیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم



۷۳ - بَابٌ: إِذَا أُلْقِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيفَةٌ لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذَا رَأَىٰ فِي ثَوْبِهٖ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي، وَضَعَهٗ، وَمَضٰى فِي صَلَاتِهٖ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ: إِذَا صَلّٰى وَفِي ثَوْبِهٖ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ أَوْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ أَوْ تَيَمَّمَ فَصَلّٰى، ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِي وَقْتِهٖ لَا يُعِيدُ".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ جب نماز پڑھنے والے کی پُشت پر کوئی گندگی یا مُردار ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز کی حالت میں جب اپنے کپڑے میں خون دیکھا تو اسے الگ کر دیا اور نماز جاری رکھی۔ اور حضرت سعید بن المسیّب اور شعبی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ”جب کسی نے نماز اس حال میں پڑھی کہ اس کے کپڑے میں خون یا منی لگی ہوئی تھی، یا غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھی، یا تیمّم کر کے نماز پڑھی پھر نماز کے وقت ہی میں پانی مل گیا تو نماز کا اعادہ نہ کرے۔“



کیا کپڑے کا پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے؟

"قَذَر" کے معنیٰ ہیں گندگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے کہ آپ کے نزدیک کپڑے کا پاک ہونا لباس کی سنّت ہے، نماز کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح جگہ کا پاک ہونا آپ کے نزدیک سنّت ہے۔ اور ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ کپڑے کا پاک ہونا نماز کے واجبات میں سے ہے، نماز کی شرائط میں سے نہیں، جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اور علّامہ ابوالولید الباجی رحمۃ اللہ علیہ نے المنتقیٰ شرحِ موطا میں پہلا قول ذکر فرمایا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی ابتدا اور بقا کے درمیان فرق فرمایا ہے، چنانچہ اگر پاک ہونے کی حالت میں نماز شروع کی، اس کے بعد نماز پڑھنے والے پر کوئی گندگی ڈالی گئی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، بشرطیکہ اس میں نمازی کا کوئی دخل نہ ہو۔ اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر کسی نے کسی ناپاک جگہ سجدہ کر لیا، پھر اسے فوراً پتا چل گیا تو دوسری پاک جگہ سجدہ کیا اور ایک رُکن کی تاخیر نہیں ہوئی ہے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ اس سے ہمارے نزدیک بھی ابتدا اور بقا کا فرق معلوم ہوتا ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً سجدے کی قید لگائی ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ علی الفور ہونے نہ ہونے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی ہے لیکن حالت اختیار اور عدمِ اختیار کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اور اس میں نماز جاری رکھنے کا بھی احتمال ہے۔

"أَوْ جَنَابَةٌ"...... یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منی کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

"لِغَيْرِ القِبْلَةِ"...... اگر تحرّی کرنے کے بعد غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھی تب بھی ہمارے نزدیک مسئلہ یہی ہے۔ اور اگر بغیر تحرّی کے نماز پڑھی تو ہمارے نزدیک وہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

---

٢٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ سَاجِدٌ (ح). قَالَ: وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَأَبُو جَهْلٍ وَأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوسٌ، إِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَيُّكُمْ يَجِيءُ بِسَلَىٰ جَزُورِ بَنِي فُلَانٍ، فَيَضَعُهُ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ، فَجَاءَ بِهِ، فَنَظَرَ حَتّٰى سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ، وَضَعَهُ عَلٰى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، وَأَنَا أَنْظُرُ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا، لَوْ كَانَ لِي مَنَعَةٌ. قَالَ: فَجَعَلُوا يَضْحَكُونَ وَيُحِيلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ، حَتّٰى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ، فَطَرَحَتْ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ قَالَ: "اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ. ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ، قَالَ: وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ الدَّعْوَةَ فِي ذٰلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ، ثُمَّ سَمّٰى: "اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ، وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ". وَعَدَّ السَّابِعَ، فَلَمْ يَحْفَظْهُ، قَالَ: "فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ،

لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ عَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعَىٰ فِي الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی (وہاں) بیٹھے ہوئے تھے، تب ہی ان میں سے ایک نے کہا: تم میں سے کون فلاں قبیلے کے اونٹ کی بچّہ دانی لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدہ کرے تو اس کی پُشت پر ڈالے گا؟ چنانچہ قوم کا سب سے بدبخت (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور لے کر آیا، پھر انتظار میں رہا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا تو اسے آپ کی پُشت پر کندھوں کے درمیان ڈال دیا، میں یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا لیکن کچھ نہیں کرسکتا تھا، کاش کہ مجھے قوت ہوتی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ لوگ ہنسنے لگے اور (اِس کام کو) ایک دوسرے کی جانب منسوب کرنے لگے، اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سَر مبارک نہیں اٹھا پا رہے تھے، حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُشت سے گندگی ہٹائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سَر مبارک اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! آپ قریش کی پکڑ فرمایئے، یہ بددعا اُن پر بہت شاق گزری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھیں یقین تھا کہ یہ بددعا مکہ شہر میں ضرور قبول ہوگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام لے لے کر بددعا فرمائی کہ ''اے اللہ! آپ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، اُمیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کی پکڑ فرمایئے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں شخص کا بھی ذکر فرمایا جو ہمیں یاد نہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کا شمار فرمایا تھا ان تمام کو میں نے بدر کے کنویں میں پچھڑا ہوا دیکھا ہے۔''



یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ میں پیش آیا تھا۔ "سَلیٰ" کے معنیٰ ہیں بچّہ دانی، اس کا ترجمہ ''اوجھڑی'' سے کرنا غلط ہے۔ "مَنَعَة" یعنی حمایت کرنے والے۔

"يُحِيْلُ" کا مطلب یہ ہے کہ ایک کہہ رہا تھا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا اور دوسرا کہہ رہا تھا میں نے مذاق کے طور پر کیا ہے۔ اور ایک نسخے میں لفظ "يَمِيْلُ" ہے، یعنی ہنستے ہوئے ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے۔

"دَعىٰ عَلَيْهِمْ" ...... اس حدیث میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ یہ بددعا نماز سے فراغت کے بعد کی گئی یا نماز کے

دوران کی گئی۔ فتح الباری کی عبارت کے ظاہر سے لگتا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد یہ بددعا کی گئی تھی۔ پھر نمازی اگر دعا یا بددعا کا کلمہ ملا کر یہ کہے کہ "اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِزَیْدٍ" یا "اَللّٰھُمَّ اھْدِ لِزَیْدٍ" تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ آخری قول میرے نزدیک مختار ہے، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

چند اشکالات:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث سے جو استدلال کیا ہے اس میں بہ چند وجوہ اشکال ہیں۔ اولاً یہ کہ معلوم نہیں کہ یہ فرض نماز تھی یا نفل؟ دوسرا یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نماز کا اعادہ فرمایا یا نہیں؟ تیسرا یہ کہ اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر یہ معلوم تھا کہ آپ کی پُشت پر اونٹ کی بچّہ دانی ہی رکھی گئی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بوجھ کا احساس ہوا ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا چیز ہے؟

چوتھا یہ کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز اسی لیے جاری رکھی تھی کہ نماز صحیح تھی؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مظلومیت کا اثر باقی رکھنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں رحم طلب کرنے اور مدد مانگنے کے لیے نماز کی حالت برقرار رکھی ہو۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قصے میں فرمایا تھا کہ ''لولا أن تَجزعَ صفيَّةُ لتركْتُهُ حتَّى يَحشرَهُ اللَّهُ من بُطونِ الطَّيرِ والسِّباع'' (شرح معاني الآثار، رقم: ٢٨٨٤) ''اگر صفیہ نہ ہوتیں تو میں آپ کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ درندے کھاتے۔'' یہ بھی مظلومیت کے اثر کی تکمیل اور شہادت کے اثر کو باقی رکھنے کے قبیل سے تھا۔ اور جیسے کہ بئرِ معونہ کے واقعے میں ہے کہ ایک صحابی کی شہادت ہوئی، وہ اپنے چہرے کو اپنے خون سے یہ کہتے ہوئے مَلنے لگے کہ "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" یہ بھی حالت محمودہ یعنی شہادت کی حالت کو باقی رکھنے کے لیے تھا۔ اسی طرح یہاں بھی ممکن ہے۔

پانچواں یہ کہ اِس حدیث میں اِس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ اونٹ کی بچّہ دانی نجس تھی، لیکن اس میں اشکال ہے، کیوں کہ بعض طرق میں مروی ہے: "سَلَا جَزُوْرٍ بَيْنَ فَرْثٍ وَدَمٍ".

چھٹا یہ کہ ''سیرۃ الدمیاطی'' میں ہے کہ یہ پہلا ایسا واقعہ تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی پر بددعا کی، اس واقعے سے پہلے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی پر بددعا کرنا ثابت نہیں ہے، تو کیا اِس جزوی واقعے سے استدلال کرنا صحیح ہوگا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہمیشہ کی عادتِ مبارکہ چھوڑ دی ہو؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بددعا کرنا نجاست کی حالت کی

وجہ سے ہو، اگر بد دعا نجاست کی وجہ سے ہو تو اس سے استدلال بالکل درست نہ ہوگا، کیوں کہ اِس صورت میں یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں ہوگی کہ آپ ﷺ کی یہ نماز نجاست کے باوجود صحیح تھی، بلکہ اقرب یہ ہے کہ نجاست کی وجہ سے نماز باطل ہوگئی، جس پر آپ ﷺ غم گین ہوئے اور اسی وجہ سے آپ نے اُن کفّار پر یہ بد دعا فرمائی۔

علاوہ ازیں فتح الباری کی آٹھویں جلد میں تفسیر ابن المنذر سے منقول ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴﴾ [المدثر:٤] کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت اِس واقعے کے بعد نازل ہوئی۔ تو اب حقیقت واضح ہوگئی۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ آیت کریمہ میں کپڑوں کی طہارت کو شرط قرار دیا گیا ہے، صرف اخلاق کی پاکیزگی بیان نہیں کی گئی ہے، جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔



٧٤ - بَابُ الْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَنَحْوِهِ فِي الثَّوْبِ

قَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ زَمَنَ حُدَيْبِيَةَ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ.

ترجمہ: یہ باب تھوک اور رینٹ وغیرہ کو کپڑے میں لینے کے بیان میں ہے۔

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے وقت سفر میں نکلے، پھر پوری حدیث ذکر کی۔ (جس میں آگے ہے کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی رینٹ جھاڑتے تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے ہاتھ ہی میں گرتا، جسے وہ صحابی اپنے چہرے اور بدن پر ملتے۔"

٢٤١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "بَزَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ثَوْبِهِ". طَوَّلَهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کپڑوں میں تھوک صاف فرمایا۔

ابن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جس میں "سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ" کی صراحت ہے۔



تھوک کے پاک ہونے پر تمام کا اجماع ہے، مگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے کہ تھوکنے کے بعد وہ نجس ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات پاک ہیں:

"وَمَا تَنخَّمَ النَّبِيُّ ﷺ" ...... یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کا پاک ہونا مذاہب اربعہ کی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ مذہب ائمہ اربعہ سے منقول ہے یا نہیں، البتہ علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فضلاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاک قرار دیتے ہیں، لیکن مجھے یہ بات عمدۃ القاری میں نہیں مل سکی۔ اور اس مسئلے میں خفا کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس کی صراحت نہیں فرمائی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات اور عام لوگوں کے فضلات کو طہارت ونجاست کے بارے میں ایک قرار دیا ہے، اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مائے مستعمل کے مسئلے میں بھی کیا ہے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نجس ہونے کی جو روایت منقول ہے وہ عقلاً ونقلاً دونوں طرح ضعیف ہے، کیوں کہ وہ روایت مشائخ عراق کے خلاف ہے، حالانکہ مشائخ عراق اثبت شمار ہوتے ہیں۔



۷۵ - بَابٌ: لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ بِالنَّبِيذِ وَلَا الْمُسْكِرِ

وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ. وَقَالَ عَطَاءٌ: "التَّيَمُّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ وَاللَّبَنِ".

۲٤۲ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبیذ اور نشہ آور چیز سے وضو جائز نہیں ہے۔

نبیذ سے وضو کو حسن بصری اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کے مقابلے میں میرے نزدیک تیمّم افضل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔''



نبیذ کی کس قسم سے وضو کرنا مختلف فیہ ہے؟

جان لیں کہ محل اختلاف یہ ہے کہ پانی میں کچھ کھجور ڈال دی جائیں، جس سے پانی میٹھا ہو جائے اور پتلا رہے، جس کو پکایا نہ گیا ہو اور وہ نشہ آور بھی نہ ہو، اگر نشہ آور ہو جائے یا پکایا جائے تو اس کے عدمِ جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ المبسوط میں ہے۔ اور البحر الرائق میں فتاویٰ قاضی خان سے منقول ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے مذہب کی جانب رجوع فرما لیا ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے چھوڑ دیا ہے اور مرجوع عنہٗ مذہب کی تائید نہیں کی ہے۔ امام ترمذی اور امام ابوداود رحمہما اللہ نے اس کے لیے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے مگر اس میں چند وجوہ سے کلام ہے، جن کا جواب بھی دیا گیا ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوزید ہیں، جو مجہول راوی ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ عمرو بن حُریث کے آزاد کردہ ہیں، جن سے راشد بن کیسان العبسی اور ابوروق رحمہما اللہ نے روایت کی ہے۔ ایک اشکال یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُس رات کو نہیں تھے، جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن متعدد ہیں،

جیسا کہ ''آ کام المرجان فی احکام الجان'' میں مذکور ہے۔ان میں سے مشہور لیلۃ الجن وہ ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے، لوگوں کی زبان پر بھی یہی مشہور ہے، چنانچہ نفی سے مُراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا خاص اس رات میں نہ ہونا ہے۔

اور ترمذی کے "بَابُ كَرَاهِيَّةِ مَا يُسْتَنْجىٰ بِهٖ" میں مذکور ہے:

"وَقَدْ رَوىٰ هٰذَا الْحَدِيثَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَغَيْرُهٗ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهٗ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ، ......الْحَدِيثَ بِطُولِهٖ".

اس میں صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کسی ایک رات میں تھے، پھر امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے طرق کی تخریج فرمائی ہے، جس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہیں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ دوسرے رواۃ کو ملا کر تخریج فرمائی ہے، ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے کہ وہ صدوق ہیں مگر آپ کا حافظہ کمزور ہے۔علّامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابوزید کے مقابلے میں ان کی حدیث بہتر ہے۔اور میں نے محدثین میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ انھوں نے نبیذ سے وضو والی احادیث میں سے کسی حدیث کو صحیح قرار دیا ہو۔

علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''منہاج السنۃ'' میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے اور بہت ہی لطیف کلام فرمایا ہے۔اور میں نے ایک روایت دیکھی ہے جس سے کسی نے استدلال نہیں کیا، اس کی تخریج امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے دارقطنی کے حوالے سے کی ہے، اس کی سند میں کاتب سے دو جگہ سہو ہوا ہے، پہلا یہ کہ ''ہشام بن خالد'' کی جگہ ''ہاشم بن خالد'' لکھ دیا ہے، ہشام رحمۃ اللہ علیہ امام ابوداود کے رواۃ میں سے ہیں، امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی روایت "بَابُ الرَّجُلِ يَمُوْتُ بِسِلَاحِهٖ" اور "بَابٌ فِيمَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ" میں ذکر فرمائی ہے۔اور دوسرا سہو یہ ہے کہ اس کی سند کی اخیر میں ابن غیلان ہیں، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول ہیں۔میں کہتا ہوں کہ ان کا نام عمرو بن غیلان ہے، جیسا کہ امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ہی عبارت کے بعد ان کا یہ نام ذکر فرمایا ہے، ''الاصابہ'' میں ہے کہ یہ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔اور اس کے بعض طرق میں عبداللہ بن عمرو بن غیلان مذکور ہے، جو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے رجال میں سے ہیں، اور السنن الکبریٰ میں مسح علی الرجلین کے تحت ان کو علماء میں شمار فرمایا ہے، حالانکہ میرے نزدیک صحیح یہی ہے کہ ان کا نام عمرو بن غیلان ہے۔

اس تصحیح کے بعد حدیث کی تصحیح بھی ممکن ہے اور یہ حسن لذاتہٖ سے کم نہ ہوگی۔علاوہ ازیں بعض سلف صالحین بھی اس طرف گئے ہیں، مثلاً سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح صراحت فرمائی ہے، ترمذی میں ہے کہ حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو یہ مسئلہ پیش آئے اور وہ نبیذ سے وضو کرے اور تیمّم بھی کرے تو یہ میرے

نزدیک مزید پسندیدہ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی اس کے مانند روایت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کچھ تابعین کی بھی یہ رائے ہے، جیسا کہ مصنّف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ نبیذ سے وضو نہیں ہوگا، ان کا یہ قول کتاب وسنّت سے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة : ٦]

''پھر اگر تمھیں پانی میسّر نہ ہو تو پاک مٹّی سے تیمّم کرلو۔''

میں کہتا ہوں کہ شاید امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ نبیذ سے وضو کے جواز کا قائل ہونا یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔ میں جواباً کہوں گا کہ کتاب اللہ پر زیادتی تو ہمارے نزدیک ممنوع ہے، اگر اس میں کوئی اشکال ہو تو وہ ہمارے مذہب پر ہوگا، شوافع کا مذہب تو یہ ہے کہ وہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کو جائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مسئلۂ اصول میں ہم سے زیادہ قریب ہے۔

میرے نزدیک مسئلے کا حل یہی ہے کہ نبیذ اگرچہ مائے مقید ہے، مگر اہل عرب اسے مائے مطلق کا درجہ دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ کھارے پانی کو اِس طریقے سے میٹھا بناتے تھے جیسے ہم برف ڈال کر پانی کو ٹھنڈا کرتے ہیں، اہل عرب پانی میں کچھ کھجور ڈال دیتے تھے تاکہ وہ میٹھا لگے، پھر اسے پیتے تھے، اور یہ اس وجہ سے کرتے تھے کہ میٹھا پانی انھیں بہت کم میسّر ہوتا تھا، اور یہ طریقہ ان میں مشہور تھا، جیسا کہ "بلوغ الأرب في أيام العرب" میں مذکور ہے۔ چنانچہ اب غور کیا جائے گا کہ اگر ہم صرف نبیذ کے نام کو دیکھتے ہیں تو وہ مائے مقید ہے، اور اگر ہم اس کے محل استعمال کو دیکھیں تو وہ مائے مطلق ہے، آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عرفی اعتبار سے وہ اہل عرب کا مائے مطلق تھا، اسی تردّد کی وجہ سے وضو کے ساتھ تیمّم کرنے کی روایت منقول ہے۔ اس بحث کے لیے ''العقد الفرید'' اور ''الناسخ والمنسوخ'' سے مراجعت کریں۔

"وَلَا بِالْمُسْكِرِ"...... یہ حدیث نشہ آور چیزوں کے مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہے اور جمہور کے موافق ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس سے یہ ہے کہ جب نشہ آور چیز حرام ہے تو اس سے وضو کا جائز نہ ہونا ظاہر ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ نشہ آور چیزوں کے مسئلے میں اگرچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو تقویت دینے کی بہت عمدہ کوشش کی ہے، مگر احادیث کا تواتر اس کے خلاف ہے۔



٧٦ - بَابُ غَسْلِ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: "امْسَحُوا عَلَىٰ رِجْلِي؛ فَإِنَّهَا مَرِيضَةٌ".

---

٢٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ: سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَسَأَلَهُ النَّاسُ، وَمَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ أَحَدٌ: "بِأَيِّ شَيْءٍ دُووِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ ﷺ؟" فَقَالَ: "مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، كَانَ عَلِيٌّ يَجِيءُ بِتُرْسِهِ فِيهِ مَاءٌ، وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ الدَّمَ، فَأُخِذَ حَصِيرٌ فَأُحْرِقَ، فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ".

ترجمہ: یہ باب عورت کے اپنے والد کے چہرے سے خون کو دھونے کے بیان میں ہے۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پیر پر مسح کردو، کیوں کہ اس میں تکلیف ہے۔

حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کو سنا اس حال میں کہ لوگوں نے آپ سے سوال کیا تھا، (اس وقت) میرے اور آپ کے درمیان اور کوئی بھی نہیں تھا، کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم کا (غزوۂ اُحد کے موقع پر) علاج کیسے کیا گیا؟ تو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب اس واقعے کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لاتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے خون کو دھوتی تھیں، پھر (جب خون نہیں رُکا تو) ایک بوریا لاکر اسے جلایا گیا، جس (کی راکھ) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زخم بھرا گیا۔"



یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف خون کا مسئلہ بیان فرمانا نہیں چاہتے، بلکہ آپ کی توجّہ بطورِ خاص عورت کے دھونے کی جانب ہے، اس لیے کہ آپ کا مختار مذہب یہ ہے کہ مسِ مرأۃ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

"عَنْ وَجْهِهِ" ......اس لفظ کو واقعے کی مطابقت کے لیے ذکر کیا ہے۔

"وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: "امْسَحُوْا" ......یعنی آپ نے یہ وضو کے وقت فرمایا۔ اور مسح کے لغوی معنیٰ مُراد ہیں، عرفِ جدید والا معنیٰ: "إمرارُ اليدِ المُبتَلَّةِ" مُراد نہیں ہے۔



۷۷ - بَابُ السِّوَاكِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَنَّ".

۲۴۴ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ: "أُعْ أُعْ". وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ".

ترجمہ: یہ باب مسواک کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ایک رات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گزاری، تو آپ نے مسواک فرمایا۔

حضرت ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اپنے دست مبارک سے مسواک کرتے ہوئے پایا، آپ کے منہ سے اُع اُع کی آواز آرہی تھی، اس حال میں کہ مسواک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں تھی، گویا کہ آپ قئے کررہے ہوں۔''



"فَاسْتَنَّ" ......یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دندانِ مبارک پر مسواک پھیرا۔ "اِسْتَنَّ" یہ "سِنٌّ" بمعنیٰ دانت سے مشتق ہے۔

۲۴۵ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ".

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو اپنے دہن مبارک کو مسواک سے صاف فرماتے۔''

جان لیں کہ مسواک کے متواتر ہونے کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی فضیلت کی احادیث ذکر نہیں فرمائیں اور نہ ہی اپنے تراجم میں اس کا اہتمام فرمایا ہے۔ البتہ باب الجمعہ میں ایک عمدہ حدیث ذکر فرمائی ہے، حالانکہ وہ طہارت کے باب کے مناسب ہے، معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسواک کو نماز کے متعلقات میں شمار کیا ہو، جیسا کہ شوافع کا موقف ہے، اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر فرمایا ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب الجمعہ میں جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس کے الفاظ ہیں: "مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ" جس سے پتا چلا کہ آپ نے اسے طہارت کا حصّہ نہیں قرار دیا ہے، اور اسی وجہ سے اِس باب میں اُس روایت کو ذکر نہیں فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر وضو کرنے کے بعد اگر دیر سے نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اس وقت بھی حنفیہ کے نزدیک مسواک مستحب ہے۔

"يَشُوْصُ" ......یعنی مسواک کو دہن مبارک کے اندرون میں پھیرتے تھے۔



۷۸ - بَابُ دَفْعِ السِّوَاكِ إِلَى الأَكْبَرِ

٢٤٦ - وَقَالَ عَفَّانُ: حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "أَرَانِي أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا، فَقِيلَ لِي: كَبِّرْ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا". قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: "اخْتَصَرَهُ نُعَيْمٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ أُسَامَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ".

ترجمہ: یہ باب بڑے شخص کو مسواک دینے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کررہا ہوں، اس دوران دو شخص آئے، جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، میں نے دونوں میں سے چھوٹے کو مسواک دیا، تو مجھ سے (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے وحیاً) کہا گیا کہ ''بڑے کو پہلے دیجیے۔'' سو میں نے وہ مسواک بڑے کو دے دیا۔''



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اِس حدیث کو مختصراً نقل فرمایا ہے، وہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے، وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شاید مسواک دینے کی ترتیب بیان فرمانا چاہتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک فضیلت والی چیزوں میں سے ہے۔

مقاولہ اور مذاکرہ میں فرق:

"وَقَالَ عَفَّانُ"......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کو مقاولۃً (بلفظ قال) ذکر فرمایا ہے، حالانکہ حضرت عفان رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شیخ ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث آپ نے ان سے مقاولۃً حاصل فرمائی ہو، بطورِ مذاکرہ نہیں، گفتگو کے

دورانِ شیخ سے جو حدیث سنی جائے اسے ''مقاولہ'' کہتے ہیں، جس میں شیخ باضابطہ طور پر حدیث بیان کرنے کے لیے نہ بیٹھے ہوں۔ اگر حدیث بیان کرنے ہی کے لیے بیٹھے ہوں تو اسے ''مذاکرہ'' کہا جاتا ہے، لہٰذا مذاکرے میں مقاولہ سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے، جب کہ مقاولہ مجلس وعظ کی طرح ہوتا ہے۔

"أَرَانِيْ أَتَسَوَّكُ"...... اِن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب کا قصہ ہے، جب کہ بعض الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ یہ بیداری کی حالت کا قصہ ہے، جیسا کہ ابوداود کی روایت میں ہے، لہٰذا بعض حضرات نے اسے متعدد واقعات پر محمول کرتے ہوئے وجہ الجمع یہ ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصہ اولاً خواب میں دیکھا، پھر بیداری میں بھی یہی پیش آیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سی چیزیں جو خواب میں دیکھتے تھے وہ بیداری میں پیش آتی تھیں۔

"فَقِيْلَ لِيْ"...... اِس سے معلوم ہوا کہ مسواک اتنی فضیلت کی چیز ہے کہ اس کے بارے وحی نازل ہوئی۔

لفظ "رُؤْيَا" کے متعلق ایک فائدہ:

جاننا چاہیے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جن غیب کی چیزوں کو بحالت بیداری دیکھتے ہیں اُن کو بھی "رُؤْيَا" کہا جاتا ہے۔ جس طرح سویا ہوا شخص جو خواب دیکھتا ہے کہ وہ اس کے علاوہ شخص کو نظر نہیں آتا، اسی طرح حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی بحالت بیداری کچھ ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جو اُن کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ ''میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کے خواب کے مطابق ہوں۔''[1] نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا تھا جو مشرق سے مغرب تک تھا۔ پھر اِس پر رؤیا کا اطلاق ہوا۔ ''سفر الدانیال'' میں ہے کہ خواب کے ستر ہفتوں کے بعد مہر لگائی جاتی ہے، اس سے انھوں نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور نبوت کے مشاہدات مُراد لیے ہیں۔ لہٰذا اِس حدیث میں بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا وہ بحالت بیداری دیکھا، لیکن مذکورہ وجہ سے اُس پر رؤیا کا اطلاق ہوا ہے۔ ان شاء اللہ اس کی مزید بحث کتاب التفسیر میں آئے گی۔

"قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ اخْتَصَرَهُ نُعَيْم"...... ''المیزان'' میں ہے کہ یہ نعیم بن حماد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی

---

[1] صحیح ابن حبان میں یہ روایت اِن الفاظ کے ساتھ ہے:

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ الْفَزَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "إِنِّي عِنْدَ اللهِ مَكْتُوبٌ بِخَاتَمِ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ: دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى، وَرُؤْيَا أُمِّيَ الَّتِي رَأَتْ حِينَ وَضَعَتْنِي أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ". (الرقم: ۲۹۷۹)

شان میں جھوٹی حکایتیں بیان کرتے تھے۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بطورِ استشہاد روایت لی ہے، اصول میں روایت نہیں لی ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اصول میں بھی روایت لی ہے، جیسا کہ "بَابُ اسْتِقْبَالِ فَضْلِ القِبْلَةِ" میں ہے، اور دوسری جگہوں میں بھی ہے، لہٰذا ''المیزان'' میں مذکور بات کی تاویل یہ کرنی چاہیے کہ ''تزویر'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اُن باتوں کو نقل کرنے میں پرواہ نہیں کرتے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بذاتِ خود جھوٹ گھڑتے تھے، اور اِس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف ہوں گے، کیوں کہ وہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابومطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے منشی اور کاتب تھے، تو کسی معاملے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے انھیں قید کیا گیا، اس کے بعد سے وہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جہمیہ ہونے کا الزام لگاتے تھے۔

انہی جیسی باتوں کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ جہمی تھے۔'' حالانکہ محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ جہمیہ کی تردید میں فرماتے تھے کہ استواء علی العرش صحیح ہے، جو اس کی مخالفت کرے وہ جہمی ہے، جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔ اور علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ''المسایرۃ'' میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہم بن صفوان سے مناظرہ فرمایا، پھر اخیر میں فرمایا کہ ''اے کافر! تو یہاں سے نکل جا۔'' الغرض تعجب کی بات ہے کہ لوگ ہم پر جہمیہ ہونے کا طعن کرتے ہیں۔ وَاللهُ المستعان.



۷۹ - بَابُ فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوءِ

۲۴۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ قُلْ: "اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ". فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ، فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ". قَالَ: فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا بَلَغْتُ: "اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، قُلْتُ: "وَرَسُولِكَ"، قَالَ: "لَا، "وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ".

ترجمہ: یہ باب رات کو باوضو سونے کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم اپنے بستر پر آؤ تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرو، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ دعا پڑھو: ''اے اللہ! میں نے اپنی ذات آپ کے سپرد کر دی اور میں نے اپنا معاملہ آپ کو سونپ دیا، میں نے آپ سے اُمید کرتے ہوئے اور آپ سے ڈرتے ہوئے آپ کی پناہ لے رکھی ہے، آپ کے سِوا کوئی جائے پناہ وجائے نجات نہیں ہے، اے اللہ! میں آپ کی اُس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو آپ نے نازل فرمائی ہے اور آپ کے اُس نبی پر ایمان رکھتا ہوں جن کو آپ نے بھیجا ہے۔'' پھر اگر اسی رات تمھاری موت آئے گی تو تم دین فطرت پر قائم ہونے کی حالت میں مرو گے، اور اِن کلمات کو تم اپنا آخری کلام بنالو۔ راوی حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اِن کلمات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دہرایا، تو جب میں نے "اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ" کے بعد "وَرَسُوْلِكَ" کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، (بلکہ یہ کہو کہ) "وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ".

"وُضُوْءَكَ للصَّلَاةِ" ...... یہ وضو حدث کی حالت کی وجہ سے ہے، نماز کے لیے نہیں ہے، وضو کی اس قسم کا ذکر فقہائے کرام کے یہاں اتنا کم ہے کہ اب اس کو پہچاننا بھی مشکل ہے، ان حضرات کے نزدیک نماز کا وضو ہی زیادہ مشہور ہے، اس لیے کہ سورۂ مائدہ میں وہ مذکور ہے اور کتب فقہ میں بھی اس کا ذکر ہوتا ہے، لیکن مسلم شریف کی روایت: "الطُّهُوْرُ شَطْرُ الإِيْمَانِ" وضو اور تطہیر کی تمام انواع کو شامل ہے، نہ کہ صرف مشہور وضو کو۔

انبیائے کرام کے سونے کا طریقہ:

"ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الأَيْمَنِ" ...... یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے سونے کا طریقہ ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں دائیں جانب تمام مواقع میں پسندیدہ ہے، اور اس طرح سونے میں قلب معلق رہے گا، جس سے گہری نیند نہیں آئے گی اور غفلت طاری نہ ہوگی۔ ابوداود میں ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ چت لیٹنے کا تھا، تو مناسب یہ ہے کہ اولاً ابوداود کی روایت کے مطابق چت لیٹ جائے، پھر بخاری شریف کی روایت کے مطابق دائیں پہلو پر لیٹ جائے۔ اور پیٹ کے بل (اُلٹا) لیٹنا جہنّم والوں کا طریقہ ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ بائیں پہلو پر سونا آسان، کھانا ہضم کرنے میں معین اور صحت کے لیے مفید ہے۔

"وَجْهِيْ إِلَيْكَ" ...... منھ یا وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی جانب متوجّہ کی جائے۔

"عَلَى الفِطْرَةِ" ...... یعنی اس فطرتِ توحید کے مطابق موت ہوگی جیسے تم اللہ تعالیٰ کے پاس سے دنیا میں آئے تھے، یعنی جیسے اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے تھے ویسے ہی جاؤ گے۔

"قَالَ: لَا، وَنَبِيِّكَ" ...... اس لیے کہ لفظ رسول کہنے میں تکرار ہو جاتی ہے، اس سے بعض حضرات نے روایت بالمعنیٰ کے ممنوع ہونے پر استدلال کیا ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفاظ کی تبدیل کو جائز نہیں قرار دیا۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ یہاں تاکید لازم آنے کی وجہ سے روکا گیا، کیوں کہ تاسیس اولیٰ ہے۔

علاوہ ازیں عربی زبان میں روایت بالمعنیٰ ممکن بھی نہیں، کیوں کہ تحقیق کی جائے تو الفاظ کے درمیان ترادف نہیں ملتا، اور نہ ہی کوئی ترکیب کسی دوسری ترکیب کی جگہ کام آسکتی ہے، البتہ صرف معنیٔ مشترک کی ادائیگی ہوسکتی ہے، لہٰذا ہر ترکیب کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں جو دوسری ترکیب سے ادا نہیں ہوسکتیں۔

روایت حدیث میں امام ابوحنیفہ کی شرطیں:

پھر محدثین نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا شمار ان صحابہ میں ہے جو روایت باللفظ

کرتے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی لفظ کو بھول جائیں تو اس پر تنبیہ کرتے ہوئے روایت بالمعنیٰ کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار روایت باالالفاظ کرنے والوں میں ہوتا ہے، اس لیے کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی توثیق میں فرمایا ہے کہ ''ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے، ہم نے آپ سے زیادہ عقلمند کسی کو نہیں پایا۔'' آپ وہی حدیث بیان فرماتے تھے جو آپ کو یاد ہوتی، نیز محدثین نے لکھا ہے کہ آپ کی شرائط میں سے تھا کہ راوی اپنی روایت کو عمر بھر نہ بھولے۔ یہ اصل میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ یحییٰ بن معین اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہما اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ دونوں حضرات حنفی تھے، میں کہتا ہوں کہ یہ نقل سلف صالحین کے طریقے کے مطابق ہے، ایسا نہیں جیسا اب چل رہا ہے، پھر اِن دونوں حضرات کی رائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اچھّی نہیں تھی، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اِن دونوں حضرات جیسوں کی تخریج سے بہت بلند وبالا ہے۔

جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنا:

فائدہ: جاننا چاہیے کہ جنبی شخص کے لیے سونے سے پہلے وضو کر لینا مناسب ہے، کیوں کہ ''تنویر الحوالک'' میں حضرت میمونہ بن سعد رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا بحالت جناب سو سکتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنبی کے لیے بغیر وضو کے سونا پسند نہیں کرتا، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کی موت ایسی حالت میں نہ آجائے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کے پاس نہ آئیں۔ [1]

یہ روایت حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلّی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاشیۂ موطا میں نقل فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس پر عمل فرماتے تھے مگر آپ اِس وضو میں مسح نہیں فرماتے تھے، ہوسکتا ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل رہی ہو۔ اس مسئلے میں میرے پاس متعدد عمدہ احادیث ہیں، ہمارے فقہائے کرام نے اِس وضو کے استحباب کی صراحت فرمائی ہے، نیز یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ یہ وضو پیشاب پاخانے کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔ اس بحث کے لیے الدر المختار اور ''عین العلم'' دیکھ لیں۔



[1] یہ روایت تنویر الحوالک میں المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے ان الفاظ کے ساتھ ہے:

عَن مَيْمُونَةَ بنتِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلتُ يَا رَسُولَ اللهِ! هَل يَأْكُلُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: "لَا يَأْكُلْ حَتّٰى يتَوَضَّأَ"، قُلتُ: يَا رَسُول اللهِ! هَل يرقُدُ الْجُنُبُ؟ قَالَ: "مَا أُحِبُّ أَن يَرقُدَ وَهُوَ جُنُبٌ، حَتّٰى يتوَضَّأَ؛ فَانِي أَخْشٰى أَن يُتَوَفّٰى فَلَا يَحْضُرُهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ". (۱ / ۵۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كِتَابُ الْغُسْلِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾ وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۝﴾

ترجمہ: غسل کا بیان اور اللہ ربّ العزت کا ارشاد کہ ''اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (نہا کر) خوب پاک ہو جاؤ، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے (فارغ ہوکر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت (مجامعت) کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹّی سے تیمّم کرلیا کرو۔ پس (تیمّم یہ ہے کہ) اس (پاک مٹّی) سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تم پر کسی قسم کی سختی کرے، لیکن وہ (یہ) چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کردے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔'' نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ تم وہ بات سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں (نماز کے قریب جاؤ) تا آنکہ تم غسل کرلو، سوائے اس کے کہ تم راستے سے گزرنے والے ہو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے لوٹے یا تم نے (اپنی) عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم پانی نہ پاسکو تو تم پاک مٹّی سے تیمّم کرلو، پس اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرلیا کرو۔ بے شک اللہ معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔''

غسل میں مَلنے کا حکم:

جان لیں کہ لغوی اعتبار سے غسل میں مَلنے کا اعتبار ہوتا ہے، علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح القدیر میں اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے مالکیہ نے مَلنا شرط قرار دیا ہے، جس میں مَلنا نہ ہو اسے ان کے نزدیک غسل نہیں کہا جائے گا، بلکہ وہ پانی ڈالنا اور بہانا ہے، لیکن ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ مسمّٰی کے تمام مراتب کا اعتبار ہے، جب کہ اس کے بعض مراتب میں اجتہاد کی گنجائش ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے غسل کے تمام مراتب کا اعتبار فرمایا، جب کہ دیگر حضرات نے اسے عام رکھا ہے۔ یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ یہ نص کے خلاف ہے، کیوں کہ آیت کریمہ میں تو مراتب کا ذکر ہے ہی نہیں، آیت میں صرف مسمّٰی یعنی غسل کا حکم فرمایا گیا ہے، جس کے ہم بھی قائل ہیں۔



١ - بَابُ الْوُضُوءِ قَبْلَ الْغُسْلِ

٢٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعَرِهِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَىٰ رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَىٰ جِلْدِهِ كُلِّهِ".

ترجمہ: یہ باب غسل سے پہلے وضو کرنے کے بیان میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو شروع میں دونوں ہاتھ کو دھوتے، پھر نماز کی طرح وضو فرماتے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل فرما کر اُن سے اپنے بال کی جڑوں کا خلال فرماتے، پھر اپنے سر مبارک پر دونوں ہاتھ کے ذریعے تین چلّو پانی ڈالتے، پھر اپنے پورے بدن مبارک پر پانی بہاتے۔“

٢٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ، وَغَسَلَ فَرْجَهُ، وَمَا أَصَابَهُ مِنَ الْأَذىٰ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، ثُمَّ نَحَّىٰ رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، هٰذِهِ غُسْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ".

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے وضو کی طرح وضو فرمایا، مگر دونوں پیر (اس وقت نہیں دھوئے) اور اپنی شرم گاہ اور اس پر لگی گندگی کو دھویا، پھر خود پر پانی بہایا، پھر دونوں پیروں کو ایک جانب کر کے دھویا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل جنابت کا طریقہ تھا۔“

غسل سے پہلے وضو کرنا سنّت ہے، اگر غسل سے پہلے وضو کرلیا ہوتو پھر غسل کے بعد وضو کرنا بدعت ہے، سوائے ان تفصیلات کے جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ وضو مکمّل تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک کا مسح بھی فرماتے تھے۔ دونوں پیر کو دھونے کا مسئلہ قدوری میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ یہ کہ اگر غسل کرنے کی جگہ ایسی ہو جہاں پانی جمع ہوتا ہو تو دونوں پیر کو اخیر میں دھوئے، ورنہ وضو کے ساتھ دھوئے۔ ''فصول البقراطی'' میں ہے کہ جماع کے بعد فوراً غسل کرنا کبھی بیماری کا سبب بن سکتا ہے۔

"غُرَفٍ" ......لفظ "غَرْفَةٌ" غین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنیٰ ہیں برتن میں سے چلّو بھرنا، اور لفظ "غُرْفَةٌ" غین کے ضمے کے ساتھ ہو تو اس کے معنیٰ ہیں ندی میں سے چلّو بھرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهِۦ﴾ [البقرة: ۲۴۹]



۲ - بَابُ غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ

۲۵۰ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ: "الْفَرَقُ".

ترجمہ: یہ باب اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا کہ "میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکڑی کے ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے جسے "فرق" کہا جاتا ہے۔"



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوضو میں بھی اسی طرح کا باب قائم فرمایا ہے: "بَابُ وُضُوْءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ" گویا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ترک فرما دیا، مسئلے کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اور یہ بھی گزر چکا کہ ایک ساتھ غسل کرنے کی وجہ سے پانی جھوٹا نہیں کہا جائے گا۔ اور ممانعت والی احادیث کا مدار باقی ماندہ (جھوٹے) پر ہے۔

"الفَرَق" ...... یہ ایک ایسا برتن ہے جو تین صاع کے برابر ہوتا ہے، یہ اگر بھرا ہوا ہو تو دونوں غسل کرنے والوں کے حصے میں ڈیڑھ ڈیڑھ صاع پانی آئے گا، اور غسل کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول ایک صاع پانی کا تھا، پہلے گزر چکا کہ اس میں کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ اندازہ ہے۔ اور اگر یہ برتن (فرق) خالی ہو تو پھر تحقیقی بات شمار ہوگی اور دونوں کے حصے میں ایک ایک صاع پانی آئے گا، کیوں کہ فرق تین صاع کا ہونے کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ اس میں پانی بھی اسی مقدار میں ہو، ممکن ہے کہ اس میں پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول کی مقدار میں ہو۔



٣ - بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ

٢٥١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: "دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَىٰ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ ﷺ، فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوًا مِنْ صَاعٍ، فَاغْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ عَلَىٰ رَأْسِهَا، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ". قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: "قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ: "قَدْرِ صَاعٍ".

ترجمہ: یہ باب صاع وغیرہ سے غسل کرنے کے بیان میں ہے۔

ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے (رضاعی) بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے بھائی نے آپ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے متعلّق دریافت کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع کے بقدر ایک برتن منگوایا، پھر غسل فرمایا اور اور اپنے سر پر پانی بہایا اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرات یزید بن ہارون، بہز اور جدّی رحمہم اللہ نے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں "قَدْرِ صَاعٍ" کے الفاظ ہیں۔''



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ترجمۃ الباب میں لفظ ''صاع'' کا ذکر اس کی اہمیت کی وجہ سے اور احادیث میں وارِد ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے، یہ اہتمام علمائے معانی کی طرح ہے، یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی نے ایک صاع کا اعتبار نہیں کیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحدید اور مقدار بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ غسل میں اثر کا اتباع کرتے ہوئے ایک صاع کا اعتبار فرمایا ہے۔

"وَأَخُوْ عَائِشَةَ" ......یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی۔

"الجُدِّيُّ" ...... یہ جُدّہ کی جانب نسبت ہے، اور یہ بضم الجیم زیادہ فصیح ہے جِدّہ بکسر الجیم کے مقابلے میں۔ اور بفتح الجیم غلط ہے۔

۲۵۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ: "أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا هُوَ وَأَبُوهُ وَعِنْدَهُ قَوْمٌ، فَسَأَلُوهُ عَنِ الْغُسْلِ، فَقَالَ: "يَكْفِيكَ صَاعٌ". فَقَالَ رَجُلٌ: "مَا يَكْفِينِي". فَقَالَ جَابِرٌ: "كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعَرًا، وَخَيْرٌ مِنْكَ". ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ".

ترجمہ: ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وہ اور اُن کے والد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھے، اس حال میں کہ کچھ اور لوگ بھی وہاں تھے، لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غسل کے متعلّق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ایک صاع کافی ہے، اس پر ایک شخص نے کہا کہ مجھے تو ایک صاع کافی نہیں ہوتا، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سے زیادہ بال رکھنے والے اور تم سے بہتر شخصیت کو ایک صاع کافی ہوجاتا تھا۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے میں ہماری امامت فرمائی۔''

۲۵۳ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُونَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ". وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ: "قَدْرِ صَاعٍ" قال أبو عبد الله: كان ابن عينية يقول أخيراً: عن ابن عباس عن ميمونة؛ والصحيح رواه أبونعيم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک برتن سے غسل فرماتے تھے۔''

حضرات یزید بن ہارون، بہز اور جدّی رحمہم اللہ نے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں "قَدْرِ صَاعٍ" کے الفاظ زیادہ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ بعد میں "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ" فرمانے لگے، حالانکہ صحیح وہی ہے جو ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔''

"ثُمَّ أَمَّنَا" ...... یہ روایت صحیح مسلم اور سنن ابی داود میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ہے، اس کی سند میں یحییٰ بن آدم ہیں جو کوفہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ اِس مسئلے کے لیے "نیل الفرقدین" سے رجوع کریں، کیوں کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس اثر کی شرح میں غلطی کی ہے۔



٤ - بَابُ مَنْ أَفَاضَ عَلَىٰ رَأْسِهِ ثَـلَاثًا

٢٥٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَّا أَنَا، فَأُفِيضُ عَلَىٰ رَأْسِي ثَـلَاثًا". وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا".

ترجمہ: یہ باب سر پر تین مرتبہ پانی بہانے کے بیان میں ہے۔
حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں، (یہ فرماتے ہوئے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔''

٢٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلَىٰ رَأْسِهِ ثَـلَاثًا".

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سر مبارک پر تین مرتبہ پانی بہاتے تھے۔''

٢٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ: حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ: قَالَ لِي جَابِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "وَأَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ، ـ يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ ـ قَالَ: "كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ؟" فَقُلْتُ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْخُذُ ثَـلَاثَةَ أَكُفٍّ، وَيُفِيضُهَا عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَىٰ سَائِرِ جَسَدِهِ"، فَقَالَ لِيَ الْحَسَنُ: "إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعَرِ؟" فَقُلْتُ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا".

ترجمہ: ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "آپ کے چچازاد بھائی میرے پاس آئے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ حسن بن محمد بن الحنفیہ سے کنایہ فرما رہے تھے، (حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ غسل جنابت کیسے کیا جاتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مرتبہ چلّو میں پانی بھر کے اپنے سر مبارک پر بہاتے تھے، پھر اپنے پورے بدن مبارک پر پانی بہاتے تھے، اِس پر حسن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ میرے بال تو زیادہ ہیں؟ تو میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک تم سے زیادہ تھے۔"



٥ - بَابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً

٢٥٧ - حَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً لِلْغُسْلِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهٖ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ، ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهٖ، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ".

ترجمہ: یہ باب غسل میں ایک مرتبہ بدن دھونے کے بیان میں ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ اپنے ہاتھ دھوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بائیں جانب پانی بہایا، پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر پوچھا، پھر کلّی فرمائی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے اور ہاتھ کو دھویا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بدن مبارک پر پانی بہایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی (غسل کی) جگہ سے ہٹ کر دونوں قدم مبارک دھوئے۔''



غسل میں ایک مرتبہ بدن دھونا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔

"ثُمَّ أَفَاضَ علٰى جَسَدِهٖ" ...... یہ الفاظ محل ترجمہ ہیں، اِس روایت کے طرق میں غور کرنے کے بعد مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مرتبہ بدن مبارک دھونے پر اکتفا کے بارے میں تردّد ہوگیا، ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عادتِ مبارکہ کے مطابق تین مرتبہ دھویا ہو، اگر اِس واقعے میں تثلیث ثابت ہوجاتی ہے تو یہ ترجمۃ الباب صرف مسئلۂ جواز بیان کرنے کے لیے ہوگا۔



٦ - بَابُ مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

۲۵۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ، فَأَخَذَ بِكَفِّهٖ، فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ، فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى رَأْسِهٖ".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ کوئی شخص غسل کے وقت دودھ کے برتن یا خوشبو سے شروع کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو دودھ کے برتن جیسی کوئی چیز منگواتے، جسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر سَر مبارک کی دائیں جانب سے دھونا شروع فرماتے، پھر بائیں جانب کو دھوتے۔'' راوی (ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے دونوں ہاتھ سے سَر کی جانب اشارہ کیا۔



لفظ ''حلاب'' کی تحقیق:

"حِلَاب" دودھ کے مشہور برتن کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے جو کہا ہے کہ یہ "جُلَاب" کی تصحیف ہے، جو گلاب کے معنیٰ میں ہے یا درخت کا بیج ہے جس سے خوشبو حاصل کی جاتی ہے تو یہ بہت بعید ہے۔ کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس لفظ کو بہت سی جگہوں پر استعمال فرمایا ہے، تمام جگہوں میں تصحیف قرار دینا یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو غلط قرار دینا کہ وہ اس کے معنیٰ درخت کا خوشبودار بیج سمجھے ہیں یہ بہت بعید ہے، نیز اس لیے بھی یہ بعید ہے کہ حدیث میں لفظ ''حِلاب'' صراحۃً وارِد ہے۔ شارحین کے لیے لفظ حلاب اور خوشبو کے معنیٰ کو جمع کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ''حِلاب'' اور خوشبو کو جمع کرنا دونوں کے درمیان تقابل تضاد کی وجہ سے ہے، کیوں کہ حِلاب (دودھ کے برتن) میں دودھ کی خوشبو رہ جاتی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ اگر پانی میں اس کی بو یا رنگ کا اثر ظاہر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح غسل کے وقت خوشبو لگانے سے غسل کے بعد بھی اس کا اثر بعض مرتبہ باقی رہتا ہے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر آئندہ ترجمۃ الباب "بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ

وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيْبِ" کی جانب ہے، اگرچہ اُس باب میں خوشبو کا استعمال جماع کے لیے ہے تاکہ نشاط حاصل ہو، غسل کے لیے نہیں ہے، اور کچھ علاقوں میں غسل سے پہلے بھی خوشبو لگانے کا رواج ہے کہ وہ لوگ اولاً تیل لگاتے ہیں، پھر غسل کرتے ہیں، لیکن ہمارے ملک میں صرف غسل کے بعد ہی خوشبو لگائی جاتی ہے۔

ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد:

حاصل کلام یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اِس ترجمۃ الباب میں یہ ہے کہ اگر پانی میں دودھ کے برتن کا اثر یا اس جیسی کوئی بو وغیرہ رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بالفاظِ دیگر یوں کہا جائے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے تو کوئی حرج نہیں، البتہ خوشبو کا مسئلہ تبعاً ذکر ہوا ہے، اِس صورت میں یہ اشکال بھی نہیں ہوگا کہ اِس حدیث میں خوشبو کا کوئی ذکر نہیں ہے، کیوں کہ دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں کا اثر باقی رہتا ہے، چنانچہ دودھ کے بَرتن میں دودھ کا اثر اور خوشبو لگانے کی وجہ سے خوشبو کا اثر باقی رہتا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل کے بعد دونوں کا اثر باقی رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

"نَحْوَ الحِلاَبِ" ......اس روایت کے دیگر طرق میں ہے کہ یہ برتن متعین طور پر حِلاب یعنی دودھ کا برتن ہی تھا۔



۷ - بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ

۲۵۹ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَدَّثَتْنَا مَيْمُونَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا، فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلٰى يَسَارِهِ، فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ، ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَأَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهٖ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا".

ترجمہ: یہ باب غسل جنابت کے دوران کلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان فرمائی کہ ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غسل کا پانی ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر دونوں کو دھویا، پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مٹّی سے پوچھا، پھر اسے دھویا، پھر کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا چہرہ دھویا اور اپنے سر پر پانی بہایا، پھر آپ نے ایک جانب ہو کر اپنے دونوں قدم مبارک دھوئے، پھر تولیہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بدن کو خشک نہیں فرمایا۔''



امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کلّی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا دونوں غسل میں واجب ہیں، امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ نے اسے مطلقاً اختیار فرمایا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل میں دونوں کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ مراتب کی تعیین اجتہاد کے قبیل سے ہے، لہٰذا ہمارا نظریہ یہ ہے کہ دونوں واجب ہیں، اس لیے کہ غسل جنابت میں شریعت کی جانب سے سختی زیادہ ہے، اس قدر سختی حدثِ اصغر کے باب میں نہیں ہے، چنانچہ جنبی کے لیے قرآن پڑھنا ممنوع ہے، حالانکہ حدثِ اصغر والے کے لیے قرآن پڑھنا ممنوع نہیں ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حدثِ اصغر کے مقابلے میں جنابت کی سرایت باطنی طور پر زیادہ ہے، اس لیے ہم نے دونوں کو فرض کہا، اور جن حضرات

نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فرض خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا تو وہ حضرات غلطی پر ہیں، کیوں کہ فرض خبر واحد سے بھی ثابت ہوسکتا ہے، مگر وہ قطعی نہیں ہوگا، اور ہر فرض کا قطعی ہونا ضروری بھی نہیں، البتہ جو فرض کتاب اللہ سے ثابت ہو وہ یقیناً قطعی ہوگا۔

پھر حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ جو اِس سند میں ہیں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث لیتے ہیں تو حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد فرماتے ہیں۔

"غُسْلًا" ......لفظ ''غُسل'' غین کے ضمہ کے ساتھ مصدر اور اسم ہے، غین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہے، اور لفظ ''غِسل'' غین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو پانی کے معنیٰ میں ہے، لیکن اس کا استعمال کم ہے۔ پھر تولیے کا استعمال جائز ہے، اِس مسئلے کو ''المنیہ'' اور فتاویٰ قاضی خان میں دیکھ لیں، دونوں میں سے ایک میں تولیے کا استعمال مکروہ قرار دیا گیا ہے جو کراہت تنزیہی پر محمول ہوگا۔ حاصل یہ کہ تولیے کا استعمال مسنون نہیں ہے، لفظ "مِنْدِیْل" کے اشتقاق میں کلام ہے، اور وہ مشہور ہے۔



٨ - بَابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِيَكُونَ أَنْقَىٰ

٢٦٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ، ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ غسل کے دوران ہاتھ کو مٹّی سے پوچھا جائے، تاکہ وہ اچھی طرح صاف ہوجائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کیا تو پہلے اپنی شرمگاہ کو اپنے ہاتھ سے دھویا۔ پھر ہاتھ کو دیوار پر رگڑ کر دھویا۔ پھر نماز کی طرح وضو کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غسل سے فارغ ہو گئے تو دونوں پاؤں دھوئے۔



"الحُمَيْدِيُّ" ...... حمیدی رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق سفر اور آپ کے مذہب کے علم بردار ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف ہیں، چوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے تلامذہ میں سے ہیں اس لیے آپ نے بھی مخالفت میں اپنے شیخ کی اتباع فرمائی۔ اور یہ طریقہ قدیم زمانے سے اب تک چلا آرہا ہے کہ تلامذہ اعمال واخلاق، سیرت وکردار اور مسائل میں اپنے مشائخ کی پیروی کرتے ہیں۔ اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حجام کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سر کا حلق کرنے اور آپ کی اصلاح کرنے کا قصّہ نقل کر دیا ہے، حالانکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اِدراک بہت دقیق تھا، کیوں کہ تیامن حالق اور محلوق دونوں کے اعتبار سے ممکن ہے، اسی طرح استقبالِ قبلہ بھی دونوں طرح ممکن ہے، لہٰذا امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اِن امور کا لحاظ کرنا چاہیے تھا اور ایسے امام کی شان میں طعن سے بچنا چاہیے تھا جن کی پیروی اِس اُمّت کا بڑا طبقہ کر رہا ہے۔ اسی جیسی وجوہات سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں کہیں بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب کا ذکر نہیں فرمایا، اس لیے

کہ جب آپ کے پاس امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب اور لوگوں کے بیان کردہ عیوب دونوں پہنچے اور آپ کے ذہن میں صرف عیوب ہی غالب رہے تو آپ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرنے سے اعراض فرمایا۔

پھر اس طرح کے امور اور عوارض انسان کو پیش آتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ انسان کی رائے اسی پر جمی رہے، مثلاً آج آپ کسی شخص کے فسق کو سن کر اس سے نفرت کریں، پھر آپ کو اس کی خوبیاں معلوم ہوں تو آپ اپنی رائے بدل کر اس سے محبّت کرنے لگو گے، لہٰذا اِن امور پر انسان ہمیشہ برقرار نہیں رہتا، بلکہ خبروں پر مدار ہوتا ہے، میں صحیح بخاری میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے بہت سے تلامذہ میں سے رواۃ کو دیکھتا ہوں، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے مناقب کا پہلو راجح ہے، حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہجو کے بارے میں ایک حرف نہیں پاتا، بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے مناقب منقول ہیں، حتیٰ کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب کو بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب سے زیادہ نہیں پایا، ان مناقب میں سے ایک بھی ہے کہ ”میں نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اونٹ کے دونوں طرف کے وزن کے برابر علم حاصل کیا ہے۔ ایک یہ بھی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ آنکھ اور دِل کو بھر دیتے تھے اور جب آپ کلام فرماتے تو ایسا لگتا گویا وحی نازل ہو رہی ہو۔

اور امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ سے بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مناقب اور بعض خامیاں منقول ہیں، جن کا سبب حنفیہ کی جانب سے واقع ہونے والے فتنے اور مصائب ہیں۔ تاریخ الخطیب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں لفظ ”کفر“ بھی مذکور ہے۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝۵﴾ [الکھف: ۵]

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک ہیں، سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا جواب دیا ہے، اس کتاب کا نام انھوں نے "السَّهْمُ الْمُصِيبُ فِي كَبِدِ الخَطِيبِ" رکھا ہے، یہ کتاب اب طبع ہو چکی ہے۔ اِن جیسی باتوں میں خارج اور واقع کو دیکھنا چاہیے، آپ دیکھ ہی سکتے ہیں کہ آج کل لوگ کیا کر رہے ہیں اور کس طرح ایک دوسرے پر تہمت لگا دیتے ہیں۔[1]



[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے یہاں فروع میں اختلاف کے ساتھ اقتدا کے جواز کی مفصل بحث ذکی ہوگئی ہے۔ اسے حدیث نمبر (۲۷۵) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

۹ - بَابٌ: هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ کیا جنبی اپنا ہاتھ بغیر دھوئے برتن میں ڈال سکتا ہے جب کہ اس کے ہاتھ پر جنابت کے سِوا کوئی گندگی لگی ہوئی نہ ہو؟

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ دھوئے بغیر طہارت کے پانی میں ڈال دیا، پھر وضوفرمایا۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے غسل جنابت کے چھینٹوں کے بارے میں کوئی حرج نہیں سمجھی۔

۲۶۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: أَخْبَرَنَا أَفْلَحُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے، جس میں ہمارے ہاتھ آگے پیچھے پڑتے تھے۔"



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ترجمۃ الباب میں منی کے ناپاک ہونے کی صراحت فرمائی ہے اور اس کو گندگی میں سے شمار فرمایا ہے، اور یہ مسئلہ اختیار فرمایا ہے کہ مائے مستعمل پاک ہے، جمہور بھی اسی جانب گئے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مائے مستعمل مطہّر بھی ہے۔

"وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ" ......اتنی مقدار ہمارے اُن مشائخ کے نزدیک بھی معاف ہے جو مائے مستعمل کو نجس قرار

دیتے ہیں۔الدرالمختار میں مذکور ہے کہ مائے مستعمل جب دوسرے پانی کے ساتھ مل جائے تو اعتبار غالب کا ہوگا۔

٢٦٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو اپنے ہاتھ کودھوتے تھے۔''



"غَسَلَ يَدَهُ"......یعنی بَرتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھونا ممکن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً ہاتھ دھوتے تھے، ورنہ آپ برتن میں ہاتھ داخل فرماتے تھے، اور اس کا طریقہ شرح الوقایہ میں مذکور ہے۔علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے قوی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل فرمایا ہے کہ حائضہ عورت اگر اپنا ہاتھ برتن میں ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔اور شاید اس میں ان کے نزدیک تفصیل ہے۔اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جنبی اگر اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔تو یہ دونوں مسئلے مائے مستعمل کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتے ہیں، میں نے دونوں کو اس لیے ذکر کیا تا کہ مائے مستعمل کی نجاست والی روایت سے ہماری گردن چھوٹ سکے، گویا کہ اس کے لیے بھی مستدل ہے۔

اور اِن احادیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دھوئے جائیں۔نیز یہ ثابت کرنا ہے کہ ضرورت کے وقت بغیر دھوئے بھی ہاتھ داخل کر سکتے ہیں، تا کہ مائے مستعمل کی طہارت ثابت ہو، اگرچہ اِس سے بچنا مطلوب ہے۔

٢٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ جَنَابَةٍ". وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے تھے۔'' اور عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد سے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی کے مانند روایت کرتے ہیں۔

٢٦٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهِ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ". زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبٌ عَنْ شُعْبَةَ: "مِنَ الْجَنَابَةِ".

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے ایک زوجہ دونوں ایک برتن سے غسل کرتے تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے وہب سے، انھوں نے شعبہ سے اس کو روایت کیا ہے، جس میں "مِنَ الجَنَابَةِ" کا اضافہ ہے۔

"حَدَّثَنَا أَبُو الوَلِيْدِ" ...... یہ سنن نسائی کی وہی سند ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے پانی کی مقدار مذکور ہے کہ وہ دو تہائی مُد ہے۔



١٠ - بَابُ تَفْرِيقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوءُهُ.

ترجمہ: یہ باب غسل اور وضو کو الگ الگ کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے اپنے دونوں پیر وضو کا پانی خشک ہوجانے کے بعد دھوئے۔

---

٢٦٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ قَالَ: حَدَّثنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ، فَأَفْرَغَ عَلَىٰ يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَىٰ شِمَالِهِ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَىٰ جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّىٰ مِنْ مَقَامِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ".

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ پر بہا کر دونوں کو دو یا تین مرتبہ دھویا، پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا، پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑا، پھر کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ کو دھویا اور اپنے سر کو تین مرتبہ دھویا، پھر آپ نے اپنے جسم مبارک پر پانی بہایا، پھر آپ نے اپنی جگہ سے ایک جانب ہٹ کر اپنے دونوں قدم مبارک دھوئے۔"



اس میں مالکیہ پر تعریض ہے اور اشارہ ہے کہ موالات شرط نہیں ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں حنفیہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے۔[1]

---

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے اس باب کی تشریح بعد والے باب میں ذکر ہوگئی ہے۔

"وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا"......اس کوامام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا میں روایت کیا ہے، جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں پیر مسجد نبوی پہنچنے کے بعد دھوئے، اس سے ترکِ موالات ثابت ہے۔

"فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ" ...... میں کہتا ہوں کہ اس میں صرف دونوں قدم کو مؤخر دھونے کا ذکر ہے، اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ دونوں کو خشک ہونے کے بعد یا خشک ہونے سے پہلے دھویا۔



١١ - بَابُ مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ

٢٦٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلاً وَسَتَرْتُهُ، فَصَبَّ عَلٰى يَدِهِ، فَغَسَلَهَا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، قَالَ سُلَيْمَانُ: لَا أَدْرِي، أَذَكَرَ الثَّالِثَةَ أَمْ لَا. ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوْ بِالْحَائِطِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّىٰ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ خِرْقَةً، فَقَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَلَمْ يُرِدْهَا".

ترجمہ: یہ باب غسل میں دائیں ہاتھ کے ذریعے بائیں ہاتھ پر پانی بہانے کے بیان میں ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پردہ کردیا، آپ نے اپنے ہاتھ پر پانی بہا کر اسے ایک یا دو مرتبہ دھویا، راوی سلیمان الاعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری مرتبہ کا ذکر کیا تھا یا نہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کے ذریعے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا، پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑا، پھر کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ کو دھویا، اور اپنا سر دھویا، پھر اپنے بدن مبارک پر پانی بہایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جانب ہوکر اپنے دونوں قدم مبارک دھوئے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کپڑے کا ایک ٹکڑا پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔“



۱۲ - بَابٌ: إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ، وَمَنْ دَارَ عَلَىٰ نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

۲۶۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالَتْ: "يَرْحَمُ اللهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَطُوفُ عَلَىٰ نِسَائِهِ، ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيبًا".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جماع کے بعد (غسل سے پہلے) دومرتبہ جماع کرے، اور بیویوں کے ساتھ ہمبستری کے بعد ایک مرتبہ غسل کرے۔

حضرت محمد بن منتشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف) کا ذکر کیا، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) پر رحم فرمائیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی، پھر آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محرم ہونے کی حالت میں صبح کرتے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے خشبو مہکتی تھی۔"



"وَمَنْ دَارَ عَلَىٰ نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ" ...... اِس غسل سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد تمام سے صحبت کے بعد کیا جانے والا آخری غسل ہے۔

"ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا"...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ احرام کے بعد خوشبو کے اثر کا باقی رہنا بھی جنایت ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ جب کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ احرام کے بعد اس خوشبو کا اثر یا اس کا جسم باقی رہے۔

"فَيَطُوفُ عَلَىٰ نِسَائِهِ" ...... اس کا ظاہر (ازواجِ مطہرات کے مابین) تقسیم کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس کا

ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقسیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب نہیں تھی۔ جس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ط﴾ [الأحزاب:٥١]

ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ عمل پہلی باری ختم ہونے کے بعد دوسری باری شروع ہونے سے پہلے مطلقاً جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ذکر کرنا چاہیے کہ یہ حنفیہ کے مسائل کے مطابق درست ہے یا نہیں؟ کیوں کہ میں نے فقہ حنفی میں یہ تفصیل نہیں دیکھی۔

میں جواباً کہتا ہوں کہ یہ حجۃ الوداع کا ایک جزوی واقعہ ہے جو صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا، اگرچہ راوی کے الفاظ سے لگتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا، لیکن میرے نزدیک امر واقع کی اتباع اولیٰ ہے، اس لیے کہ اس ایک واقعے کے علاوہ حقیقت میں کچھ نہیں ہے، لہٰذا اِس واقعے کو اپنے موردِ ہی پر منحصر رکھنا چاہیے۔ علّامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لفظ "كَانَ" لغوی اعتبار سے استمرار پر دلالت نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ "كَوْنٌ" سے مشتق ہے۔ مگر اس سے عرفی طور پر استمرار سمجھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اس کی خبر مضارع ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے، مگر یہ ایک جزوی واقعہ ہے، جیسا کہ عن قریب آئے گا۔

---

٢٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُورُ عَلَىٰ نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَهُنَّ إِحْدَىٰ عَشْرَةَ". قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: "أَوَكَانَ يُطِيقُهُ؟" قَالَ: "كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِينَ". وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: "إِنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ "تِسْعُ نِسْوَةٍ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات اور دِن کے ایک وقت میں اپنی ازواجِ مطہرات سے ہمبستر ہوتے تھے، ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں، راوی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتنی قوت تھی؟ فرمایا کہ ہم (صحابۂ کرام) آپس میں بات کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیس آدمیوں کی قوت دی گئی ہے۔'' سعید نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے نو ازواجِ مطہرات کا ذکر کیا تھا۔''



"وَهُنَّ إِحْدَىٰ عَشْرَةَ"......ان میں سے نو ازواجِ مطہرات منکوحہ تھیں اور دو باندیاں تھیں۔

"قُوَّةَ ثلاَثِيْنَ" ......ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی ''الحلیۃ'' میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل جنّت کے چالیس آدمیوں کے برابر قوت دی گئی تھی۔ اس سند میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ خطیب بغدادی کی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین میں سے نہیں تھے۔

اور ترمذی میں ہے کہ ایک جنّتی آدمی کی قوت سو آدمیوں کے برابر ہے، لہٰذا چالیس کو سو میں ضرب دینے سے حاصل چار ہزار نکلے گا۔ جیسا کہ علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ میرے نزدیک الفاظ کا اختلاف اور رواۃ کی تعبیر ختم کرنے کے بعد جو بات متحقق ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں وہ قوت عطا کی گئی تھی جو جنّت میں تمام اہل جنّت کو عطا کی جائے گی، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ہوتے ہوئے بھی اہل جنّت میں سے تھے۔ اِس کے ماسوا تمام تعبیرات اور عبارات کا تفنن ہے، لہٰذا ان کو اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

پھر ہمارے نزدیک ہر ایک جماع کے بعد غسل کرنا مستحب ہے، لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ فقہی اعتبار سے مستحب ہے یا نفع بخش ہونے کی وجہ سے؟ اور بعض حضرات نے اس کو واجب کہا ہے۔



١٣ - بَابُ غَسْلِ الْمَذْيِ وَالْوُضُوءِ مِنْهُ

٢٦٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَأَمَرْتُ رَجُلًا أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِمَكَانِ ابْنَتِهِ، فَسَأَلَ فَقَالَ: تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ".

ترجمہ: یہ باب مذی کو دھونے اور اس سے وضو کے بیان میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''مجھے بہت زیادہ مذی آتی تھی، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے کے لیے کہا، انھوں نے سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم وضو کرلو اور اپنی شرمگاہ کو دھولو۔''



١٤ - بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيبِ

٢٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "مَا أُحِبُّ أَنْ أُصْبِحَ مُحْرِمًا أَنْضَخُ طِيبًا". فَقَالَتْ عَائِشَةُ: "أَنَا طَيَّبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ طَافَ فِي نِسَائِهِ، ثُمَّ أَصْبَحَ مُحْرِمًا".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ خوشبو لگانے کے بعد غسل کرے اور خوشبو کا اثر باقی رہے۔

محمد بن منتشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا کہ ''میں پسند نہیں کرتا کہ احرام کی حالت میں صبح کروں اس حال میں کہ مجھ سے خوشبو مہک رہی ہو۔'' اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگائی، پھر آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے گئے، پھر آپ نے احرام کی حالت میں صبح کی۔''



اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگائی، تو آپ دیکھیے کہ یہاں کس طرح اِس کے ایک جزوی واقعہ ہونے کو تعبیر کیا ہے، جب کہ ماقبل میں جو حدیث (٢٦٧) گزری اس میں اس طرح تعبیر کیا گیا ہے گویا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ ہو، جس میں فرمایا کہ "كُنْتُ أُطَيِّبُ ...الخ" چنانچہ یہ تمام رُواۃ کے تصرفات ہیں، لہٰذا تحقیق کرنے والے کو چاہیے کہ امرِ واقع کی تلاش میں رہے، ہر تعبیر کو بنیاد نہ بنا لے۔

٢٧١ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَىٰ وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، اس حال میں کہ آپ نے احرام پہنا تھا۔''

١٥ - بَابُ تَخْلِيلِ الشَّعَرِ حَتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهٗ قَدْ أَرْوٰى بَشَرَتَهٗ أَفَاضَ عَلَيْهِ

٢٧٢ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهٗ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدِهٖ شَعَرَهٗ، حَتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهٗ قَدْ أَرْوٰى بَشَرَتَهٗ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ غسل کے دوران بال کا خلال کرے، یہاں تک کہ جب یقین ہوجائے کہ چمڑی تک پانی پہنچ چکا ہے تو پھر پانی بہائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھوتے اور نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے، پھر غسل کرتے، پھر اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے بال کا خلال کرتے، یہاں تک کہ جب آپ کو یقین ہوجاتا کہ آپ نے چمڑی تک پانی پہنچا دیا ہے تو تین مرتبہ پانی بہاتے، پھر اپنے بقیہ بدن مبارک کو دھوتے۔"

٢٧٣ - وَقَالَتْ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيعًا".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے، جس سے ہم ایک ساتھ پانی لیتے تھے۔"



١٦ - بَابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مَرَّةً أُخْرَىٰ

٢٧٤ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "وَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوءًا لِجَنَابَةٍ، فَأَكْفَأَ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوِ الْحَائِطِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ. قَالَتْ: فَأَتَيْتُهُ بِخِرْقَةٍ، فَلَمْ يُرِدْهَا فَجَعَلَ يَنْفُضُ بِيَدِهِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ حالت جنابت میں وضو کرے، پھر اپنے بقیہ بدن کو دھوئے اور اعضائے وضو کو دو مرتبہ نہ دھوئے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابت کے وقت وضو کا پانی رکھا، جسے اپنے دائیں ہاتھ کے ذریعے بائیں ہاتھ پر دو یا تین مرتبہ ڈالا، پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین یا دیوار پر دو یا تین مرتبہ مارا، پھر کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، پھر اپنے سر مبارک پر پانی بہایا، پھر اپنے جسم مبارک کو دھویا، پھر آپ نے ایک جانب ہٹ کر اپنے دونوں پیر دھوئے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک کپڑا لے کر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نہیں لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ کے ذریعے پانی جھاڑنے لگے۔"



اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وضو کرنے کے بعد غسل کرے تو اعضائے وضو پر دوسری مرتبہ پانی بہانا ضروری نہیں

ہے۔اگر چاہےتو اعضائے وضو پر پانی بہائے اور اگر چاہےتو صرف بقیہ بدن کے دھونے پر اکتفا کرے۔چوں کہ راوی نے اعضائے وضو اور جسم کو تقابل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اولاً اعضائے وضو کے دھونے کو ذکر کیا اور اس کے بعد لفظ ''ثم'' لا کر بقیہ بدن کا دھونا ذکر کیا ہے،اس سے واضح ہو گیا کہ "جَسَد" سے مُراد اعضائے وضو کے علاوہ بقیہ بدن ہے،اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد لفظ "سَائِر" سے ثابت ہو گیا جو صراحۃً باقی کے معنیٰ میں ہے،یہ "سُؤْر" سے مشتق ہے،جو باقی ماندہ اور بچے ہوئے کے معنیٰ میں ہے۔ایک قول یہ ہے کہ لفظ "سَائِر "جمیع کے معنیٰ میں ہے،جو "سُوْرُ البَلَد" سے ماخوذ ہے۔



۱۷ - بَابٌ: إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ يَخْرُجُ كَمَا هُوَ، وَلَا يَتَيَمَّمُ

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے، تو اسی حالت میں باہر نکل جائے اور تیمّم نہ کرے۔

نحویوں نے کہا ہے کہ لفظ "كَمَا هُوَ" کبھی تشبیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اچانک کے معنیٰ میں ہوتا ہے، اور یہاں یہی معنیٰ مُراد ہے۔

جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا:

"وَلَا يَتَيَمَّمُ"...... ہمارے نزدیک جنبی کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر بھول کر داخل ہوجائے تو تیمّم کر کے نکلے۔ اور ایک روایت غیر مشہورہ یہ ہے کہ تیمّم کیے بغیر بھی باہر نکل جائے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ اور یہی روایت غیر مشہورہ میرے نزدیک مختار ہے، اور اِس حدیث کا متبادر بھی یہی ہے، کیوں کہ اگر نبی پاک ﷺ نے تیمّم فرمایا ہوتا تو اسے راوی ذکر فرماتے، چنانچہ یہ بیان کے موقع پر سکوت ہے۔

اصل کلام یہاں آیت کریمہ میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ [النساء:٤٣]

شوافع نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ کا شروع حصّہ نماز کے حکم کے بارے میں ہے، پھر رُخ مسجد کے حکم کی طرف ہوا ہے، لہٰذا جنبی کے لیے سوائے گزرنے کے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کا آخری حصّہ بھی شروع ہی کی طرح نماز کے حکم کے بارے میں ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم جنبی ہونے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، سوائے یہ کہ تم مسافر ہو، اس پر ﴿اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ سے اشکال ہوگا کہ اِس صورت میں تکرار ہوجائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو حکم بیان کرنے کے لیے دہرایا گیا ہے، کیوں کہ حکم پہلے ذکر نہیں ہوا، چنانچہ یہ مستانف عنہ کے اعادے کے ساتھ استئناف ہے، جو بلاغت کی ایک نوع ہے۔

اور شوافع پر اعتراض ہوگا کہ انھیں مضاف کو مقدّر ماننے کی ضرورت ہوگی، یعنی "لَا تَقْرَبُوْا مَوَاضِعَ الصَّلٰوۃِ" تا کہ مذکور حکم مساجد کے لیے ہو سکے، جو کہ خلافِ ظاہر ہے، کیوں کہ متبادر یہی ہے کہ آیت نماز کے حکم کے بارے میں ہے، مسجد کے حکم کے بارے میں نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿عَابِرِیْ سَبِیْلٍ﴾ یہ اگرچہ لغوی اعتبار سے گزرنے کا معنیٰ بتارہا ہے، مگر اس کا عرفی متبادر معنیٰ مسافر کا ہے، چنانچہ مسافر کو "عَابِرُ سَبِیْلٍ" اور "ابنُ سَبِیْلٍ" کہا جاتا ہے۔

مجھے یہ لگتا ہے کہ آیت کریمہ نماز کے احکام بیان کرنے کے لیے ذکر ہوئی ہے، پھر اس کے ساتھ نماز کی جگہوں کے احکام بھی بیان کیے گئے ہیں، لہٰذا آیت کے پہلے ٹکڑے میں عبادت سے متعلّق حکم ہے، اور دوسرے ٹکڑے میں عبادت کی جگہ کا حکم بیان ہوا ہے، اسے آپ چاہیں تو صنعت استخدام وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔ آیت کریمہ کا حاصل میرے نزدیک یہ ہے کہ تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، اور جنبی ہونے کی حالت میں نماز کی جگہوں کے پاس مت جاؤ، سوائے یہ کہ تم مسافر ہو، چنانچہ میں نے تفسیر میں شوافع سے اور مسئلے میں احناف سے موافقت کی ہے، اور ایسا میں نے کئی جگہوں پر کیا ہے۔

رہا حدیث کا جواب تو ہماری جانب سے استقبال و استدبار کے باب میں گزر چکا کہ ممکن ہے یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہو، کیوں کہ ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ ''لا يَحِلُّ لأحدٍ أَن يُجْنِبُ في هذا المسجدِ غيري وغيرِكَ'' (سنن الترمذي، رقم: ۳۷۲۷) ''میرے اور تیرے علاوہ کسی کو گنجائش نہیں ہے کہ مسجد میں جنبی ہونے کی حالت میں رہے۔'' اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے غریب قرار دیا ہے اور علّامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوعات میں شمار فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث قوی ہے اور آپ نے اس کے متابعات بھی ذکر فرمائے ہیں، ماقبل میں یہ بحث تفصیلاً گزر چکی ہے، اسے دیکھ لیں۔

امام صاحب سے منقول روایات میں اختلاف ہو تو کیا کریں؟

فائدہ: جان لیں کہ جب کسی مسئلے کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایات مختلف ہوں تو عام طور پر ہمارے مشایخ ترجیح کی راہ اپناتے ہیں، چنانچہ ظاہر الروایۃ کو لے کر نادر کو چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ روایتِ نادرہ کی تائید حدیث سے ہو رہی ہو، تو میں اسے اُس روایت حدیث پر محمول کرتا ہوں، اور اس کے نادر ہونے کا اعتبار نہیں کرتا، کیوں کہ روایت جب ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے تو ضرور آپ کے پاس حدیث وغیرہ کوئی دلیل رہی ہوگی، تو جب مجھے کوئی حدیث اُس روایت نادرہ کے موافق مل جاتی ہے تو میں اسے حدیث پر محمول کرتا ہوں۔

ہاں، مشائخ سے منقول مختلف اقوال کے درمیان ترجیح مناسب ہے، کیوں کہ قائلین مختلف ہوں تو تضاد سمجھ میں آ سکتا ہے، اور بسا اوقات اقوالِ مختلفہ کے مابین توفیق ان کے منشا کے خلاف بھی ہوتی ہے، تو اِس صورت میں صرف ترجیح ہی کا راستہ ہوگا، برخلاف اُس صورت کے جب ایک ہی قائل سے مختلف اقوال منقول ہوں، تو اس میں اولیٰ یہ ہے کہ توفیق دی جائے، کیوں کہ ایک ہی متکلم کے دو کلام میں اصل یہی ہے کہ ان میں تضاد نہ ہو، اس لیے اولاً جمع کی کوشش کی جائے گی، سِوائے یہ کہ جمع کے خلاف کوئی صورت راجح ہو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مشائخ جب احادیث کے مابین اختلاف دیکھتے ہیں تو عام طور پر جمع کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایات میں اختلاف دیکھتے ہیں تو ترجیح کی راہ اختیار کرتے ہیں، جمع کی کوشش نہیں کرتے، لہٰذا میرے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایات میں بھی جب تک ممکن ہو جمع کی کوشش کی جائے، اِلا یہ کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو۔ اسے خوب سمجھ لیں اور جلد بازی نہ کریں۔

---

۲۷۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِيَامًا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا: "مَكَانَكُمْ". ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ". تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلَىٰ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ''نماز کھڑی ہوگئی اور صفیں لوگوں کے کھڑے ہونے کی حالت میں سیدھی ہوگئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، جب آپ اپنی نماز کی جگہ کھڑے ہوئے تو آپ کو یاد آیا کہ آپ جنابت کی حالت میں ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ ''تم ٹھہرو''، پھر آپ نے لوٹ کر غسل فرمایا، پھر ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سرِ مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا، پھر آپ نے تکبیر کہی، تو ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔'' عبدالاعلیٰ نے معمر سے روایت کر کے اس کی متابعت کی ہے، وہ زہری سے روایت کرتے ہیں، اور اس کو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوٹنا تکبیر سے پہلے ہوا یا تکبیر کے بعد؟

"فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ" [1]...... جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس تکبیر میں اختلاف واضطراب ہے جس کو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، چنانچہ بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہنے کے بعد لوٹے، جب کہ بعض الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہنے سے پہلے لوٹے۔ لہٰذا ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اس کو متعدد واقعات پر محمول کرتے ہیں اور بعض حضرات واقعہ ایک قرار دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ واقعہ ایک ہی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے، اور اس میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر نہیں کہی تھی، جیسا کہ "بَابٌ: هَلْ يَخْرُجُ مِنَ المَسْجِدِ لِعِلَّةٍ؟" میں روایت ہے کہ ’’حتى إذا قام في مصلاه، انتظرنا أن يكبر‘‘ (صحيح البخاري، رقم:٦٣٩)’’یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز کی جگہ کھڑے ہو گئے تو ہم آپ کے تکبیر کہنے کا انتظار کرنے لگے۔‘‘ اور مسلم شریف کے "بَابُ مَتىٰ يَقُوْمُ النَّاسُ لِلصَّلَاةِ" میں روایت ہے کہ ’’حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ، ذَكَرَ فَانْصَرَفَ‘‘ (صحيح مسلم، رقم:٦٠٥)’’یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز کی جگہ کھڑے ہو گئے تو تکبیر کہنے سے پہلے آپ کو یاد آیا، چنانچہ آپ لوٹ گئے۔‘‘ اور ابوداود شریف کی بعض روایات میں جو "كَبَّرَ" کا لفظ ہے اس کے معنیٰ ہیں "بَلَغَ مَوْضِعَ التّكْبِيْرْ" یعنی آپ تکبیر کہنے تک پہنچ چکے تھے، یا تکبیر کہنا چاہ رہے تھے، یہ تعبیر عام ہے کہ اہل عرب قریب من الشیء کو شئے سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ واقعہ تکبیر کے بعد ہوا، پھر آپ نے اس پر مسئلہ متفرع فرمایا کہ امام کی تکبیر تحریمہ سے پہلے مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا جائز ہے، اور یہ مسئلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت کے مطابق مروی ہے۔ اور اِس مسئلے کی تفریع میں وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوٹنے کے بعد تکبیر تحریمہ کا اعادہ فرمایا، اس لیے کہ پہلی تحریمہ حالت حدث میں ہوئی تھی، اور مقتدیوں کی حالت سے ظاہر یہی ہے کہ ان کی پہلی تکبیر تحریمہ کا اعتبار ہے، جس سے مقتدیوں کی تحریمہ کا امام کی تحریمہ سے مقدّم ہونا لازم آتا ہے۔

امام اور مقتدی کے مابین ربط کی کیفیت:

میں کہتا ہوں کہ اصل اختلاف اقتدا کے ربط میں ہے، جس میں شوافع نے وسعت سے کام لیا ہے اور امام بخاری

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے یہ تشریح باب نمبر: (۱۹) کے تحت ذکر ہوگئی ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بھی زیادہ وسعت رکھی ہے، چوں کہ شوافع کے نزدیک یہ ربط انتہائی کمزور ہے اس لیے انھوں نے امام اور مقتدی کے درمیان بہت سے اختلاف اور اس کی اقسام کو جائز رکھا ہے، چنانچہ ان حضرات نے امام اور مقتدی دونوں کی نماز ذات اور صفت کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود اقتدا کو جائز قرار دیا ہے، اور مقتدی کی تکبیر تحریمہ کا امام سے پہلے ہونا بھی ان حضرات کے نزدیک اسی قبیل سے ہے، نیز یہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ یہ تمام مسائل اس وجہ سے ہیں کہ ان شوافع نے امام اور مقتدی کے درمیان ربط کو زیادہ شدید نہیں قرار دیا ہے، جب کہ احناف نے اس میں شدّت اختیار فرمائی ہے، اسی وجہ سے اِس ربط کو انھوں نے ''تضمّن'' سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، چنانچہ احناف کے نزدیک یہ تمام تفریعات ان کے برعکس ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ شوافع کے نزدیک اقتدا کے مسائل احناف کے نزدیک تضمن کے مسائل سے مختلف ہیں، چوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کے مسائل کو مزید وسعت کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ مقتدی کی تحریمہ کا مقدّم ہونا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ ماقبل کی بحث سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس وقت تام ہوگا جب کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز شروع فرمادی تھی اور تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو چکے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی تکبیر تحریمہ کا اعادہ نہیں کیا، حالانکہ دونوں ہی باتوں میں اشکال ہے، پہلی بات پر اشکال تو آپ جان چکے۔ دوسری بات میں اشکال اس وجہ سے ہے کہ روایت سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی تحریمہ کا اعادہ کیا تھا، جیسا کہ سنن دارقطنی میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واپس لوٹنے کے بعد تکبیر کہی۔

علاوہ ازیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ امام اگر اپنی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو جائے تو مقتدیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی حالت پر کھڑے رہیں، حالانکہ ابوداود کی روایت میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا تھا کہ بیٹھ جائیں، چنانچہ سنن ابی داود میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً[1] مروی ہے کہ ''فكبَّرَ ثُمَّ أَومَأَ بِيدِهِ إِلَى القَومِ أَن اجلِسُوا، فَذَهب فَاغْتَسلَ'' (سنن أبي داود، رقم:٢٣٤) ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جا کر غسل فرمایا۔'' گویا کہ راوی خود ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلے کے خلاف امام کی تکبیر کا ذکر فرما رہے ہیں اور اس کے باوجود یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بیٹھنے کا حکم فرمایا، اور یہ بیٹھنے کا حکم تکبیر کے ثبوت کے خلاف ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[1] سنن ابوداؤد میں یہ روایت مرسلاً ہے نہ کہ مرفوعاً۔

نزدیک مقتدیوں کا بیٹھنا اس صورت میں ہے جب کہ امام نے تکبیر نہ کہی ہو، اور بعض نسخوں میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس طرح ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ہم میں سے کسی کے ساتھ اس طرح کا مسئلہ پیش آئے تو کیا وہ یہی کرے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ پھر اور کیا کرے گا؟ پوچھا گیا کہ کیا مقتدی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر امام کا انتظار کر سکتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اگر تکبیر سے پہلے امام لوٹ جائے تو مقتدیوں کے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر تکبیر کے بعد امام لوٹ جائے تو مقتدی کھڑے رہ کر انتظار کریں۔

اور بعض محدثین نے ابوداود سے اس واقعے میں یہ نقل کیا ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے اور بعض کھڑے تھے۔

پھر یہ بھی جان لیں کہ رسول سے اس جیسے واقعے کا ایک دو مرتبہ صادر ہونا مناسب ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''مجھے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ (بھولنے کی صورت میں) مسنون طریقہ رائج ہو سکے۔'' اور چوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی انسان ہیں، لہٰذا وہ بھی بھول سکتے ہیں جس طرح دیگر لوگ بھولتے ہیں۔ اور یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں کمال ہے اور ان کی اُمّت کے حق میں رحمت ہے۔

فروع میں اختلاف کے ساتھ اقتدا کا جواز:[1]

جاننا چاہیے کہ امام اور مقتدی کے درمیان اگر فروع کا اختلاف ہو تو اقتدا کے جواز کے بارے میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر امام کے حال سے یہ معلوم ہو کہ وہ مواقع اختلاف میں احتیاط برتتا ہے تو اقتدا جائز ہے، ورنہ نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب مقتدی اپنے امام کو دیکھے کہ وہ مختلف نواقض وضو کا ارتکاب کرتا ہے، مثلاً مس مرأۃ، مس ذکر یا غیر سبیلین سے خون کا نکلنا، تو اس شخص کے لیے اقتدا جائز نہیں جو اِن امور کو نواقض وضو شمار کرتا ہے، ورنہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ اقتدا مطلقاً صحیح ہے، خواہ امام احتیاط برتے یا نہ برتے، اور مقتدی نواقض کا ارتکاب دیکھے یا نہ دیکھے، کیوں کہ میں نے سلف صالحین میں سے کسی کو مسجد میں داخل ہونے کے بعد امام کے احوال کی تفتیش کرتے ہوئے نہیں پایا، بلکہ وہ حضرات امام کی اقتدا میں نماز پڑھ کر بغیر کسی سوال و جواب کے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید نے فصد لگوایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھانے لگے، وہاں

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے یہ بحث حدیث نمبر: (۲۶۰) کے تحت ذکر ہوگئی ہے۔ ربط اور مناسبت کی وجہ سے یہاں ذکر کی جارہی ہے۔

امام ابو یوسف اس وقت موجود تھے، تو ناقض وضو کا علم ہونے کے باوجود آپ نے ہارون رشید کی اقتدا فرمائی۔ اگر آپ کو سوال ہو کہ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے امام کے پاک نہ ہونے کا یقین تھا تو پھر اقتدا کیسے کر لی؟ میں کہتا ہوں کہ یہ سوال تو تب ہوگا جب امام قطعاً کسی باطل امر پر قائم ہو، جب کہ یہ مسئلہ تو مجتہد فیہا ہے، جس میں یہ بھی ممکن ہے کہ درستگی امام کی جانب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ درستگی دوسری جانب ہو، یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ دوسروں کی نماز کے بارے میں فیصلہ کریں کہ ان کی نماز عنداللہ باطل ہے، بلکہ کوشش کی جائے اور درستگی کو پانے کے لیے غور کیا جائے، تاکہ اجتہاد کے بقدر ثواب حاصل ہو سکے۔

اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ امام اگر شافعی المسلک ہے جس نے نماز میں بھول کر کلام کر لیا اور اپنی نماز جاری رکھی، کیوں کہ بھول کر کلام کرنا ان کے نزدیک مفسد صلاۃ نہیں ہے، مگر حنفی مقتدی کی نماز اس کے پیچھے فاسد ہو جانی چاہیے، اس لیے کہ دونوں مسئلوں میں فرق ہے، کیوں کہ نماز میں کلام کا مسئلہ بہت ہی نادر الوقوع ہے، بلکہ اس بارے میں صرف ذوالیدین ہی کا واقعہ ہے، ان کے پاس اِس ایک واقعے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے، جب کہ نواقض کا مسئلہ دورِ اوّل سے کثیر الوقوع رہا ہے، اور جو مسائل کثیر الوقوع ہوں ان میں ہمیشہ کے لیے ایک حتمی فیصلہ کر لینا ممکن نہیں۔

پھر وہ حضرات جو فروع میں اختلاف کے باوجود اقتدا کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دو جماعتیں ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام کی رائے کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر امام کے مذہب کے مطابق کوئی ناقض وضو پیش آئے اور اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کی اقتدا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، اس میں مقتدی کے حال کا اعتبار نہ ہوگا، امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں، یہی وہ مذہب ہے جو آپ نے سلف کے توارث کی وجہ سے اختیار فرمایا ہے، اور اس وجہ سے کہ سلف صالحین فروع میں اختلاف کے باوجود بغیر کسی نکیر کے ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے، یہ حضرات جب اپنے گھروں میں نماز پڑھتے تھے تو اپنی تحقیقات پر عمل پیرا ہوتے تھے، لیکن جب مسجد میں پہنچتے تو بغیر کسی پس و پیش کے اقتدا کر لیتے تھے، ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہیں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے مسجد حرام میں امام کی حالت کے متعلّق سوال کیا ہو، حالانکہ آپ نے بارہا حج فرمایا ہے۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہوگا۔ اس سلسلے میں تیسرا قول نوح افندی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ایک ذہین، بیدار مغز فاضل ہیں، الدالمختار پر آپ کا تفصیلی حاشیہ ہے، جس میں آپ نے لطیف مباحث ذکر فرمائی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک محقق شخص ہیں، آپ کا مختار مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی رائے متفق ہو تو اقتدا صحیح ہے، ورنہ نہیں، یہ آپ کا اپنا قول ہے، سلف سے منقول نہیں ہے۔

یہاں ایک اور صورت ہے کہ امام نے نماز پڑھائی، حالانکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق بے وضو تھا، جب کہ مقتدی کے مذہب کے مطابق باوضو تھا، مثلاً امام شافعی المسلک تھا، جس نے مس مرأۃ کے بعد لوگوں کی امامت کی، تو یہ امام حنفیہ کے نزدیک باوضو ہے، جب کہ امام اپنے مذہب کے مطابق بے وضو ہے، تو اس میں بھی مذکور اختلاف جاری ہوگا۔

علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ان کے شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، امام ابوبکر جصّاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرماتے تھے، آپ نے ایک مرتبہ انکار فرمایا کہ متقدمین سے اس مسئلے میں فسادِ صلوٰۃ منقول نہیں ہے، اس کو متاخرین نے ایجاد کیا ہے، تو میں نے آپ کو الجامع الصغیر کا ایک مسئلہ یاد دلایا، جو اس جماعت کے بارے میں ہے جنھوں نے تاریک رات میں مختلف جہات کی تحرّی کی اور ہر ایک نے اِمام کی اقتدا کرتے ہوئے الگ الگ جہت کی جانب نماز پڑھی، تو جس نے اپنے اِمام کی جہت کو نماز کے دوران غلط پایا اس کی نماز فاسد ہوگی، کیوں کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اس کا اِمام غلطی پر ہے، اس مسئلے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کے نزدیک مقتدی کی رائے کا بھی اعتبار ہے، یہ صرف متاخرین کی ایجاد نہیں ہے، اس پر آپ کے شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں کہتا ہوں کہ فرق واضح ہے، علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا بطورِ نظیر مسئلہ پیش کرنا اور آپ کے شیخ کا اس پر سکوت یہاں معتبر نہیں، کیوں کہ قبلے کا مسئلہ قطعی ہے، جس میں حس کی جانب رجوع کر کے حتمی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، جب کہ نواقض کے بارے میں سلف کے کثیر اختلاف کے بعد حتمی فیصلہ کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے، لہٰذا تحرّی والے مسئلے میں اگر مقتدی نے اپنے امام کی خطا کو جان لیا تو اس کی نماز درست نہیں ہونی چاہیے، برخلاف اجتہادی مسائل کے، جن میں ہمیشہ غور وفکر چلتا رہتا ہے، اور مذکورہ مسئلے میں فساد کی وجہ مقتدی کا اپنے امام کے خلاف اعتقاد نہیں ہے، بلکہ امام کی متابعت کا ترک ہے، حالانکہ امام کی متابعت واجب ہے۔

اور ہمارے حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار فرماتے تھے، آپ قضائے قاضی والے مسئلے کا سہارا لیتے تھے جو عقود وفسوخ میں ظاہراً و باطناً نافذ ہوتا ہے، جیسا کہ فقہ میں اس کی شرائط مذکور ہیں۔ اور مقدّمے میں یہ بات ذکر کر چکا ہوں کہ اسی وجہ سے اہل قباء نے جب خبر واحد سے تحویل قبلہ کو جان لیا تو دلیل قطعی سے ثابت سابقہ قبلے کو ترک کر دیا، اس لیے کہ ان کے پاس یہی تحقیق اور ثابت کرنے کا طریقہ تھا، اور اس جیسی صورت میں خبر واحد بھی دلیل قطعی کے لیے ناسخ بن سکتی ہے۔

حاصل یہ کہ جزوی واقعہ جو قلیل الوقوع ہو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بحث اس صورت میں ہے جس میں نواقض وضو کی طرح اختلاف زیادہ ہو۔

پھر آپ کو یہ وہم نہ ہو کہ علّامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قضاء الفوائت میں اور علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدّمۂ ردّ المحتار میں فاحش غلطی کی ہے کہ دونوں حضرات نے اُس اُمّی کے لیے جو کسی کا مذہب نہیں جانتا یہ گنجائش دی ہے کہ اپنی پانچوں نمازوں میں مذاہب اربعہ کے علماء میں سے کسی بھی مذہب کے عالم سے مسئلہ دریافت کرسکتا ہے اور ان کے فتاویٰ میں سے جس پر چاہے عمل کرسکتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ باطل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اُمّی جس کا کوئی مذہب نہیں ہے اسے اقتدا والے مسئلے پر قیاس کرنا فاسد ہے، کیوں کہ اقتدا میں متابعت ضروری ہے، جب کہ مذاہب اربعہ پر عمل کرنے کے لیے کسی ایک مذہب کی پابندی اور اس کے مسائل کی متابعت ضروری ہے، کسی نماز میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کرنا اور دوسری نماز میں حنفیہ کے مذہب پر عمل کرنا درست نہیں ہے، نیز یہ تناقض کو مستلزم ہے، جس کی دین میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ کسی بھی ایک مذہب کے مسائل مربوط ہوتے ہیں، یعنی مجتہد کے ذہن میں اُن مسائل کے درمیان ربط اور تعلق ہوتا ہے، لہٰذا جب اِن مسائل میں خلط کیا جائے کہ کبھی اِس پر عمل کرے اور کبھی کسی دوسرے مسئلے پر، تو تناقض لازم ہوگا، اگرچہ بادی النظر میں یہ ظاہر نہ ہو، اس لیے کہ بسا اوقات یہ مسائل ایسے مختلف اصول پر مبنی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں، لہٰذا جب کوئی اُن تمام مسائل پر عمل کرے گا تو تناقض میں مبتلا ہوگا اور اسے پتا بھی نہیں چلے گا، کیوں کہ اگرچہ مسائل میں تناقض نہ ہو لیکن وہ اصول جن پر یہ مسائل متفرع ہیں وہ متناقض ہیں، چنانچہ اُن مسائل میں بظاہر تناقض معلوم نہیں ہوگا لیکن غور کیا جائے تو تناقض ظاہر ہوگا۔

پھر کتب فقہ میں جو یہ مذکور ہے کہ عمل کر لینے کے بعد تقلید سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو کچھ کم عقل لوگوں نے سمجھا ہے کہ شافعی کا حنفی ہوجانا یا حنفی کا شافعی بن جانا جائز نہیں۔ نیز اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ کسی تحقیق کے سامنے آنے کے بعد سابقہ تحقیق کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر ضرورت پیش آئے اور مناسب لگے تو ایک اِمام کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے امام کا مذہب اختیار کرنا جائز ہے، نیز اسی طرح مجتہد کے لیے بھی جائز ہے کہ اگر وہ فریق آخر کی درستگی کو دیکھے تو اپنی تحقیق کو چھوڑ کر اسے اختیار کرے، کیوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اولاً جہری نماز میں مقتدی پر فاتحہ کے عدمِ وجوب کے قائل تھے، پھر آپ نے اپنی وفات کے دو سال قبل اس سے رجوع کرلیا اور وجوبِ فاتحہ کے قائل ہوگئے، تو یہ بھی جائز ہے۔

تو کتب فقہ میں ذکر کردہ اصول کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں ایک تحقیق کو اختیار کیا، پھر ایسا عمل کیا جو اُس تحقیق کے مطابق صحیح نہیں تھا، اور وہ کسی طرح اُس عمل کے صحیح ہونے کی صورت تلاش کرے اور کہے کہ میں اِسی مسئلے میں دوسری

تحقیق اختیار کرر ہا ہوں، تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً کسی حنفی نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر معلوم ہوا کہ اس کا خون بہہ رہا تھا، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ظہر کی نماز فاسد ہو جائے گی، پھر وہ یہ چاہے کہ اس نماز کو کسی طرح صحیح قرار دے اور کہے کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کرر ہا ہوں، تو یہ جائز نہیں۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے جو منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وضو کر کے نماز پڑھی، پھر جب معلوم ہوا کہ وہ پانی جس سے آپ نے وضو کیا تھا اس میں چوہا تھا، اور پانی قلتین سے زیادہ تھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کرتا ہوں، تو اِس واقعے کی صحت کو تسلیم کرنے کے بعد میں کہوں گا کہ یہ آپ کا جواب علی اسلوب الحکیم ہے، یہ عمل کر لینے کے بعد تحقیق بدلنا نہیں ہے، اور آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پانی کے نجس ہونے کا فیصلہ تب کرتے ہیں جب ہمیں نجاست کا علم ہو، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، لہٰذا وہ پانی بھی نجس تب ہی شمار ہوا جب نجاست کا علم ہوا، اس میں آپ کو اپنی تحقیق ترک کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کی تعبیر ہے جو علی اسلوب الحکیم ہے۔

اور میں نے اس کا انکار اس وجہ سے کیا ہے کہ میرے نزدیک سلف صالحین سے اس طرح کا رجوع ثابت نہیں ہے، اور اِس باب میں میرے پیشوا اور معتمد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "بَابُ مَا جَاءَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ" کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ سے ایک ایسے شخص کے متعلّق سوال کیا گیا جس نے طلاق کی قسم کھائی تھی کہ وہ نکاح نہیں کرے گا، پھر اس نے چاہا کہ نکاح کرنا ہے، تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ان فقہائے کرام کے قول پر عمل کر لے جنھوں نے اِس میں گنجائش دی ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اِس مسئلے میں مبتلا ہونے سے پہلے اُس قول کو درست سمجھتا تھا تو اس قول پر عمل کرنے کی اسے گنجائش ہے، لیکن وہ شخص جو اِس قول کو پہلے پسند نہیں کرتا تھا، پھر جب مبتلا ہوا تو اب اُس قول پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے میرے نزدیک گنجائش نہیں ہے۔



١٨ - بَابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ

٢٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا، فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ، وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا، ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ وَأَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ، فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ".

ترجمہ: یہ باب غسل جنابت کے بعد دونوں ہاتھ پانی سے جھاڑنے کے بیان میں ہے۔

اس حدیث کا ترجمہ حدیث نمبر: (۲۶۶) کے تحت گزر چکا۔



١٩ - بَابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

٢٧٧ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَىٰ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنَّا إِذَا أَصَابَتْ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ، أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَىٰ شِقِّهَا الأَيْمَنِ، وَبِيَدِهَا الأُخْرَىٰ عَلَىٰ شِقِّهَا الأَيْسَرِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ غسل میں سر کی دائیں جانب سے ابتدا کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم (ازواجِ مطہرات) میں سے کسی کو غسل جنابت کرنا ہوتا تو دونوں ہاتھ پانی بھر کر اپنے سر پر ڈالتیں، پھر اپنے ہاتھ سے دائیں جانب پانی ڈالتیں اور دوسرے ہاتھ سے بائیں جانب پانی ڈالتیں۔



۲۰ - بَابٌ: مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهٗ فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ".

ترجمہ: یہ باب تنہائی میں برہنہ ہوکر غسل کرنے کے بیان میں ہے اور اس بیان میں کہ اگر ستر پوشی کرلے تو افضل ہے۔

حضرت بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اس سے حیا کی جائے۔''



ترجمۃ الباب میں مذکورہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ غسل کرنے والا کھلی جگہ میں ہو جہاں لوگوں کی آمد ورفت نہ ہونے کی وجہ سے مطمئن ہو۔ اور مراسل ابوداود میں ہے کہ اگر کھلی جگہ میں غسل کرے تو اپنے اردگرد ایک خط کھینچ دینا چاہیے، کیوں کہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہوتے ہیں جن سے حیا ضروری ہے، لہٰذا مطلوب ستر پوشی ہے، لیکن اگر برہنہ ہوکر بھی غسل کرے تو گناہ نہ ہوگا۔

"اللهُ أَحَقُّ"......یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اگرچہ انسانوں کے تمام راز اور سرگوشیوں کو جانتے ہیں پھر بھی جن امور میں لوگوں سے شرم کی جاتی ہے ان میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی چاہیے، یہ آداب میں سے ہے۔

۲۶۸ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً، يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، وَكَانَ مُوسٰى ﷺ يَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ، فَقَالُوا: وَاللهِ مَا يَمْنَعُ مُوسٰى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهٗ

آدَرُ، فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ، فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ، فَخَرَجَ مُوسٰى فِي إِثْرِهٖ، يَقُولُ: ثَوْبِي يَا حَجَرُ! حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالُوا: وَاللهِ مَا بِمُوسٰى مِنْ بَأْسٍ، وَأَخَذَ ثَوْبَهٗ، فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاللهِ إِنَّهٗ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ، سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ، ضَرْبًا بِالْحَجَرِ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بنی اسرائیل برہنہ ہو کر غسل کرتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے تھے، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل فرماتے تھے، تو ان بنی اسرائیل نے آپس میں بات کی کہ موسیٰ ہمارے ساتھ اسی وجہ سے غسل نہیں کرتے کہ اُن کے خصیتین پھولے ہوئے ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ غسل کے لیے گئے تو اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے، وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگنے لگا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اے پتھر! میرے کپڑے لا، اے پتھر! میرے کپڑے لا، یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہا کہ اللہ کی قسم موسیٰ میں کوئی عیب نہیں ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پتھر پر اِس مار کی وجہ سے چھ یا سات نشان پڑ گئے۔''



"يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً" ......شاید یہ وادیٔ تیہ میں تھا جہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔

"ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ!" ......اس سے معلوم ہوا کہ اس پتھر میں شعور تھا، لیکن یہ شعور صرف علم حضوری جیسا تھا۔

"لَنَدَبٌ" ......ہماری زبان میں اس کا ترجمہ ہے ''نشان''۔ میری رائے میں اس پتھر پر صرف نشان ہی دیکھے گئے، یہ اس وجہ سے کہ پتھر سے من جانب اللہ چشموں کا پھوٹنا مقدّر رہے، ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مار سے وہ پتھر فنا ہی ہو جاتا، اور پتھر کی کیا مجال کہ ایک نبی اسے غضبناک ہو کر ماریں پھر بھی وہ باقی رہ سکے، آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو گھونسا مارا تو اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ اور فرشتے کو تھپّڑ رسید کیا تو اس کی آنکھ پھوڑ دی، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو جو غزوۂ اُحُد کے موقع پر ''یا محمد'' کہہ کر آپ کو مقابلے کے لیے پکار رہا تھا تو نیزے سے اشارہ فرمایا، جس سے وہ لڑھکتا ہوا گر گیا اور ہائے ہلاکت پکارنے لگا، حتیٰ کہ جل کر مر گیا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ سب

سے بدتر مقتول وہ ہے جسے کوئی نبی قتل کریں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی کا قتل ثابت نہیں۔

٢٧٩ - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا، فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْتَثِي فِي ثَوْبِهِ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَىٰ؟ قَالَ: بَلَىٰ وَعِزَّتِكَ، وَلٰكِنْ لَا غِنَىٰ بِي عَنْ بَرَكَتِكَ". وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا ..."

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ ہو کر غسل فرما رہے تھے اس دوران آپ پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں، تو حضرت ایوب علیہ السلام انھیں اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے، آپ کے رب نے آپ کو پکارا: اے ایوب! کیا ہم نے تمھیں اِن ٹڈیوں سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپ کی عزّت کی قسم، لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔'' اس حدیث کو ابراہیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، انھوں نے صفوان سے، انھوں نے عطا بن یسار سے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔



"يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا" ......یعنی جب حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری سے صحت یاب ہو گئے اس کے بعد کا واقعہ ہے۔

"عَمَّا تَرَىٰ" ......یعنی بیماری سے نجات کے بعد سے اب تک۔

"لَا غِنَىٰ بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ" ......حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ جواب کس قدر لطیف، شیریں الفاظ، گہرے معنیٰ والا اور شانِ عبدیت کے مناسب ہے، یہ جواب صرف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں ہی سے ممکن ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب بھی تھا جب آپ کے رب نے آپ کو ندا دی: ﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ [طٰهٰ: ۲۱] حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹنے لگے اور اُس اژدہے کو پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھانے لگے، تو آواز آئی کہ کیا تمھیں ہم پر اعتماد نہیں؟ تو عرض کیا: کیوں نہیں، لیکن میں انسان ہوں کمزور پیدا ہوا ہوں۔ نیز یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ

علیہ السلام کے جواب کی طرح ہے، آپ نے عرض کیا تھا: ﴿بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ﴾ [البقرۃ:۲٦٠] یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی شان ہے کہ انھیں من جانب اللہ جواب کا الہام ہوتا ہے، ورنہ اللہ ربّ العزت کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کون بات کرسکتا ہے؟



۲۱ - بَابُ التَّسَتُّرِ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

ترجمہ: یہ باب لوگوں کی موجودگی میں غسل کے وقت ستر پوشی کے بیان میں ہے۔

یعنی جب لوگوں کی نگاہوں سے پردہ کرلیا جائے تو لوگوں کے درمیان غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ میرے نزدیک مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ کھلی جگہ میں ستر پوشی مطلوب ہے اگرچہ ایک کپڑے ہی کے ذریعے کی جائے، اور کم از کم ایک خط ہی کھینچ دیا جائے، اور اگر ان میں سے کچھ نہیں کیا اور لوگوں کی آمد و رفت کا امکان نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ رہا حمام یا غسل خانے میں غسل کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے تو ان میں برہنہ ہو کر غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۸۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلىٰ عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ: أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلىٰ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: "ذَهَبْتُ إِلىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ، فَقَالَ: "مَنْ هٰذِهِ؟" فَقُلْتُ: "أَنَا أُمُّ هَانِئٍ".

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اس حال میں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا پردہ کیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے کہا کہ "میں اُمّ ہانی ہوں۔"



"فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ"...... روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھیں۔ اور ابن ماجہ میں صراحت ہے کہ ہر دو رکعات پر دو سلام پھیریں، پھر یہ چاشت کی نماز تھی یا فتح مکہ کے شکر کے طور پر تھی جو چاشت کے وقت کے موافق ہو گئیں؟ اسے دیکھ لیا جائے۔

٢٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ، ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهِ عَلَى الْحَائِطِ أَوِ الْأَرْضِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ". تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ، وَابْنُ فُضَيْلٍ فِي السَّتْرِ".

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پردہ کیا تھا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل جنابت فرما رہے تھے، آپ نے اپنے دونوں پیر دھوئے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا، پھر اپنی شرمگاہ کو اور اس پر لگی گندگی کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ دیوار یا زمین پر پوچھ لیا، پھر آپ نے نماز کے وضو کی طرح وضو فرمایا، صرف دو پیر (اس وقت نہیں دھوئے۔) پھر آپ نے اپنے جسم مبارک پر پانی بہایا، پھر آپ نے ایک جانب ہٹ کر اپنے دونوں قدم دھوئے۔'' ابوعوانہ اور ابن فضیل نے ستر پوشی کے باب میں اس کی متابعت کی ہے۔



"تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ"......ان کا نام وضّاح بن یشکر ہے۔ اور ابن فضیل کا نام محمد ہے۔



۲۲ - بَابٌ: إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

یہ باب عورت کے احتلام کے بیان میں ہے۔

۲۸۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ إِلىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟" فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ".

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ حق بات کے بیان سے حیا نہیں فرماتے، کیا عورت کو جب احتلام ہو تو اس پر غسل ضروری ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، جب وہ پانی دیکھے (تو غسل ضروری ہے)۔''



۲۳ - بَابُ عَرَقِ الْجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

۲۸۳ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: "أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" قَالَ: "كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ". فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ".

ترجمہ: یہ باب جنبی کے پسینے کے بیان میں ہے اور یہ کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں مدینہ منورہ کے کسی راستے میں اس حال میں ملے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں تھے، اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہٹ کر غسل کرنے چلے گئے، پھر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟'' عرض کیا: میں حالت جنابت میں تھا اس لیے بغیر طہارت کے آپ کی مجلس میں بیٹھنا گوارا نہ ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ، مسلمان نجس نہیں ہوتا۔''



٢٤ - بَابُ: الْجُنُبُ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوقِ وَغَيْرِهِ

وَقَالَ عَطَاءٌ: "يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ وَإِنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ".

---

٢٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَانَ يَطُوفُ عَلَىٰ نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جنبی شخص باہر نکل سکتا ہے اور بازار وغیرہ میں جا سکتا ہے۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''جنبی شخص پچھنہ لگوا سکتا ہے، اپنے ناخن کاٹ سکتا ہے اور اپنا سَر منڈوا سکتا ہے، اگرچہ اس نے وضو نہ کیا ہو۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میں اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور اس وقت آپ کی نو ازواجِ مطہرات تھیں۔''

---

٢٨٥ - حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَىٰ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ بَكْرٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا جُنُبٌ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: "أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هِرٍّ؟" فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللهِ، يَا أَبَا هِرٍّ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ملے اس حال میں کہ میں جنبی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا، تو میں آپ کے ساتھ چلا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل کر کجاوے میں آیا اور غسل کیا، پھر میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وہیں) تشریف فرما تھے، آپ نے دریافت فرمایا: اے ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (ساری بات) بتا دی۔ تو آپ نے

فرمایا: سبحان اللہ، اے ابوہریرہ! مؤمن بندہ نجس نہیں ہوتا۔



الدرالمختار میں مسئلہ مذکور ہے کہ اگر شرابی کے پسینے سے شراب کی بدبو آرہی ہوتو اس کے کپڑے ناپاک ہیں۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی المبسوط میں ہے کہ میّت کے غسل سے نکلنے والا پانی ناپاک ہے، مشائخ نے اِس کو اُس صورت پر محمول کیا ہے جب میّت کے جسم سے نکلنے والی کوئی نجاست اس پانی میں مل جائے۔ جب کہ کافر بندہ زندہ اور مُردہ دونوں حالتوں میں مُردار ہے، لہٰذا اس کے غسل کا پانی کسی نجاست کے بغیر بھی ناپاک شمار ہوگا۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کافر کے بدن کو ناپاک قرار دیتے ہیں، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بھی منسوب ہے، نیز حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے، چنانچہ اگر کافر شخص پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی ناپاک ہوجائے گا، جیسا کہ علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ گویا کہ کافر شخص خنزیر سے بھی زیادہ قبیح ہے کہ خنزیر کا جھوٹا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق پاک ہے۔ قرآنِ پاک کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ﴾ [التوبۃ:۲۸]

لفظ "نَجَس" اور "نَجِس" میں فرق:

جان لیں کہ لغت میں "نَجَسٌ" ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو ذاتی طور پر ناپاک ہو، مثلاً انسان کا پیشاب و پاخانہ، "نَجَسٌ" وہ چیز نہیں جس کے ساتھ نجاست لگ جائے۔ اِس معنیٰ کے اعتبار سے ناپاک کپڑے پر "نَجَسٌ" کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ اسے "مُتَنَجِّسٌ" یعنی ناپاک کہا جائے گا۔ اس لیے کہ اہل لغت "نَجَسٌ" اسی چیز کو شمار کرتے ہیں جو طبعی طور پر گندی ہو، جو چیز فقہاء کے حکم کے بعد نجس شمار ہوتی ہے وہ اہل لغت کی بحث سے دور ہے، اسی وجہ سے اہل لغت نے اس کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں کیا، اور چوں کہ اہل لغت کے نزدیک اِس قسم کی ناپاکی کے لیے کوئی لفظ موضوع نہیں ہے اس لیے فقہاء کو اِس لفظ میں توسیع کی ضرورت پڑی، چنانچہ انھوں نے اس کو "نَجَسٌ" اور متنجّس دونوں معنوں میں استعمال کیا، لیکن اصل لغت کا معنیٰ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

اور اِس صورت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کا مطلب واضح ہے کہ مؤمن بندہ زندہ یا مُردہ ہونے کی حالت میں نجس نہیں ہوتا۔ اس روایت کے مرفوع ہونے میں کلام ہے۔ وزیر محمد بن ابراہیم نے اِس روایت کے تحت کہا ہے کہ ''نجس'' کا اطلاق مؤمن بندے پر حقیقۃً اور مجازاً کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ یہ فاضل محمد بن

ابراہیم زیدی (شیعی) ہیں، ان کے نزدیک اہل سنّت والجماعت کی احادیث بھی حجت ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جب حج کا سفر کیا تو اس وقت اِن کو اجازتِ حدیث سے نوازا، جیسا کہ ''الدرر الکامنہ'' میں مذکور ہے۔

ماقبل میں گزر چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: "إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" کو علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے خاص پانی پر محمول کیا ہے اور "ال" کو عہد کے لیے قرار دیا ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "كَمَا زَعَمْتُمْ" سے مقید قرار دیا ہے، جیسے کہ بلّی کے جھوٹے میں بھی یہ قید لگائی ہے۔ اس تحقیق سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ پانی میں نجاست ہونے کے باوجود وہ "نَجَس" نہیں ہے، کیوں کہ اس کو پاک کرنے کے طریقے ہیں کہ نجاست کو نکال دیا جائے اور پانی کو خالی کر دیا جائے۔ لہٰذا کنویں کا پانی "نَجَس" نہیں ہے، بلکہ نجِس یعنی ناپاک ہے، مگر چوں کہ فقہ میں شیئ نجِس پر "نَجَس" کا اطلاق بہ کثرت ہوتا ہے اس لیے اس اِطلاق سے غفلت ہو جاتی ہے اور کسی کا ذہن اس کی طرف نہیں جاتا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ [التوبۃ : ۲۸] اسی پر محمول ہوگا۔

کفار کے نجس ہونے اور ان کے مسجد حرام میں داخل ہونے کا حکم:

جاننا چاہیے کہ اِس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں: پہلا کفّار کا نجس ہونا اور دوسرا یہ کہ ان کا مسجد حرام میں داخل ہونا حرام ہے۔ پہلا حکم یعنی کفّار کے نجس ہونے کے بارے میں آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب جان لیا ہے، اور دوسرے حکم کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافر شخص مسجد حرام اور دیگر کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، حالانکہ صحیحین وغیرہ کی احادیث سے کفّار کا مسجد نبوی میں داخل ہونا ثابت ہے۔ قاضی ابوبکر ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اِن احادیث کے متعلّق فرماتے ہیں کہ یہ تمام واقعات آیت کریمہ کے نزول سے پہلے کے ہیں، ممانعت آیت کے نزول کے بعد ہے، پھر اِس آیت میں اگرچہ خاص طور پر مسجد حرام کا ذکر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے علت بیان فرما کر حکم کو عام فرما دیا کہ ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ چنانچہ کفّار کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی ممانعت ان کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا یہ حکم تمام مساجد کو شامل ہوگا، کسی ایک مسجد کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔

مشرک کے نجس ہونے کے بارے میں شوافع سے کوئی نقل میں نے نہیں دیکھی، انھوں نے صراحت کی ہے کہ کافر مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شوافع نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حکم میں موافقت کی ہے لیکن تعمیم میں اختلاف کیا ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ مشرک "نَجَس" نہیں ہے اور اسے مسجد حرام اور کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے، جیسا کہ الجامع الصغیر میں ہے، لہٰذا اِس آیت سے احناف پر اشکال ہوگا، میں کہتا ہوں کہ ''السیر الکبیر'' میں ہے کہ ہمارے نزدیک بھی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ آیت کریمہ کا ظاہر ہے، اور الدر المختار میں اسی کو پسند کیا گیا ہے، کیوں کہ السیر الکبیر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے۔

اب پہلا حکم یعنی مشرک کے نجس ہونے کے بارے میں بحث رہ جاتی ہے، جس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں نجاست سے مُراد شرک کی نجاست ہے، بدن کی نجاست مُراد نہیں ہے، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ جواب ضعف سے خالی نہیں، کیوں کہ اگر نجاست شرک کی مان لیں تب بھی حکم یہی ہے کہ وہ مسجد حرام میں داخل نہ ہوں۔

اِس صورت میں اب بہتر جواب وہ ہے جو تفسیر کشّاف میں ہے کہ "فَلَا يَقْرَبُوْا" سے صرف حج اور عمرہ کی ممانعت مُراد ہے، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ کوئی بھی برہنہ اور مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت کا مقصود مشرکین کو حج و عمرہ سے روکنا ہے۔

مقصد واضح ہونے کے بعد قرآن کی لفظی تعبیر پر عمل کرنا:

لیکن اب بھی اس میں سوال رہ جاتا ہے کہ کیا مقصد واضح ہو جانے کے بعد قرآن کی لفظی تعبیر پر عمل چھوڑ دینا جائز ہوگا؟ مجھے لگتا ہے کہ قرآن کی لفظی تعبیر کو اس طرح چھوڑ دینا کہ اس کا کوئی حکم اور اثر باقی نہ رہے یہ بہت مشکل ہے، اس طرح کی گنجائش احادیث میں تو ہوسکتی ہے، کیوں کہ احادیث میں روایت بالمعنیٰ زیادہ ہے، لیکن قرآن میں ایسا کرنا اشکال سے خالی نہیں، خصوصاً جب کہ یہاں دونوں جملوں کے درمیان مناسبت ظاہر ہے، کیوں کہ پہلے جملے میں مشرکین کے نجس ہونے کا حکم ہے، پھر اس پر تفریع ذکر کی گئی ہے کہ وہ (نجس ہونے کی وجہ سے) مسجد حرام میں داخل نہ ہوں، چنانچہ یہ دونوں حکم آپس میں خوب مربوط ہیں، کیوں کہ لفظ کا اثر حکم میں بھی ظاہر ہے، اسی وجہ سے میں نے السیر الکبیر کی روایت کو اختیار کیا ہے کہ مشرکین کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور ان کی نجاست شرک کی نجاست سے بڑھ کر ہے۔ رہا مشرکین کا دیگر مساجد میں داخل ہونا تو اس معاملے میں گنجائش ہے، اس لیے کہ علمائے اصول فرماتے ہیں کہ افراد میں عموم ہوتا ہے، زمان و مکان میں عموم مُراد نہیں ہوتا، اگرچہ ایک جماعت زمان اور مکان میں بھی عموم کی قائل ہے، مگر میرے نزدیک مختار یہی ہے کہ عموم صرف افراد میں ہے، اس لیے کہ احوال، زمان اور مکان اس کے موضوع نہیں ہیں

کہ لفظ انھیں شامل ہو۔

مشرکین کی نجاست کی نوعیت:

اس بنیاد پر میرے نزدیک مشرکین کی نجاست معروف معنیٰ ہی پر محمول ہوگی، شرک کی نجاست مُراد نہیں ہے، اس کے باوجود ممانعت صرف مسجد حرام ہی پر منحصر ہے، کیوں کہ افراد کے عموم کی وجہ سے ضروری نہیں کہ مکان کا بھی عموم ہو اور ممانعت دیگر مساجد کو بھی شامل ہو۔ اس اختلاف سے یہ معلوم ہوا کہ افراد میں عموم مُراد لینا قوی ہے، جب کہ مکان وغیرہ میں عموم ضعیف ہے، حتیٰ کہ بعض حضرات نے اس کا انکار کیا ہے، جیسا کہ آپ نے جان لیا۔

نیز ہماری کتب فقہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ احناف نے مشرکین کی نجاست کو شرک کی نجاست سے بڑھ کر مانا ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کنویں میں کوئی کافر شخص گر جائے، پھر وہ زندہ نکالا جائے تو پورا کنواں خالی کیا جائے گا۔ اسی طرح کافر شخص اگر ایمان لائے تو ایک روایت کے مطابق اس پر غسل واجب ہے، جیسا کہ ''الذخیرہ'' میں حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی نجاست ان کی شرک کی نجاست کے مقابلے میں بڑھ کر ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ اس کا اثر کہاں تک جاری ہوگا اور کہاں نہیں؟

علّامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکور اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ مشرکین پر "نَجَس" کا اطلاق بطورِ مذمّت ہوا ہے، کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی مذمّت کو مبالغے کے ساتھ بیان فرما کر انھیں غلاظت کے درجے میں رکھا، یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً "نَجَس" ہیں، لہٰذا کوئی اشکال نہ ہوگا۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ کہ یہاں چار جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ نجاست سے شرک کی نجاست مُراد ہے، لیکن یہ جواب دوسرے مسئلے میں مفید نہیں ہوگا، کیوں کہ مسجد حرام میں ان کا داخلہ صراحۃً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں لفظ کو غیر معروف معنیٰ پر محمول کرنا ہے، نجاست کا مشہور معنیٰ وہی ہے جس سے طبیعتیں متنفر ہوتی ہیں، مزید یہ کہ یہ جواب مسائل سے مربوط بھی نہیں ہے، اس لیے کہ فقہ کے مسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نجاست شرک سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ نجاست کے بعض احکام مشرکین کے بدن سے متعلّق بھی ہیں، البتہ اگر ہم الجامع الصغیر کی روایت کو اختیار کریں تو کوئی وجہ اور نفاذ ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ نجاست سے مُراد مشہور نجاست ہی ہے، اس التزام کے ساتھ کہ ان کا مسجد حرام میں داخل

ہونا ممنوع ہے، جیسا کہ السیر الکبیر کی روایت میں ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ "فَلَا يَقْرَبُوْا" سے صرف حج اور عمرہ کی ممانعت مُراد ہے، مطلقاً داخل ہونا ممنوع نہیں ہے، اس میں یہ اشکال ہے کہ سِرے سے قرآن کی لفظی تعبیر کا ترک لازم آتا ہے، جو کہ مشکل ہے، خاص کر جب کہ دونوں جملوں کے درمیان مناسبت واضح ہے، کیوں کہ نجاست کا حکم بتاتا ہے کہ یہاں مقصد مشرکین کا مطلقاً داخلہ ممنوع ہے، صرف حج اور عمرہ کی ممانعت مُراد نہیں ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ "نَجَس" بطورِ مذمّت وارِد ہے، اور جب لفظ مذمّت یا مدح کے طور پر ذکر کیا جائے تو وہاں لفظ کا اعتبار نہیں ہوتا، صرف معنیٰ کا اعتبار ہوتا ہے، اسی طرح اس مسئلے میں بھی ہوگا کہ جب مشرکین پر "نَجَس" کا اطلاق بطورِ مذمّت ان کی قباحت بیان کرنے کے لیے ہوا ہے تو ان پر "نَجَس" کے حقیقی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

"سُبْحَانَ اللهِ" ......ابن وہبان کی نظم میں جو مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اِن کلمات کو ان کے معنیٰ موضوع لہٗ سے خارج کر دینا درست نہیں ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ میں نے علماء کو بہ کثرت دیکھا ہے کہ ایسے کلمات کو ان کے موضوع سے خارج کر دیتے ہیں، جیسا کہ یہاں ہوا ہے کہ لفظ ''سبحان اللہ'' اگرچہ تسبیح کے معنیٰ کے لیے موضوع ہے، لیکن یہاں تعجب کا معنیٰ مُراد ہے۔



۲۵ - بَابُ كَيْنُونَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ

۲۸۶ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَشَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: "سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَتْ: "نَعَمْ، وَيَتَوَضَّأُ".

ترجمہ: یہ باب جنبی شخص کے غسل کرنے سے پہلے وضو کر کے گھر میں رہنے کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ ''کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنبی ہونے کی حالت میں سوتے تھے؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرما لیتے تھے۔''



شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ ابن ماجہ کی روایت کی طرف ہے کہ ''إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ''[۱] (سنن ابن ماجه، رقم: ٣٦٥٠) ملائکہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا، جنبی یا تصاویر ہوں۔ مگر یہ روایت آپ کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔



[۱] (حدیث نمبر: ۲۲۷) میں ہے، ابن ماجہ میں یہ اضافہ نہیں ہے۔)

٢٦ - بَابُ نَوْمِ الْجُنُبِ

٢٨٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: "أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: "نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ"

ترجمہ: یہ باب جنبی شخص کے سونے کے بیان میں ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''کیا ہم میں سے کوئی جنبی ہونے کی حالت میں سوسکتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جی ہاں، جب تم میں سے کوئی وضو کرلے تو جنبی ہونے کی حالت میں سوسکتا ہے۔''



جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کا حکم:

طحاوی میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جنبی کے لیے بغیر وضو سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ وضو کرنے کی وجہ سے وہ جنابت سے پاک نہیں ہوجائے گا۔ اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جنبی شخص وضو کر کے سوئے، کیوں کہ ''تنویر الحوالک'' میں معجم طبرانی کے حوالے سے مروی ہے کہ رحمت کے فرشتے جنبی شخص کے جنازے میں حاضر نہیں ہوتے، تو یہ بڑا نقصان ہے۔

اب جہاں صرف ضرر بیان کیا جاتا ہے لیکن صراحۃً وعید اور ممانعت وارد نہیں ہوتی تو اس میں نظریے مختلف ہوجاتے ہیں، چنانچہ بعض حضرات صرف معنیٰ کو دیکھ کر وجوب کے قائل ہوتے ہیں، جیسا کہ ''شرح المنہاج'' میں ہے کہ کھانے کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق تسمیہ واجب ہے، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو سے پہلے تسمیہ ہے، کیوں کہ شیطان ہر ایسے کام میں شریک ہوجاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، اور اس کی برکت بھی ختم ہوجاتی ہے، جو کہ بڑا نقصان ہے۔

جب کہ بعض حضرات لفظ کو دیکھتے ہیں، اگر لفظاً امر و نہی وغیرہ وارِد ہوں تو اس کے قائل ہوتے ہیں، ورنہ نہیں، ظاہر یہی ہے کہ وجوب اور حُرمت کا مدار خطاب پر ہوتا ہے، نہ کہ معنیٰ پر، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا۔

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک آپ ﷺ کا بغیر غسل یا بغیر وضو کے حالت جنابت میں سونا ثابت نہیں ہے، اور تیمّم بھی ثابت ہے جیسا کہ مصنّف ابن ابی شیبہ اور فتح الباری میں ہے، اور البحر الرائق میں ہے کہ جس عمل کے لیے طہارت شرط نہیں ہے وہاں پانی ہونے کے باوجود تیمّم کر لینا بھی صحیح ہے، اور یہ ایک جماعت کا مختار قول ہے اور یہی میرے نزدیک صحیح ہے۔

اور ابواسحاق نے اسود سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو نبی پاک ﷺ کا حالت جنابت میں سونا روایت کیا ہے اسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے، جس کے بعد ہمارے خلاف کچھ بھی باقی نہیں رہتا، چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر فرمائی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ ”ان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَجَعَ مِنَ الْمَسْجِدِ, صَلَّى مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ مَالَ إِلَى فِرَاشِهِ وَإِلَى أَهْلِهِ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ قَضَاهَا، ثُمَّ يَنَامُ كَهَيْئَتِهِ، وَلَا يَمَسُّ الْمَاءَ“ (شرح معاني الآثار، رقم:۷۵۸) ”رسول اللہ ﷺ جب مسجد سے واپس آتے تو نماز پڑھتے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتے، پھر آپ ﷺ اپنے بستر پر آتے یا اپنے اہل کے پاس تشریف لاتے، پھر اگر آپ کو کوئی ضرورت ہوتی تو پوری فرماتے، پھر آپ اسی حالت میں پانی استعمال کیے بغیر سو جاتے۔“ پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اِس حدیث کو ابواسحاق نے ایک طویل حدیث سے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور انھوں نے اس حدیث کے اختصار میں غلطی کی ہے۔

اور یہ طویل حدیث وہ ہے جو فہد نے روایت کی ہے کہ ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انھیں ابواسحاق نے حدیث بیان کی کہ میں اسود بن یزید کے پاس آیا جو میرے بھائی اور دوست تھے، میں نے ان سے کہا کہ اے ابوعمرو! مجھے وہ حدیث سنایئے جو آپ کو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلّق بیان فرمائی ہے، ”كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِي آخِرَهُ، ثُمَّ إِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ قَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ مَاءً فَإِذَا كَانَ عِنْدَ النِّدَاءِ الْأَوَّلِ، وَثَبَ وَمَا قَالَتْ قَامَ فَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، ”وَمَا قَالَتْ“ اغْتَسَلَ وَأَنَا أَعْلَمُ مَا تُرِيدُ وَإِنْ كَانَ جُنُبًا تَوَضَّأَ وُضُوءَ الرَّجُلِ لِلصَّلَاةِ“ (شرح معاني الآثار، رقم:۷٦۳) ”آپ ﷺ شروع رات میں آرام فرماتے اور رات کے اخیری پہر میں بیدار ہوتے، پھر اگر آپ کو کوئی ضرورت ہوتی تو پوری فرماتے، پھر غسل کرنے سے پہلے سو جاتے، پھر پہلی اذان

کا وقت ہوتا تو آپ بیدار ہو جاتے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ سو جاتے، پھر غسل فرماتے، اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل فرماتے، مجھے معلوم ہے جو آپ چاہتے ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت جنابت میں ہوتے تو نماز کی طرح وضو فرماتے۔''

اِس طویل حدیث میں یہ صراحت ہے کہ اگر جنابت کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ سونے کا ہوتا تو آپ نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے "وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً" فرمانے سے مُراد غسل کا پانی ہے، نہ کہ وضو کا، اس وجہ سے کہ ابواسحاق کے سِوا دیگر رواۃ نے اسود بن یزید سے انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ''كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ أَوْ يَأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ يَتَوَضَّأُ'' (شرح معاني الآثار، رقم: ٧٦٤) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنابت کی حالت میں جب کھانا یا سونا چاہتے تو وضو فرماتے۔'' اسی طرح اسود بن یزید کی رائے مروی ہے اور اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، مگر مسلم شریف کی روایت کے اخیر میں ایک جملہ اس سے متعارض ہے کہ "وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ" لیکن اس پر کسی نے بحث نہیں کی ہے۔

دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق بایں طور ممکن ہے کہ طحاوی کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی رات کا حال بیان ہوا ہے۔ جب کہ مسلم شریف کی روایت میں رات کے اخیری حصے کا حال بیان ہوا ہے۔ یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اخیری حصے میں حالت جنابت میں ہوتے تو غسل فرماتے اور اگر حالت جنابت میں نہ ہوتے تو نماز کا وضو فرماتے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی کی روایت کی جانب اشارہ فرمایا ہے، اس کو امام طحاوی نے کھول کر بیان فرمایا ہے، پھر میں ایک زمانے تک امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس کلام کے ماخذ کو تلاش کرتا رہا، تلاشِ بسیار کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ اس کی اصل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث سب سے موافقت والی ہے۔



٢٧ - بَابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ

٢٨٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جنبی شخص وضو کر کے سوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی شرمگاہ کو دھو لیتے اور نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے۔''



"غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ"...... اس روایت میں راوی نے ایسا اختصار فرمایا ہے جس سے معنیٰ میں خلل واقع ہوا ہے، مُراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے۔ اس سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ شرمگاہ کو دھونا اور وضو کرنا دونوں ہی فوری طور پر مطلوب ہیں اور یہ جنابت کے احکام میں سے ہیں، جیسا کہ کئی مرتبہ گزر چکا۔

فقہ سے اشتغال رکھنے والوں کے لیے ایک تنبیہ:

چنانچہ فقہ کا مشغلہ رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ احادیث کو ملحوظ رکھے اور ان میں مہارت و دسترس پیدا کرے، کیوں کہ بہت سے احکام شرعیہ ایسے ہیں جو فقہ میں کم ملتے ہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ جب فقیہ مقلد ہو تو اسے احادیث میں غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے لیے اپنے امام کا قول ہی کافی ہے جن کی وہ تقلید کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا بالکل نہیں ہے، بلکہ تقلید میں یقین تب ہی پیدا ہوگا جب احادیث بھی مدّنظر ہوں گی، کیوں کہ جب فقیہ احادیث اور مسائل دونوں کو دیکھے گا تو اسے مسائل کا ماخذ معلوم ہوگا، جس پر اس کی رائے جم جائے گی اور اسے اطمینان حاصل ہوگا اور ایسا شخص پورے شرحِ صدر کے بعد ہی تقلید کرے گا، جیسا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ اور جو اندھے شخص

کی طرح تقلید کرتا ہےتو وہ پرندے کے پیر سے لٹکا ہوا ہوتا ہے۔

٢٨٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "اسْتَفْتَىٰ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا ہم سے کوئی جنابت کی حالت میں سوسکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جی ہاں، بشرطیکہ وضو کرلے۔''

٢٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: "ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا کہ وہ رات کے وقت جنبی ہوتے ہیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ''تم وضو کرلو اور اپنی شرمگاہ کو دھولو، پھر سو جاؤ۔''



۲۸ - بَابٌ: إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

یہ باب مرد وعورت کی شرمگاہ کے ایک دوسرے سے مل جانے کے بیان میں ہے۔

۲۹۱ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ (ح). وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ. تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَهُ. وَقَالَ مُوسٰى: "حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ: مِثْلَهُ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کے چاروں گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے، پھر اس کے ساتھ جماع کرے تو غسل واجب ہوجائے گا۔"

عمرو بن مرزوق نے شعبہ سے روایت کر کے اس کی متابعت کی ہے۔ اور موسیٰ نے کہا کہ ہمیں ابان نے حدیث بیان کی، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت بیان کی۔



۲۹ - بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ

یہ باب عورت کی شرمگاہ کچھ لگ جائے تو اس کے دھلنے کے بیان میں ہے۔

۲۹۲ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ يَحْيَىٰ: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: "أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ؟" قَالَ عُثْمَانُ: "يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ. قَالَ عُثْمَانُ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ". فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ، وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، فَأَمَرُوهُ بِذٰلِكَ". قَالَ يَحْيَىٰ: "وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ".

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ "آپ اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے لیکن انزال نہ ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح نماز کا وضو کیا جاتا ہے اس طرح وضو کرے اور اپنی شرمگاہ کو دھولے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ (راوی حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے اِس سے متعلّق حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی یہی حکم فرمایا۔ یحیٰ فرماتے ہیں کہ "مجھے ابوسلمہ نے خبر دی کہ عروہ بن زبیر نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس کو سنا ہے۔"

۲۹۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِذَا

جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ؟" قَالَ: يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي". قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: "الْغَسْلُ أَحْوَطُ، وَذَاكَ الْآخِرُ، وَإِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ".

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے لیکن انزال نہ ہوتو کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اُن اعضاء کو دھولے جس سے عورت کو چھوا ہے، پھر وضو کرے اور نماز پڑھ سکتا ہے۔'' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل کرنے میں احتیاط ہے اور وہی آخری حکم ہے، ہم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے اس کو بیان کیا ہے۔



جماع بغیر انزال کے بعد غسل کا حکم:

جان لیں کہ ایک جماعت اس باب میں سِرے سے نسخ کے انکار کی جانب گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ پہلے جیسا ہی ہے، یہ وہم ترمذی کی روایت سے ہوتا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الاحتِلَامِ" اس کی تحقیق ہم مقدّمے میں بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ اس میں نسخ یقیناً ثابت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تاویل کی جانی چاہیے۔ اسی طرح بخاری کی روایت جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عنه، قُلتُ: أَرَأَيْتَ إذَا جَامع فَلَمْ يُمْنِ؟ قَالَ عُثْمَانُ: يَتَوَضَّأُ كما يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ويَغْسِلُ ذَكَرَهُ'' (صحيح البخاري، رقم:۱۷۹) ''آدمی جب اپنی بیوی سے جماع کرے لیکن انزال نہ ہوتو نماز کے وضو کی طرح وضو کرلے اور اپنی شرمگاہ کو دھولے۔'' اس کو بھی نسخ پر محمول کرنا چاہیے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کرنے اور ان کے اس بات پر اجماع سے پہلے کا قول ہے کہ مرد وعورت کی شرمگاہ کے مل جانے ہی سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ذکر فرمائی ہے کہ ''حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس غسل جنابت کے بارے میں مذاکرہ کیا، تو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جب مرد وعورت کی شرمگاہ مل جائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔ جب کہ بعض نے کہا کہ انزال ہوتب ہی غسل واجب ہوتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''تم اہل بدر بہتر لوگ بھی اس میں اختلاف کررہے ہوتو تمھارے بعد آنے والوں کا کیا حال ہوگا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر

المؤمنین! اگر آپ مسئلہ جاننا چاہیں تو ازواجِ مطہرات کے پاس کسی کو بھیج کر اس کے متعلّق دریافت فرمالیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پوچھنے کے لیے بھیجا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب مرد وعورت کی شرمگاہ مل جائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں جسے بھی یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ انزال ہی کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے تو میں اسے سزادوں گا۔''

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعے میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں تمام لوگوں کو اِس مسئلے پر جمع فرمایا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے زیادہ صریح اور قوی دلیل ہے کہ حکم وہی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ اور "الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ" والی حدیث منسوخ ہے۔ اس کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مسلسل یہ منقول ہے کہ آپ "الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ" والی حدیث کو اختیار فرماتے تھے، لہٰذا ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اِس موقف کو اجماعِ صحابہ سے پہلے محمول کرنا چاہیے، اجماعِ صحابہ کے بعد آپ کی جانب یہ نسبت درست نہیں ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار اُن صحابہ میں فرمایا ہے جو شرمگاہ کے ملنے کی وجہ سے غسل کو واجب قرار دیتے تھے۔ نیز امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت بیان فرمائی ہے کہ مہاجرین صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس گناہ کی وجہ سے کوڑے اور رجم کی حد واجب ہوجاتی ہے اس فعل سے غسل واجب ہوجائے گا، ان مہاجرین میں سے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار ان کے ساتھ فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت جو تکرار کے ساتھ دو جگہوں پر ہے اس سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ غسل انزال کی وجہ سے واجب ہوگا، صرف شرمگاہ کے ملنے سے نہیں۔ اور اسی وجہ سے آپ نے نرمی برتتے ہوئے ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ ''غسل کر لینے میں احتیاط ہے۔'' اور دوسری مرتبہ یہ فرمایا کہ ''پانی خوب پاک کرنے والا ہے۔'' آپ کے قول کی تاویل بایں طور ممکن ہے کہ لفظ ''احوط'' کا استعمال صرف استحباب ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا اطلاق دو دلیلوں کے درمیان تعارض کے وقت واجب کو اختیار کرنے پر بھی ہوتا ہے، یعنی مثلاً جب دو دلیلوں میں تعارض ہو اور آپ بطورِ احتیاط وجوب کو اختیار کریں تو یہ کہا جائے گا کہ آپ نے احتیاط یعنی واجب کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قول کو حکم پر محمول کیا جائے کہ غسل کا حکم احتیاط والا ہے، یعنی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ غسل کر لے، لیکن غسل نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ اس میں صرف وضو ہی واجب ہے، تو اِس صورت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قول کی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور یہ اجماع کے خلاف شمار ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کلام میں نرمی برتی ہے اور غسل کے استحباب کو اختیار کیا ہے تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول: "إِذَا جَاوَزَ الخِتَانُ الخِتَانَ" کی یہ تاویل فرمائی ہو کہ یہ انزال سے کنایہ ہے، کیوں کہ عامۃً شرمگاہ کے مل جانے کے بعد انزال ہوجاتا ہے، اِس صورت میں حدیث مذکور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرمگاہ کے ملنے کی وجہ سے غسل کے وجوب کے بارے میں صریح شمار نہ ہوگی، اور چوں کہ آپ کے نزدیک صرف شرمگاہ کے ملنے کی وجہ سے وجوبِ غسل پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اس لیے آپ نے کلام میں نرمی اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ "غسل کرلینے میں احتیاط ہے۔" اور اسی وجہ سے جب آپ نے شرمگاہ کے ملنے کی وجہ سے عدمِ وجوبِ غسل پر بطورِ دلیل حدیث کی تخریج فرمائی تو اس پر یہ باب قائم فرمایا: "بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ المَرْأَةِ" آپ کی نظر ان احادیث کی تخریج کی جانب ہے جو آپ دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ نے احتیاطاً اپنی مُراد صراحۃً ذکر نہیں فرمائی، بلکہ پڑھنے والوں کو صرف اس جانب متوجّہ فرمادیا، کیوں کہ یہ مقام مشکل ہے، لہٰذا آپ نے احادیث میں سے اِس مسئلے کی اصل کی تخریج فرمائی اور اُن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر فرمادیے جو اِس جانب گئے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف اس کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں، اپنی جانب سے کوئی فیصلہ نہیں فرمارہے۔

پھر اگرچہ مسلم شریف کی روایت میں اس حدیث کے الفاظ میں "وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ" کی صراحت ہے، لیکن چوں کہ یہ راویت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے اس لیے آپ کے خلاف حجّت نہ ہوگی۔ اور جو روایت آپ کی شرط کے مطابق ہے اس میں انزال سے کنایہ ہونے کا احتمال ہے، جس کے ساتھ اختلاف بھی منقول ہے۔ تو یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وجہ ہے اور یہ آپ کا مختار موقف ہے اگر آپ نے یہ اختیار فرمایا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حاصل کلام یہ کہ مسئلہ بالکل صاف ہے، میں نے اس کو صرف بطورِ بحث ذکر کیا ہے تاکہ اِس باب میں صریح روایات کے ہوتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وجہ سامنے آسکے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الْحَيْضِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾﴾

ترجمہ: حیض کا بیان اور تعالیٰ کا فرمان کہ ''اور وہ آپ سے حیض سے متعلّق سوال کرتے ہیں، فرما دیں کہ وہ نجاست ہے، سوتم حیض کے دِنوں میں عورتوں سے کنارہ کش رہا کرو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جایا کرو، اور جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو جس راستے سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں اجازت دی ہے ان کے پاس جایا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبّت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبّت فرماتا ہے۔''



حیض کی مدت کی تحدید:

حیض ایک معروف خون ہے جس کی ہمارے فقہاء نے تحدید فرمائی ہے، حالانکہ خارج میں اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، یہ علاقے اور زمانے کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا رُجحان یہ ہے کہ یہ ایک گھڑی کے لیے بھی آ سکتا ہے، آپ نے صرف عدت کے باب میں اس کی تحدید فرمائی ہے۔ اس باب میں سند ضعیف سے بھی کوئی مرفوع روایت وارِد نہیں ہے۔ ''نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ'' میں علّامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تحت صرف منکر روایات ذکر کی ہیں۔

علّامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی ہیں، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ اُن دِنوں تخریج احادیث الاحیاء[1] کی تصنیف میں مشغول تھے، دونوں حضرات ایک دوسرے کا ساتھ دیتے تھے، چنانچہ جب دونوں میں سے ایک کو کوئی نادِر حدیث مل جاتی تو وہ دوسرے کو ارسال کرتا، تاکہ اپنی تصنیف میں اس سے فائدہ اٹھائے۔ میرے خیال میں علّامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ علّامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے قوی تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری بائیس سال کے عرصے میں تصنیف فرمائی اور علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری دس سال میں لکھی۔

علّامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ حیض کے بارے میں کوئی توقیت نہیں ہے۔ میری تمنّا یہ تھی کہ ایسی صراحت میں کسی حنفی کے قلم سے بھی دیکھ پاتا، لیکن تلاشِ بسیار کے بعد بھی مجھے ایسی کوئی صراحت نہیں مل پائی۔ پھر علّامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے اِس باب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا تھا، جو ان سے کسی سفر میں گم ہو گیا، پھر وہ دوبارہ اسے جمع نہیں کر پائے۔ اب اس دور میں تو صرف علّامہ بِرکوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہی دستیاب ہے[2]، جو صاحب الدر المختار کے ساتھی ہیں، مگر اِس رسالے میں اتنی اغلاط ہیں کہ اس کا فائدہ ہی ختم ہو گیا ہے، کیوں کہ اس کے مصنّف نے خطبے میں خود ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اس رسالے کو بہت زیادہ اغلاط والی کتب سے جمع کیا ہے، پھر ان کی تصحیح کی کوشش کی ہے، اس کے باوجود اس میں بہت سی اغلاط رہ گئی ہیں۔ میں نے اس رسالے سے مراجعت کی تو بہت سی غلطیاں پائیں، علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح کی اور آپ نے بھی ماتن رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں اپنی شرح میں اغلاط چھوڑ دیں۔

مالکیہ نے یہ بہتر کیا کہ عدت کے باب میں حیض کی توقیت فرمائی ہے، لیکن عورت کے اپنے گھریلو معاملے میں اور نماز وروزے کے بارے میں انھوں نے یہ مسئلہ عورت کے سپرد کر کے اسی کی رائے کا اعتبار کیا ہے۔ حاصل یہ کہ حیض کا خونِ شرعی اور عُرفی اعتبار سے غیر موقت ہے، کاش کہ احناف نے بھی اس طرح لکھا ہوتا۔ لیکن......

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

---

[1] علّامہ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم العراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۸۰۶ھ) کی اس تصنیف کا اصل نام "المغني عن حمل الأسفار في الأسفار في تخريج ما في الإحياء من الأخبار" ہے، جو احیاء علوم الدین للغزالی کے حاشیے میں طبع ہوئی ہے۔

[2] علّامہ محمد بن بیر علی البرکوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۹۸۱ھ) کے اِس رسالے کا نام: "ذُخْرُ الْمُتَأَهِّلِينَ وَالنِّسَاء في تعريف الأَطهار والدماء" ہے، جس پر علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح "منهل الواردين من بحار الفيض على ذخر المتأهلين في مسائل الحيض" مطبوع ہے۔ دار الفکر بیروت سے جو طبع ہوئی ہے اس میں اغلاط نہ کے برابر ہیں۔ فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے مصنّف کی نسبت "البِركلي" مذکور ہے، صحیح "البِركِوِي" ہے۔

''انسان کی ہر تمنّا پوری نہیں ہوتی، ہوائیں اُس سمت چلتی ہیں جو کشتیوں کے موافق نہیں ہوتی۔''

اور یہی معاملہ مدّتِ حمل کی توقیت کے بارے میں ہے کہ وہ بھی غیر موقت ہے، کہ کبھی بیماری کی وجہ سے اس کی مدّت دس سال تک دراز ہو جاتی ہے، ہمارے فقہائے کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ حمل کی اکثر مدّت دو سال ہے، لیکن کسی نے یہ نہیں لکھا کہ یہ دو سال طبعی مدّت ہے، اور عوارض کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو سکتا ہے، اگر اس کی صراحت ہوتی تو ہمیں اطمینان رہتا۔ اور ایسے امور میں فقہاء کے لیے مناسب ہے کہ وہ اطباء سے رجوع کریں، کیوں کہ ہر فن کے لیے کچھ لوگ مخصوص ہوتے ہیں۔

جن امور میں شریعت کی جانب سے تحدید نہ ہو ان میں اجتہاد:

پھر یہ تحدید اجتہادی ہے، شرعی تحدید نہیں ہے، اور وہ امور جن کے بارے میں شریعت میں تحدید وارد نہ ہو انھیں اپنے حال پر رکھا جائے گا اور حد بندی نہیں کی جائے گی، جیسا کہ اصولِ فقہ میں ہے کہ قیاس کی بنیاد پر حدود اور مقادیر طے کرنا جائز نہیں ہے، حدود اور مقادیر سے یہاں علمائے اصول کی مُراد مثلاً تعدادِ رکعات وغیرہ ہیں، وہ حدود مُراد نہیں جو علی اختلاف الاقوال جواز ریا سواتر ہیں۔ علّامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ عمل قلیل وکثیر اور مائے قلیل وکثیر کی تحدید کے بارے میں اسی اصل پر چلے ہیں، چنانچہ آپ نے اس کو مبتلا بہ کی رائے کے حوالے کیا ہے، اسی طرح آپ نے بیع سلم کی مدّت اور لقطہ کی پہچان کرانے میں کیا ہے کہ اسے مبتلا بہ کی رائے کے حوالے کیا، اگر چہ اصحابِ متون نے اس کی تحدید فرمائی ہے۔

پھر اگر چہ ایسے امور میں تفویض ہی اصل ہے، مگر نظامِ عالم تحدید کے بغیر درست نہیں ہوتا، کیوں کہ بہت سے عوام کی کوئی رائے نہیں ہوتی اور انھیں تفویض بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی، لہٰذا لامحالہ تحدید کی ضرورت ہوگی، تو جن امور میں شریعت کی جانب سے کوئی تحدید وارد نہ ہو ان میں مجتہد کی جانب سے تحدید لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہوگی، جیسا کہ فقہائے کرام نے طہر کے مسئلے میں فرمایا کہ اس کی اکثر مدّت کی کوئی حد نہیں ہے، اس کے باوجود فقہاء نے استمرارِ طہر کے وقت عادت قائم کرنے کے لیے تحدید فرمائی ہے۔ اس مسئلے میں ہمارے مشایخ کے چھ اقوال ہیں، اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ تین مہینوں میں اِس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے مہینے میں طہر اور حیض کا حساب لگایا جائے گا۔ اسی طرح وہ عورت جس کا طہر دراز ہو گیا ہو ہمارے مذہب کے مطابق اس کے لیے تین حیض کے انتظار کے سِوا کوئی راستہ نہیں ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نص سے مؤید ہے، کیوں کہ وہ مطلقہ ہے اور اس کی یہ عدت نص سے ثابت ہے، مگر اس کا طہر جب دراز ہو جانے کی وجہ سے معاملہ مشکل ہو گیا تو ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق

فتویٰ دینے کی ضرورت ہوئی۔ تو جس طرح فقہاء کو اِن مواقع میں تحدید کی ضرورت ہوئی تا کہ عورت کی ضروریات معطّل نہ ہوں، اسی طرح انھیں حیض کی اقل اور اکثر مدّت کی تحدید کی ضرورت ہوئی، اگر چہ حیض حقیقت میں مؤقت نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ اِس تحدید میں مجتہد مجبور ہے جسے اجر ملے گا، بلکہ میں فقہائے مجتہدین کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انھوں نے مخلوق کے لیے راہ نکال کر انھیں تنگیوں سے چھٹکارا دِلایا۔ اور شاید آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے کتاب العلم میں آپ کے سامنے واضح کر دیا تھا کہ حدیث کے بعض مواقع میں فقہ کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً اس جیسے مواقع میں، کیوں کہ ان مواقع میں صرف حدیث پر اکتفا کر کے فقہ سے صرفِ نظر کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تو فقہ بھی حدیث کے بغیر مکمّل نہیں ہے، کیوں کہ انسان جب حدیث پڑھتا ہے اور اس میں غور کر کے اس کے مفاہیم و معانی کو سمجھتا ہے تو فقہ پر اس کی رائے جم جاتی ہے اور اسے قلبی سکون ملتا ہے کہ اس نے محض ایسی رائے کو اختیار نہیں کیا ہے جو کسی دلیل سماوی سے مستند نہ ہو، اسی طرح فقہائے کرام کے اقوال اور مذاہب ائمہ سے مراجعت کے بغیر حدیث کی مُراد متعین نہیں ہو پائے گی اور حدیث کے احتمالات بھی منقطع نہیں ہوں گے، جب حدیث پڑھنے والا فقہائے کرام کے اقوال میں غور و فکر کرے گا تو اس کے سامنے بہت سی وجوہ واضح ہو جائیں گی، اس کے سِوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ چنانچہ فقہ میں فی نفسہٖ حدیث کی ضرورت ہے اور حدیث پر عمل کرنے کے لیے فقہ کی ضرورت ہے۔

اسی طرح الفاظِ حدیث سے رجوع کیے بغیر قرآن بھی معلق رہے گا، معلق رہنے سے میری مُراد یہ ہے کہ قرآن میں غور و فکر کرنے والا تردّد میں رہے گا اور کسی ایک نتیجے پر نہیں پہنچ پائے گا، حتیٰ کہ جب وہ حدیث سے رجوع کرے گا تو مُراد متعین ہو پائے گی اور اسے اطمینان حاصل ہوگا۔ اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لغت میں صرف الفاظ کے معانیٔ موضوعہ ہی بیان کیے جاتے ہیں، متکلم کی مُراد کو بیان نہیں کیا جاتا، اور متکلم کی مُراد کو سمجھنا بسا اوقات انسانوں کے کلام میں مشکل ہو جاتا ہے تو کلام اللہ جو کہ معجزہ ہے اس کی شان کیا ہوگی؟ اور کلام جس قدر بلند مرتبہ ہوتا ہے اسی قدر وجوہ اور معانی کا متحمل ہوتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۳۲﴾ [القمر: ۳۲] اور یہ امر تیسیر سے مختلف ہے، چنانچہ قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی، جس میں ماہرین سے بھی لغزش ہو جاتی ہے، اور آیت کریمہ میں ''یُسر'' کے معنیٰ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ [1]

پھر جب کہ یہاں معاملہ وہی ہے جو آپ نے سن لیا کہ حیض کی تحدید حقیقت میں بھی نہیں ہے اور حدیث میں بھی نہیں ہے، البتہ اس میں لوگوں کی ضرورت دیکھتے ہوئے اجتہاداً تحدید ہوئی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس میں تمام سے مقدّم

[1] جلد اوّل میں حدیث نمبر: (۱۳۲) کے تحت عنوان ''حدیث، قرآن اور فقہ میں ربط کس طرح ہے؟'' ملاحظہ فرمائیں۔

ہیں، اور آپ کے پاس اس سلسلے میں نصوص کی عبارتیں اور اشارات بھی ہیں، جیسا کہ ترمذی شریف کے ابواب الایمان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے میں حدیث کے الفاظ ہیں: "تَمْكُثُ إِحْدَاكُنَّ الثَّلَاثَ وَالْأَرْبَعَ لَا تُصَلِّي" (سنن الترمذي، رقم: ۲۶۱۳). امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اپنی شرح مشکل الآثار میں استدلال فرمایا ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں کچھ زیادتی ہے۔ اور خارج میں تحدید کی دلیل یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دِنوں تک ازواجِ مطہرات سے ہم بستر نہیں ہوتے تھے، پھر جب وہ پاک ہوجاتیں تو ہم بستر ہوتے۔ یہ تمام دلائل ہمارے مذہب کے مطابق ہیں، اس لیے کہ ان میں تین دِنوں سے کم بیان نہیں کیے گئے۔

نیز ہماری دلیل "الجوهر النقي على سنن البيهقي" میں منقول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہے، اگرچہ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نہیں کیا ہے۔ نیز سنن الدارقطنی میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہماری دلیل ہے۔

ایک اشکال اور جواب:

اس پر شوافع نے ہم پر یہ اشکال کیا ہے کہ جب مہینے کا حساب طہر اور حیض سے لگایا گیا ہے، اور ایک مہینے میں حیض کا مکرّر ہونا نادر الوقوع ہے، تو تمھارے مذہب کے مطابق حساب درست نہیں ہوگا، کیوں کہ اقل طہر کی مدّت ہمارے اور تمھارے اتفاق کے ساتھ پندرہ دِن کی ہے، پھر اگر حیض کی اکثر مدّت دس دِن ہو تو ایک مہینے میں پانچ دِن مہمل ہوجائیں گے جو نہ حیض میں شمار ہوں گے نہ طہر میں، جب کہ ہمارے مذہب کے مطابق یہ اشکال نہ ہوگا، کیوں کہ ہم نے مہینہ دونوں پر تقسیم کر کے نصف مہینہ حیض اور نصف مہینہ طہر کا قرار دیا ہے۔

میں جواباً پہلے کہوں گا کہ ''النہایہ'' میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حیض کی اکثر مدّت دس دِن اور اقل طہر کی مدّت بیس دِن ہے، تو ہمارے مذہب کے مطابق بھی حساب درست ہوگا۔

دوسرا یہ کہ ہمارے نزدیک اقل طہر کی مدّت مطلقاً پندرہ دن نہیں ہے، بلکہ بعض صورتوں میں بیس دِن ہے، جیسا کہ وہ وہ عورت جس کو استحاضہ کی حالت میں پہلی مرتبہ خون آیا ہو، تو اس صورت میں فی الجملہ حساب درست ہوگا۔

تیسرا یہ کہ ایک مہینے میں طہر کا مکرّر ہونا اگرچہ نادر الوقوع ضرور ہے لیکن کلّی طور پر معدوم نہیں ہے، لہٰذا اسے بھی دیکھنا چاہیے۔

اور ''المواہب اللدنیہ'' میں روایت ہے کہ ''فإني أعقبها أن لا تحمل إلا كرها، ولا تضع إلا كرها'' (المواهب اللدنية: ج۱،ص: ۷۷) ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّا کو اتارا تو انھیں بتایا کہ وہ حمل اور وضع حمل کی مشقّت برداشت کریں گی۔'' اور اخیر میں ہے کہ ''ولأدمينها في الشهر مرتين'' (المواهب اللدنية: ج۱،ص:

۷۷)''میں اسے ایک مہینے میں دو مرتبہ خون آلود کروں گا۔'' اس کے باوجود شوافع کا رجحان یہ ہے کہ ایک مہینے میں حیض کا مکرّر ہونا نادر الوقوع ہے۔ اس روایت میں حضرت سُنید رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو متقدمین مفسرین میں سے ہیں۔ اور یہ روایت تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے مگر اس کے اخیر میں وہ زیادتی نہیں ہے۔ اِس صورت میں ممکن ہے کہ ایک مہینے کے حساب کی بنیاد حیض کے مکرّر ہونے پر ہو، اگرچہ یہ نادر الوقوع ہے۔

شوافع نے آیت کریمہ: ﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ﴾ [الطلاق:٤] سے استدلال کیا ہے، کہ اس میں طہر اور حیض کو ملا کر ایک مہینے کا حساب لگایا گیا ہے، اور جب طہر کی اقل مدّت بالاتفاق پندرہ دِن ہے، تو باقی پندرہ دِن حیض ہی کے شمار ہوں گے، اس کی بنیاد حیض کے مکرّر آنے پر ہو یہ بعید ہے، اس لیے کہ یہ نادر الوقوع ہے۔

میں جواباً کہتا ہوں کہ جی ہاں، اس کی بنیاد حیض کے مکرّر آنے پر نہیں ہے، مگر ہم عورتوں کی عادات سے واقف ہیں کہ مہینے میں طہر کی مدّت عموماً حیض کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان کے حیض کی مدّت چھ یا سات دِن شمار ہوئی، اور یہی عورتوں کی معروف عادت ہے کہ طہر کی مدّت عموماً حیض کے ایام سے زیادہ ہوتی ہے، اور چوں کہ عورتوں کی عادت مختلف ہوتی ہے اس لیے قرآن نے حیض اور طہر کو ایک مہینے میں اندازے سے جمع کیا ہے۔

حالت حیض میں عورتوں سے دور رہنے کے مراتب:

﴿فَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ﴾...... یہ بات متعدد مرتبہ گزر چکی کہ ائمہ مجتہدین کے نظریے آیت کے مراتب اخذ کرنے میں مختلف ہوتے ہیں کہ ایک مجتہد اعلیٰ مرتبہ اختیار کرتا ہے، جب کہ دوسرا ادنیٰ مرتبہ اختیار کرتا ہے، جس میں غور کرنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اِس مجتہد نے آیت کی موافقت کی ہے اور اُس نے آیت کے خلاف کیا ہے، حالانکہ درحقیقت تمام مجتہدین آیت پر عمل کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اور اپنی استطاعت کے مطابق اجتہاد کرتے ہیں، اگرچہ ان کے نظریے مراتب کے بارے میں مختلف ہوتے ہیں۔ اور ائمہ اصول نے اگرچہ عموم، خصوص، اطلاق اور تقیید کے متعلّق بحث کی ہے، لیکن شئے کے مراتب کے بارے میں انھوں نے بحث نہیں کی، حالانکہ یہ بحث ضروری ہے۔ چنانچہ ائمہ اصول فرماتے ہیں کہ عموم وخصوص آحاد وافراد میں جاری ہوگا، اور شئے کے اوصاف ومقدار میں اطلاق جاری ہوگا۔ حالانکہ شئے کے مراتب کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

اِس آیت کریمہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں سے حالت حیض میں مطلقاً دوری رکھی جائے، اور یہود بعینہٖ یہی کرتے تھے۔ تفصیل یہ ہے کہ حالت حیض میں عورتوں سے دور رہنے کے مراتب مجمل ہیں جن کی تفصیل حدیث میں بیان ہوئی ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد فرمایا کہ "افْعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ" کہ جماع کے سِوا سب کچھ کر سکتے ہو، چنانچہ بعض حضرات نے عورتوں سے دور رہنے کو جماع اور خصوصاً گندگی کی جگہوں پر محمول کیا، اور بعض حضرات نے اس دوری کو ناف سے گھٹنوں تک کے حصے پر محمول کیا، کیوں کہ شئے کے اِرد گِرد کی جگہ شئے کے حکم میں ہوتی ہے، لہٰذا اِن حضرات نے محل نجاست اور اس کے ماتحت اعضاء کو ایک حکم میں قرار دیا، اور یہ دونوں موقف عورتوں سے دوری کی قسمیں اور مراتب ہیں۔ اب یہ کہ آیت کریمہ میں کونسی مقدار اور کونسا مرتبہ مُراد ہے؟ تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ اس مسئلے کی مزید تحقیق عن قریب آئے گی۔

انقطاعِ دم کے بعد بغیر غسل جماع کا حکم:

﴿يَطْهُرْنَ﴾ ...... اس میں تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءاتِ متواترہ ہیں، اور احناف مختلف قراءات کو آیاتِ مستقلہ شمار کر کے احکام اخذ کرتے ہیں، چنانچہ احناف نے تشدید والی قراءت کو دس دِنوں سے کم میں خون بند ہونے پر محمول کیا ہے، اس لیے کہ "تَطَهُّر" بابِ تفعل کا مصدر ہے، جو انسان کے اپنے عمل کے ذریعے طہارت حاصل کرنے کے معنیٰ میں ہے، اور وہ عمل غسل ہے، اور تخفیف والی قراءت کو احناف نے دس دِنوں پر خون بند ہونے پر محمول کیا ہے، کیوں کہ "طُهُر" لازم ہے، لہٰذا انسان کے کچھ کیے بغیر امر سماوی سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ احناف نے مسئلہ بیان کیا کہ پہلی صورت میں شوہر اپنی بیوی سے غسل کے بعد ہی جماع کر سکتا ہے، اس لیے کہ خون کبھی بند ہوتا ہے اور کبھی نکلتا ہے، تو دوبارہ خون آنے کا بھی احتمال ہے، لہٰذا انقطاعِ دم کا غسل سے مؤید ہونا ضروری ہے۔ برخلاف دوسری صورت کے، کیوں کہ جب حیض کی اکثر مدّت ختم ہونے پر خون بند ہوا ہے تو اب دوبارہ آنے کا خدشہ نہیں ہے اور عورت حسی طور پر پاک ہو جائے گی، اس لیے بغیر غسل کیے بھی جماع جائز ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ بغیر غسل کے جماع کو مباح قرار دینے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں، اس لیے کہ قرآن تو غسل کے بعد شوہر کے لیے جماع کو مباح کہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ﴾ [البقرة:۲۲۲] یعنی غسل کر لیں تب تم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان سے قریب ہوں۔

میں جواباً کہوں گا کہ بغیر غسل کے بھی جماع اگرچہ جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ عورت کے غسل کر لینے کے بعد ہی

شوہر جماع کرے، اور نماز کے لیے بالا جماع غسل واجب ہے، کیوں کہ یہ عورت حکماً ناپاک ہے، اگر چہ حسی طور پر پاک ہے، اور اِس صورت میں مجھے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ آیت کریمہ میں "تَطَهَّر" اپنی دونوں قسموں سمیت مُراد ہے، اور ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ کے معنیٰ ہوں گے کہ کبھی وجوباً اور کبھی استحباباً غسل کرلیں تو تم ان سے قریب ہو سکتے ہو۔ اور میرے نزدیک لغۃً اس میں وسعت ہے، اور میرے نزدیک ایک مسمّٰی اور ایک حقیقت کو لفظ کے تحت داخل کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، اگر چہ اس کی صفات خارجی اعتبار سے مختلف ہوں، مثلاً استحباب اور وجوب دونوں ایسی صفات ہیں جو حقیقت کو خارج سے پیش آتی ہیں، حالانکہ حقیقت دونوں صورتوں میں باقی رہتی ہے، کیوں کہ نماز ایک حقیقت ہے، فرض اور نفل کے درمیان نماز کی حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ فرض اور نفل دونوں امر کے لحوق اور عدمِ لحوق کی جانب دیکھتے ہوئے نماز کی صفات ہیں، اور اِس صورت میں ایک لفظ کے تحت دونوں انواع کو داخل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس بحث کو ہم نے اپنے رسالے ''فصل الخطاب'' میں تفصیلی طور پر بیان کیا ہے، جس پر اضافے کی گنجائش نہیں۔

خلاصۂ کلام میرے نزدیک یہ ہے کہ قرآن نے جب حیض کی اقل مدّت اور اکثر مدّت سے تعرض نہیں کیا ہے اور خارج میں بھی یہ متعین نہیں ہے تو احکام کی بنیاد اقل مدّت اور اکثر مدّت پر نہیں ہوگی، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جماع کے لیے غسل شرط ہو، اور یہ ضروری ہے۔ البتہ اگر مجتہد کے پاس اس بات پر کوئی دلیل قائم ہو کہ حیض کا خون دس دِنوں سے تجاوز نہیں کرسکتا تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ غسل سے پہلے جماع کو جائز قرار دے، کیوں کہ عورت حسی طور پر پاک ہو چکی ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ قرآن کے حکم کو مطلق رکھا جائے، اس لیے کہ قرآن میں وہ حکم نازل ہوتا ہے جو مطلوب ہو، اور مجتہد کے ذمے تفصیل بیان کرنا ہے، اس لیے کہ وہ فروع سے بحث کرتا ہے۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن نے عورتوں سے قریب ہونے کو دو امور پر معلق کیا ہے، پہلا طہارتِ حسی ہے، جس کی جانب ﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ سے اشارہ کیا۔ اور دوسرا امر غسل کرنا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ میں مذکور ہے، گویا کہ اصل کلام اس طرح ہے: ﴿فَإِذَا طَهُرْنَ وَتَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ﴾... الخ" یہاں دو فعل میں سے ایک کو اس وجہ سے حذف کر دیا گیا کہ ماقبل کا کلام اس پر دلالت کر رہا ہے، اور دونوں امور کی رعایت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب تک وہ غسل نہیں کرلیتیں اپنی پاکی کے بارے میں بذاتِ خود مطمئن نہیں ہوتیں اور انھیں دوبارہ خون آنے کا تردّد رہتا ہے، اور اگر خون ان کی عادت کے مطابق بند ہوا ہو، پھر وہ غسل کرلیں تو انھیں قلبی اطمینان ہو جاتا ہے، تو جس طرح خارج میں عورتوں کو اطمینانِ قلبی طہارتِ سماویہ (انقطاعِ دم) اور طہارتِ اختیاریہ (غسل) کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اسی طرح قرآن نے دونوں امور کے مجموعے کو خارج کے مطابق بیان فرمایا۔

قرآن میں یہ ابہام و اجمال کا نہج اختیار کیا گیا ہے، جس میں اقل و اکثر مدّت کی تفصیل کی طرف توجّہ نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اقل و اکثر مدّت کو بنیاد بنائے جانے کی کوئی تفصیل ہے، پھر مجتہد نے آکر اِن دونوں امور کی تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ خون اگر اکثر مدّت پر ختم ہوا ہے تو جماع میں صرف طہارتِ ساویہ کا دخل ہوگا، لہٰذا شوہر کے لیے صرف انقطاعِ دم سے جماع مباح ہوگا، اور اگر خون دس دِنوں سے کم میں بند ہوا ہے تو اس میں طہارتِ اختیاریہ یعنی غسل کا دخل ہوگا، لہٰذا غسل کے بعد ہی جماع جائز ہوگا۔

چنانچہ قرآن کے لیے اطلاق کی صورت میں مطلق حکم بیان کرنا مناسب ہے، اور تفصیلات اجتہاد کے حوالے ہوں گی، کیوں کہ قرآن نے غسل کا حکم مطلق بیان فرمایا ہے، اس میں اقل یا اکثر مدّت کا ذکر نہیں ہے، یا تو اس وجہ سے کہ وہ خارج میں متعین نہیں ہے یا تعیین دشوار ہے۔ لہٰذا اگر مجتہد اپنے تجربے سے یہ معلوم کرلے کہ خون دس دِنوں سے تجاوز نہیں کرتا تو اسے گنجائش ہوگی کہ وہ اس جزئی کو اپنے اجتہاد سے خاص کردے، یہ تخصیص بہ حکم نص نہیں ہوگی، اور یہ کرنا صحیح ہے، نص اس کے بالکل خلاف نہیں ہے، ہاں اگر ہم یہ کہتے کہ قرآن نے اکثر مدّت پر خون بند ہونے کی صورت میں بھی غسل کی شرط لگائی ہے تو یہ اجتہاد یقیناً نص کے خلاف اور معارض ہوتا۔

یہاں ایک بات اور ہے جو ''الناسخ والمنسوخ'' سے معلوم ہوتی ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ دس دِنوں اور ان سے کم میں خون بند ہونے کا فرق امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر حق رجعت کے باب میں منقول ہے، کہ مطلقہ کا خون جب دس دِنوں سے کم میں بند ہوا اور اسے غسل اور تکبیرِ تحریمہ کا وقت مل گیا تو شوہر کا حق رجعت ختم ہوجائے گا اور صورتِ مذکورہ میں تیسرے حیض کے گزر جانے کے بعد جب خون دس دِنوں سے کم میں بند ہوا ہے تو شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا، تو یہ فرق بطورِ خاص حق رجعت کے بارے میں ہے، پھر یہ فرق نماز اور دیگر احکام میں بھی جاری ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے کہ آپ نے فقہ حنفی کو تین واسطوں سے حاصل فرمایا ہے، لہٰذا اِس مسئلے پر اعتماد کرنا چاہیے، لیکن میں اس نسخے پر اعتماد نہیں کرتا اس لیے کہ مذہب حنفی اس کے خلاف مشہور ہے، البتہ اگر معتبر طریقے سے ثابت ہو تو کوئی وجہ ہوسکتی ہے۔

پھر فقہائے کرام نے کہا کہ اگر خون دس دِنوں سے کم میں بند ہو تو جب تک عورت غسل نہ کرلے اس کے ساتھ جماع جائز نہیں ہے، اگر عورت نے غسل نہیں کیا اور نماز کا ادنیٰ وقت گزر گیا جس میں وہ غسل کرکے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی تو جماع جائز ہے۔ یہ مسئلہ اس بات کی جانب مشیر ہے کہ مدّتِ غسل فقہائے کرام کے نزدیک زمانۂ حیض میں شمار ہوتی ہے۔ اور اسی کے مانند وہ مسئلہ بھی ہے جو فقہاء نے رجعت کے باب میں بیان فرمایا ہے کہ اگر عورت کا خون دس دِنوں پر بند ہو تو

غسل کیے بغیر بھی حق رجعت ختم ہوجائے گا، اور اگر دس دِنوں سے کم میں خون بند ہوا ہو تو غسل کرنے تک یا مکمّل ایک نماز کا وقت گزرنے تک حق رجعت ختم نہیں ہوگا۔ میری رائے میں فقہاء نے یہ مسئلہ آیت کریمہ: ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ﴾ سے اخذ کیا ہے، کہ آیت کریمہ میں تطہر یعنی غسل کی مدّت زمانۂ حیض میں شمار کی گئی ہے، اور جماع اس کے بعد مباح ہے، مگر فقہائے کرام یہ صراحت نہیں فرماتے کہ یہ مسئلہ قرآن سے ماخوذ ہے، لہٰذا آپ ضرور اس میں غور کریں تاکہ حقیقت حال واضح ہوجائے۔

اِس تقریر سے وہ اشکال بھی دفع ہوجائے گا جو علّامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آیا کہ آیت کریمہ میں غایت اور استیناف کے درمیان ربط نہیں ہے۔ چنانچہ علّامہ ابن رُشد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کی مثال ہمارے اس قول کی طرح ہے: "لَا أُعْطِيْكَ دِرْهَمًا حَتّٰى تَدْخُلَ بَيْتِيْ، فَإِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ فَلَكَ كَذَا". چنانچہ غایت استیناف کے مغایر ہے اور استیناف غایت کے مغایر ہے۔

حالانکہ صحیح کلام یہ ہے کہ یوں کہا جائے: "فَإِذَا دَخَلْتَ بَيْتِيْ...الخ". کیوں کہ غایت اور استیناف دونوں اس میں متحد ہیں۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ ﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾...الخ" کا مطلب یہ ہے کہ "حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ وَيَطْهُرْنَ ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ وَطَهُرْنَ ﴿فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ﴾ چنانچہ معطوف علیہ سے دو فعل میں سے ایک کو لیا اور معطوف سے اس کے مقابل کو حذف کردیا، تاکہ دوسرے کو ذکر کرنا معطوف علیہ سے حذف پر قرینہ بن سکے، بایں طور غایت کے ساتھ ربط ہوجائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ میرے نزدیک غایت سے متعلّق نہیں ہے بلکہ صدرِ کلام یعنی ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ﴾ سے متعلّق ہے، جسے بلغاء کی اصطلاح میں "الطَّرْدُ وَالعَكْسُ" کہا جاتا ہے۔ اسے خوب سمجھ لیں۔



١ - بَابٌ: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: "هٰذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ". وَقَالَ بَعْضُهُمْ: "كَانَ أَوَّلُ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ". قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: "وَحَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ حیض کی ابتدا کیسے ہوئی؟اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اِس فرمان کے بیان میں کہ ''یہ ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ دی ہے۔''

اور بعضوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل کی عورتوں میں شروع ہوا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث زیادہ جامع ہے۔



۲ - بَابُ الْأَمْرِ بِالنِّسَاءِ إِذَا نَفِسْنَ

۲۹٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: "خَرَجْنَا لَا نَرَىٰ إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي"، قَالَ: "مَا لَكِ، أَنُفِسْتِ؟" قُلْتُ: "نَعَمْ"، قَالَ: "إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَىٰ بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ". قَالَتْ: "وَضَحّٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ".

ترجمہ: یہ باب عورتوں کے متعلّق ہے جب انھیں خون آئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ہم حج ہی کے ارادے سے نکلے تھے، جب ہم مقامِ سَرِف میں پہنچے تو مجھے حیض آیا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ میں رو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تمھیں کیا ہوا؟ کیا تمھیں حیض آیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، ارشاد فرمایا: ”یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ دی ہے، تم وہ تمام ارکان ادا کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں، سِوائے طوافِ بیت اللہ کے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی جانب سے گائے کی قربانی فرمائی۔“



دمِ حیض کی ابتداء کب ہوئی؟

اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد جنسِ دم کی ابتدا بیان کرنا ہے اور یہ کہ وہ عدم سے وجود میں کیسے آیا؟ لفظ "کَیْفَ کَانَ بَدْءُ" صرف ابتدائی احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے، جیسا کہ بدء الوحی کی شرح میں تفصیل سے گزر چکا۔ ایک قوی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد جایا کرتی تھیں، پھر انھوں نے مَردوں کو جھانکنا شروع کر دیا

تو انھیں مسجد جانے سے روک دیا گیا، اس لیے ان پر حیض بطورِ سزا مسلط ہوا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مسجد سے روکنا پہلے سے چلا آرہا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کی جانب توجّہ نہیں فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ" سے یہ مُراد لیا ہے کہ عورتوں کو حیض آنا شروع سے ہے، اس کی ابتدا بنی اسرائیل سے نہیں ہوئی۔ لیکن دونوں حدیثوں کے درمیان یہ تطبیق ذکر نہیں فرمائی کہ حیض کی ابتدا اگر چہ شروع زمانے سے ہے، مگر بنی اسرائیل پر بطورِ سزا مسلط کیا گیا، اس لیے ان کی عورتوں میں سزا کے طور پر حیض میں شدّت کا اضافہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"سَرِف" ...... یہ حجۃ الوداع کا قصّہ ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رونا حج کے فوت ہو جانے کے اندیشے سے تھا۔

"أَنُفِسْتِ؟" ...... ایک قول یہ ہے کہ یہ بصیغۂ مجہول ہو تو نفاس کے معنیٰ میں ہے اور اگر بصیغۂ معروف ہو تو حیض کے معنیٰ میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

"غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوْفِيْ" ...... چوں کہ سعی طواف پر مرتّب ہوتی ہے، اس لیے حائضہ عورت سعی بھی نہیں کر سکتی۔

"وَضَحّٰى" ...... امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اِسے موطا میں دمِ تمتع پر محمول کیا ہے، اس لیے کہ ازواجِ مطہرات کا حج حجِ تمتع تھا، اور راوی فقہی مفاہیم سے بحث نہیں کرتے اور نہ انھیں ملحوظ رکھتے ہیں، ان کے مدّنظر صرف لغوی درستی ہوتی ہے۔

تمام ازواجِ مطہرات کی جانب سے ایک گائے کیسے کافی ہوگئی؟

"بِالبَقَرِ" ...... یہاں ایک اشکال ہے کہ ازواجِ مطہرات کی تعداد تو نو تھی، پھر ان کی جانب سے ایک گائے کیسے کافی ہوگئی؟ جواب دینے والے کے لیے گنجائش ہے یوں کہے کہ "البقر" اسم جنس ہے، جس کا اطلاق دو گائے پر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن نسائی شریف کی روایت میں "بَقَرَة" تائے وحدت کے ساتھ مذکور ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اِس صورت میں راوی کا مقصد صرف گائے میں شرکت کو بیان کرنا ہے، تمام ازواجِ مطہرات یا بعض کا ذکر مقصود نہیں، لہٰذا نسائی شریف کی روایت کی وجہ سے تمام ازواجِ مطہرات کی شرکت کا اشکال نہ ہوگا۔

یہ اُس "اَل" کی طرح ہے جو جنس اور استغراق کے لیے ہوتا ہے، کیوں کہ "الحَمدُ لِله" کے معنیٰ پہلی صورت یعنی الف لام جنسی کے مطابق یہ ہوں گے کہ جنسِ حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے، اس کے سِوا کسی کے لیے نہیں، یہاں محلِ فائدہ خبر کی جانب ہے، جب کہ دوسری صورت یعنی استغراق میں محلِ فائدہ مبتدا میں ہوگا اور اسی میں ایجاب و سلب ہوگا، یعنی حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ لیے ثابت ہیں، نہ کہ بعض افراد، اس کا فائدہ خبر کے بارے میں نہیں ہے۔ اور ہم نے دونوں کا درمیان کا فرق مقدّمے میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

اہل لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جانوروں کے ناموں کے اخیر میں تائے مدوّرہ وحدت کے لیے ہوتی ہے، نہ کہ تانیث کے لیے، لیکن ضمیر کے مرجع میں لفظ کی بھی رعایت کرنی چاہیے۔

تفسیر کشّاف میں مذکور ہے کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ جب کوفہ تشریف لائے تو آپ نے لوگوں کو بُلایا کہ انھیں جو سوالات درپیش ہوں پیش کریں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت چھوٹی عمر کے تھے، آپ نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی (نملة) مذکر ہے یا مؤنث؟ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ چیونٹی مؤنث ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ﴾ [النمل : ۱۸]

لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں فعل "قَالَتْ" کو صرف لفظ "نَمْلَةٌ" کی لفظی رعایت کی وجہ سے مؤنث لایا گیا ہے، اس سے چیونٹی کا مؤنث ہونا لازم نہیں آتا، میرے خیال میں ابن سِکیت کے سِوا کسی بھی نحوی نے اِس مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت نہیں کی ہے۔



۳ - بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ

۲۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَنَا حَائِضٌ".

ترجمہ: یہ باب حائضہ عورت کے اپنے شوہر کے سر کو دھونے اور اسے کنگھی کرنے کے بیان میں ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں حیض کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی۔''

۲۹۶ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَىٰ قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّهُ سُئِلَ: "أَتَخْدُمُنِي الْحَائِضُ، أَوْ تَدْنُو مِنِّي الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ؟" فَقَالَ عُرْوَةُ: "كُلُّ ذٰلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ، وَكُلُّ ذٰلِكَ تَخْدُمُنِي، وَلَيْسَ عَلَىٰ أَحَدٍ فِي ذٰلِكَ بَأْسٌ، أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ، تَعْنِي رَأْسَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَهِيَ حَائِضٌ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ، يُدْنِي لَهَا رَأْسَهُ، وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا، فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ".

ترجمہ: حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ''کیا حائضہ عورت میری خدمت کر سکتی ہے؟ یا حالت جنابت میں عورت مجھ سے قریب ہو سکتی ہے؟ تو حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سب کام میرے نزدیک مباح ہیں اور ایسی ہر عورت میری خدمت کر سکتی ہے، اس سلسلے میں کسی کے لیے کوئی مضایقہ نہیں، مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ حالت حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھیں اس حال میں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں معتکف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے دراز فرماتے اس حال میں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے میں رہتیں، تو اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کنگھی کرتیں۔''

''حائض'' اور حائضہ'' میں فرق:

"الحَائِضُ" ......علّامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لفظ "حَائِضْ" بغیر تاء کے ہو تو حیض کی عمر تک پہنچی ہوئی عورت کے معنیٰ میں ہے اور تاء کے ساتھ اس عورت کے لیے بولا جاتا ہے جس کو موجودہ حالت میں حیض جاری ہو، اسی طرح لفظ "حَامِلْ" اور "مُرْضِعْ" بھی استعمال ہوتے ہیں۔

"مُجَاوِرٌ" ......یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معتکف تھے، یہ اہل مدینہ کی مخصوص لغت ہے۔



٤ - بَابُ قِرَاءَةِ الرَّجُلِ فِي حَجْرِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

وَكَانَ أَبُو وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَهِيَ حَائِضٌ إِلىٰ أَبِي رَزِينٍ، فَتَأْتِيهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ.

٢٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ: سَمِعَ زُهَيْرًا عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ: أَنَّ أُمَّهُ حَدَّثَتْهُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ آدمی اپنی بیوی کی گود میں قرآن پڑھے اس حال میں کہ وہ حائضہ ہو۔

حضرت ابووائل رحمۃ اللہ علیہ اپنی خادمہ کو حالت حیض میں ابورزین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجتے تھے، جو ان کے پاس اپنے سربندھن سے قرآن پکڑ کر لاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری گود میں ٹیک لگاتے تھے اس حال میں کہ میں حالت حیض میں ہوتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے۔''



ہمارے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہے، اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ میّت کو غسل دینے سے پہلے جنازے کے پاس اور نجاست کے اِرد گرد قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن حائضہ عورت کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے، کیوں کہ اس کی ناپاکی کپڑوں کے اندرون میں بند ہے۔

"فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ" ...... ہمارے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ پہنا ہوا کپڑا پہننے والے کے حکم میں ہے، اور وہ کپڑا جو قرآن سے لگا ہوا ہو وہ قرآن کے حکم میں ہے، لہٰذا قرآنِ پاک کو علاحدہ کپڑے سے یا علاحدہ غلاف سے چھونا جائز

ہے بشرطیکہ وہ کپڑا قرآن کے ساتھ بندھا ہوا نہ ہو۔ چنانچہ یہ مسائل احناف کے مذہب سے قریب ترین ہیں۔

اس حدیث کی سند میں فضل بن دُکین رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ ابونعیم کا نام ہے، مسلم شریف کی سند میں صرف ابونعیم مذکور ہے، اس لیے بعض طلبہ انھیں پہچان نہیں پائے، حالانکہ وہ فضل بن دُکین رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جیسا کہ بخاری شریف کی سند میں مذکور ہے۔ اسے جان لیں۔



٥ - بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا

٢٩٨ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهَا قَالَتْ: "بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيصَةٍ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي"، قَالَ: أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ نِفاس کو حیض کہنا درست ہے۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اس درمیان کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی تب ہی مجھے حیض آنا شروع ہوا، تو میں چپکے سے باہر نکل آئی اور اپنے حیض کے کپڑے لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''تمھیں حیض آیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا، پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی۔''



ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد:

شارحین فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس سے صرف یہ بیان کرنا ہے کہ حیض پر نِفاس کا اور نِفاس پر حیض کا اطلاق جائز ہے۔ اور چوں کہ اِس حدیث میں حیض پر نِفاس کا اطلاق ہوا ہے اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل یہ نکالا کہ نِفاس پر بھی حیض کا اطلاق درست ہے۔ ورنہ ترجمۃ الباب بظاہر یہ ہونا چاہیے تھا کہ "مَنْ سَمَّى الحَيْضَ نِفَاسًا" کیوں کہ اِس حدیث میں حیض پر نِفاس کا اطلاق ہوا ہے، اس کے برعکس اِطلاق نہیں ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِس ترجمۃ الباب میں تقدیم و تاخیر ہے، "النِّفَاسَ" مفعولِ ثانی ہے اور "حَيْضًا" مفعولِ اوّل ہے، اصل عبارت یہ ہے: "مَنْ سَمَّى حَيْضًا النِّفَاسَ" جیسا کہ اِس حدیث میں اطلاق ہے۔

لیکن مجھے اس پر اشکال یہ ہے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ مفعولِ اوّل نکرہ اور مفعولِ ثانی معرفہ ہو؟ تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ ''حاشیۃ المغنی'' میں ہے:[1]

كَأَنَّ سَبِيئَةً من بَيْتِ رَأْسٍ　　يَكُونُ مِزاجَها عَسَلٌ ومَاءُ

''گویا کہ وہ بیت رأس (اُردُن کا ایک علاقہ) سے خریدی ہوئی ایک شراب ہے جس کی ملاوٹ شہد اور پانی کی ہے۔''

نِفاس درحقیقت حیض ہی کا خون ہے:

میری رائے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف لغوی اطلاق بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ آپ کی مُراد یہ ہے کہ نِفاس حیض ہی کا خون ہے جو رَحم کا منھ کھل جانے کے بعد نکلتا ہے، اس لیے کہ رَحم کا منھ حالت حمل میں بند ہونے کی وجہ سے حاملہ کو حیض نہیں آتا، پھر جب بچّے کی ولادت ہوتی ہے تو رَحم کا منھ کھل جاتا ہے اور خون نکلنا شروع ہوجاتا ہے، تو نِفاس درحقیقت حیض ہی کا خون ہے جو مانع (حمل) کی وجہ سے رَحم میں رُکا ہوا تھا، جب مانع ختم ہوجاتا ہے تو یک بارگی نکلنا شروع ہوتا ہے اور طبیعت مافات کی تلافی کر لیتی ہے، جیسا کہ آپ نیند کے بارے میں دیکھ سکتے ہیں کہ جب بیداری ہوئی ہو یا ایک دِن تک نیند نہ آئی ہو، پھر جب نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو بسا اوقات تلافیٔ مافات کے لیے آپ اپنی عادت سے زیادہ دیر تک سوئے رہتے ہیں۔

حالت حمل میں حیض نہ آنے پر ایک نکتہ:

اس میں بعض حضرات نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ چار مہینے کے بعد حیض کا خون بچّے کی غذا بنتا ہے، اور ہر مہینے میں دس دِن کے حساب سے چار مہینوں کے چالیس دِن ہوں گے، جو کہ نِفاس کی اکثر مدّت ہے۔ اس تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا، اور قواعد شرعیہ بھی اسی جانب مشیر ہیں، اس لیے کہ اگر عورت کو حالت حمل میں بھی حیض آتا جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے تو شریعت میں باب الاستبراء کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ شریعت نے حیض کو رَحم کے صاف ہونے کی علامت قرار دیا ہے، اور جب حاملہ عورت کو بھی حیض آنے کا امکان رہے تو

---

[1] حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے، یہاں اس میں محلِ استشہاد "مِزَاجَهَا عَسَلٌ وَمَاءُ" ہے، کہ لفظ "مِزَاجَهَا" یہ "يَكُوْنُ" کی خبر مقدّم ہے اور ضمیر کی جانب اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے، "عَسَلٌ" اسم مؤخر ہے، جو نکرہ ہے۔ تو گویا اسم مؤخر جو نکرہ ہے یہاں مفعولِ اوّل کے مشابہ ہے اور خبر مقدّم جو معرفہ ہے مفعولِ ثانی کے مشابہ ہے۔ (مستفاد از: الانتصاف فيما تضمنه الكشاف: ۲ / ص۳۲٦، سورة يونس / الآية:۲، لابن المنير الإسكندري (المتوفىٰ: ٦٨٣ھ)

رحم کی صفائی کے لیے کوئی علامت ہی باقی نہیں رہے گی، جس سے یہ لازم آئے گا کہ استبراء شریعت میں سِرے سے نہ ہو۔ میری تحقیق یہ ہے کہ حاملہ کو بھی حیض آتا ہے، مگر چوں کہ یہ نہایت ہی نادر الوقوع ہے اس لیے شریعت نے اس کو معتبر نہیں قرار دیا۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک علوق ایک ہی ہوتا ہے، جیسا کہ انھوں نے جُڑواں بچّوں کے بارے میں بھی علوق ایک قرار دیا ہے۔ حالانکہ جالینوس کے نزدیک علوق پر علوق ممکن ہے، لٰہذا فقہائے کرام کو چاہیے تھا کہ وہ اِن امور میں اطباء سے مشورہ کرتے، اس لیے کہ وہ اپنے موضوع سے زیادہ واقف ہوتے ہیں، اور ہر فن کے لیے کچھ لوگ مخصوص ہوتے ہیں۔

مجھے اِس تشریح پر تنبیہ علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق سے ہوئی جو انھوں نے آئندہ ترجمۃ الباب میں آیت کریمہ: ﴿ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمۡ ؕ﴾ [الحج : ٥] کے تحت ذکر فرمائی ہے، انھوں نے اس سے یہ سمجھا کہ جب حیض کا خون بچّے کی غذا بن گیا تو اب حاملہ کو حیض کیسے آ سکتا ہے؟ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اِس حدیث کو حیض کے باب میں ذکر فرما کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ان حضرات کے قول کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا، یہیں سے میرا ذہن اس بات کی جانب گیا کہ اِس ترجمۃ الباب کی مُراد بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید ہے، جیسا کہ آپ کو اس کی وضاحت معلوم ہوگئی۔

"ثِيَابَ حَيْضَتِيْ"...... اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے ایامِ حیض کے کپڑے تیّار رکھتی تھیں۔ اور عام دِنوں میں ان کے کپڑے الگ ہوتے تھے۔



٦ - بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ

٢٩٩ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، كِلَانَا جُنُبٌ".

٣٠٠ - "وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ، فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ".

٣٠١ - "وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ، فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ".

ترجمہ: یہ باب حائضہ عورت کے ساتھ بدن لگانے کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے اس حال میں ہم جنبی ہوتے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اِزار پہننے کا حکم فرماتے تو میں ازار پہن لیتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ لیٹ جاتے اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت اعتکاف میں اپنا سر مبارک (مسجد سے) میری جانب باہر نکالتے تو میں حالت حیض میں آپ کا سر مبارک دھوتی۔"

٣٠٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ هُوَ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا، فَأَرَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَاشِرَهَا، أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا". قَالَتْ: "وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ؟". تَابَعَهُ خَالِدٌ وَجَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ہم ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کوئی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ لیٹنا چاہتے تو اسے حالت حیض ہی میں ازار پہننے کا حکم فرماتے، پھر اس کے ساتھ لیٹتے“، اور پھر فرماتی ہیں کہ: ”اور تم میں سے کون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اپنی خواہشات پر قابو رکھ سکتا ہے؟“

خالد اور جریر نے شیبانی سے روایت کرنے میں اس کی متابعت کی ہے۔

۳۰۳ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ". وَرَوَاهُ سُفْيَانُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ساتھ لیٹنا چاہتے تو حالت حیض میں اسے ازار پہننے کا حکم فرماتے۔“ اس کو سفیان نے شیبانی سے روایت کیا ہے۔



حالت حیض میں عورتوں سے کس حد تک دوری رکھی جائے؟

امام محمد اور امام احمد رحمہما اللہ کا موقف یہ ہے کہ صرف خون نکلنے کی جگہ سے پرہیز کیا جائے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ابویوسف رحمہم اللہ کا موقف یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصے سے پرہیز کیا جائے اور یہی آیت کریمہ: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ [البقرة: ۲۲۲] کے ظاہری معنیٰ ہیں، یعنی یہ ہمارے مذہب کے مطابق حالت حیض میں عورتوں سے دور رہنے کے مراتب پر زیادہ صادق اور شامل ہے۔ اور عموماً احادیث میں یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت بیان ہوئی ہے، مثلاً ابوداود میں ہے کہ ”عَن عَائِشَةَ، قَالَت: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَتَّزِرَ ثُمَّ يُضَاجِعُهَا زَوْجُهَا“ (سنن أبي داود، رقم:٢٦٨) ”ازواجِ مطہرات میں سے اگر کوئی حائضہ ہوتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں ازار پہننے کا حکم فرماتے، پھر ان کے ساتھ لیٹتے۔“

لیکن ابوداود کی ایک حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ”ادني مني،

فقلت: إني حائض، فقال: وإن اكشفي عن فخذيك، فكشفت فخذي فوضع خده وصدره على فخذي، وحنيت عليه، حتى دفئ ونام'' (سنن أبي داود، رقم:۲۷۰)''تم مجھ سے قریب ہوجاؤ، تو میں نے عرض کیا کہ میں حائضہ ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر بھی تم اپنی رانیں کھول دو، میں نے اپنی رانیں کھول دیں، پھر آپ ﷺ نے اپنا رخسار اور سینہ مبارک میری رانوں پر رکھا اور میں نے آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا، جس سے آپ ﷺ کو گرمی محسوس ہوئی اور آپ سو گئے۔'' تو اس کی سند ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں اس میں کشف سے مُراد زائد کپڑے کو ہٹانا ہے، بدن کھولنے کے معنیٰ متعین نہیں ہیں۔ نیز ایک سوال کرنے والے نے جب آپ ﷺ سے سوال کیا کہ حالت حیض میں بیوی کے بدن کا کتنا حصّہ مباح ہے؟ تو فرمایا کہ ''لَك ما فوقَ الإزارِ'' (سنن أبي داود، رقم:۲۱۲؛ابن ماجه بنحوه، رقم:٦٥١)''ازار بند کا اوپری حصّہ مباح ہے۔'' اس کو ابن ماجہ نے سند حسن سے روایت کیا ہے، اور یہی طریقۂ محتاط ہے جو مخفی نہیں۔

اور مسلم شریف کی روایت میں جو مروی ہے کہ "اصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ". (الصحيح لمسلم، رقم: ۳۰۲) تو اس کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور اس کا عموم ماتحت الازار کے سوا دیگر بدن پر محمول ہوگا، اس لیے کہ اِس جگہ کلّی عموم مقصود نہیں ہے، اور عموم جب مقصود نہ ہو تو وہ نہایت ضعیف ہوتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ﴾ [النمل : ۲۳] حالانکہ ملکۂ سبا بلقیس کو شئے واحد کا کل بھی عطا نہیں ہوا تھا، چہ جائے کہ ہر چیز عطا ہوئی ہو۔ یا یہ توجیہ کی جائے گی کہ یہ ماتحت الازار سے کنایہ ہے، اگرچہ جماع کے معنیٰ میں صریح ہے۔

  

٧ - بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ

٣٠٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدٌ هُوَ ابْنُ أَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحَىٰ أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّىٰ، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ؛ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ". فَقُلْنَ: "وَبِمَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ". قُلْنَ: "وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا؟ يَا رَسُولَ اللهِ!'' قَالَ: "أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟" قُلْنَ: "بَلَىٰ". قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟" قُلْنَ: "بَلَىٰ". قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا".

ترجمہ: یہ باب حائضہ عورت کے روزہ ترک کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ کی طرف نکلے تو آپ کا گزر عورتوں کے پاس سے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو، کیوں کہ مجھے تم جہنّم میں زیادہ دِکھائی دی ہیں، عورتوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! ایسا کیوں ؟ فرمایا: ''تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے عقل و دین کی ادھوری کوئی مخلوق ایسی نہیں دیکھی جو تم سے زیادہ ہوشمند شخص کی عقل کو ختم کر دینے والی ہو۔ ان عورتوں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! ہمارے دین اور عقل کی کمی کیا ہے؟ فرمایا: کیا عورت کی گواہی مَرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے؟ انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے، کیا جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز اور روزہ ترک نہیں کرتی؟ ان عورتوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، فرمایا کہ یہ عورت کے دین کی کمی ہے۔

اس میں خوارج کا اختلاف ہے، ان کا شمار اہل سنّت والجماعت میں ہے ہی نہیں کہ ان کے اختلاف کو خاطر میں لایا جائے۔ حکایات میں منقول ہے کہ حضرت حوّا علیہا السلام کو حکم ہوا کہ وہ اپنے ایامِ حیض میں نماز نہ پڑھیں، پھر انھوں نے روزے کو بھی نماز پر قیاس کیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عتاب ہوا اور روزے کی قضا واجب ہوئی۔ میں نے اس کو روایت حدیث میں نہیں دیکھا، البتہ یہ دیکھا ہے کہ دنیا میں اترنے کے بعد جب حضرت حوّا کو حیض آیا تو انھوں نے اس کے متعلّق حضرت آدم علیہ السلام سے سوال کیا، تو آپ کو بذریعۂ وحی بتایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عتاب ہے۔ اور میرے نزدیک یہ عتاب دارِ دنیا کے ساتھ خاص ہے کہ جو بھی یہاں آئے گا اسے یہ عتاب ہوگا اور وہ اس میں مبتلا ہوگا، اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کر کے دارِ دنیا کو چھوڑ دے گا وہ اس سے خلاصی پائے گا۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجرۂ ممنوعہ سے دانہ کھا لیا، جس سے آپ کو قضائے حاجت پیش آئی تو ندا آئی کہ یہاں سے اتر جاؤ، کیوں کہ یہ گندگیوں کی جگہ نہیں ہے، ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں اس کی گنجائش ہو، حضرت آدم علیہ السلام اس سے قبل اپنے ستر کو نہیں جانتے تھے، اس قصے کے بعد آپ کو اپنے ستر کے بارے میں پتا چلا، جس کی جانب قرآن میں اشارہ ہے۔ پھر نماز اور روزوں کی قضا کے درمیان فرق ہے، جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔

جان لیں کہ عام فقہائے کرام کے نزدیک نماز کے لیے طہارت شرط ہے، نیز فقہائے کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ بعض مناسک حج میں طہارت واجب ہے اور بعض میں سنّت ہے۔ جیسا کہ ستر پوشی عام احوال میں فرض ہے مگر وہ شرائط صلوٰۃ اور واجباتِ حج میں سے بھی ہے، چنانچہ فقہائے کرام نے اِن دونوں عبادتوں میں طہارت کا اعتبار کیا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ طہارت روزے میں بھی معتبر ہے، لیکن اس پر کسی نے تنبیہ نہیں کی ہے، تمام عبادتیں طہارت ہی سے کامل ہوتی ہیں، جو بھی طہارت میں کوتاہی کرے گا اس کی عبادت میں کمی رہے گی، جنبی کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: "لَا صَوْمَ لَهُ"، نیز پچھنہ لگوانے والے کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ "أَفْطَرَ الحَاجِمُ وَالمَحْجُوْمُ" دونوں اسی پر محمول ہیں۔

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ یہ کوتاہی نظر معنوی کے اعتبار سے ہے، فقہی نظریے کے مطابق کوتاہی نہیں ہے، کیوں کہ فقہی نظریہ صرف احکام دنیا پر منحصر رہتا ہے۔ اس کی مثال روزے کی حالت میں غیبت کرنے کی ہے کہ وہ بھی معنوی افطار ہے، کیوں کہ یہ معنئ گوشت کھانا ہے، اگرچہ حسّی طور پر گوشت کھانا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدث جس طرح نماز کے مُنافی ہے اسی طرح روزے کے بھی مُنافی ہے، اگرچہ مُنافات کی دونوں جہتوں میں فرق ہے۔

❁ ❁ ❁

٨ - بَابٌ: تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: "لَا بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الْآيَةَ". وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا. وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ أَحْيَانِهِ. وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الْحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ". وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَأَ، فَإِذَا فِيهِ: "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَ ﴿يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ﴾......الْآيَةَ". وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "حَاضَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي". وَقَالَ الْحَكَمُ: "إِنِّي لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ". وَقَالَ اللهُ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ حائضہ عورت طوافِ بیت اللہ کے سوا دیگر تمام مناسک حج ادا کر سکتی ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حائضہ عورت آیت قرآنی پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جنبی کے لیے قرأتِ قرآن میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "ہمیں حکم تھا کہ حائضہ عورتیں بھی عیدگاہ کو آئیں اور مردوں کی طرح تکبیر کہیں اور دعا کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مجھے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہرقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ منگوا کر پڑھا، جس میں یہ مضمون تھا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، اے اہل کتاب! تم ایک ایسی بات قبول کرلو جو ہمارے اور تمھارے دمیان یکساں ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حالت حیض میں سِوائے طوافِ بیت اللہ کے دیگر تمام مناسک ادا فرمائے، نیز اس حالت میں آپ نماز نہیں پڑھتی تھیں۔ حضرت حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حالت

جنابت میں جانور ذبح کرتا ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''تم ان چیزوں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔''

۳۰۵ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: "مَا يُبْكِيكِ؟" قُلْتُ: "لَوَدِدْتُ وَاللهِ أَنِّي لَمْ أَحُجَّ الْعَامَ"، قَالَ: "لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟" قُلْتُ: "نَعَمْ". قَالَ: "فَإِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ، فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِي".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج ہی کے ارادے سے نکلے تھے، جب ہم مقامِ سَرِف تک پہنچے تو مجھے حیض آ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ میں رو رہی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! مجھے لگتا ہے کہ میں اِس سال حج نہیں کر پاؤں گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تمھیں حیض آیا ہے، میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ دی ہے، لہٰذا تم وہ تمام ارکان ادا کرتی رہو جو دیگر حجاج کرتے ہیں، مگر پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف مت کرو۔''



حائضہ اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حائضہ عورت اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنا مباح قرار دیا ہے۔

"وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ"......اس سے مُراد ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حائضہ اور جنبی کے لیے آیت قرآنیہ پڑھنے کے بارے میں امام کرخی اور اِمام طحاوی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، یہ دونوں حضرات ہم عصر ہیں، میرا خیال ہے کہ اُس وقت اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ عمر رسیدہ تھے، جب کہ اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نوجوان تھے۔ اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کے لیے ما

دون الآیۃ پڑھنا جائز ہے۔ جب کہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں۔

مادون الآیۃ پر قرآن کا اِطلاق ہوگا یا نہیں؟

میرے خیال میں اِمام طحاوی کا نظریہ یہ ہے کہ تحدی (قرآن کی نظیر پیش کرنے کے متعلّق کفّار کو چیلنج) جب آیت ہی کے بارے میں واقع ہے تو اعجاز بھی آیت ہی میں متصور ہوگا، مفردات میں نہیں، کیوں کہ مفردات تو لوگوں کی آپسی گفتگو میں بھی استعمال ہوتے ہیں، لہٰذا اِعجاز مفرادت کے بارے میں نہیں ہے اور اسی وجہ سے تحدی مفرادت کے بارے میں نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہم مفردات کو بھی ممنوع قرار دیں تو سِرے سے گفتگو پر ہی روک لگانا لازم آئے گا، اس لیے کہ قرآن کے مفردات اور لوگوں کے کلام کے مفرادت دونوں برابر ہیں، یہ بڑی حقیقت ہے جو اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملحوظ رکھی اور اس پر متنبہ فرمایا، آپ نے اس بات کی طرف توجّہ دِلائی کہ مادون الآیۃ اور مفردات کو قرآن نہیں کہا جائے گا، اور ان کا حکم قرآن کی طرح نہیں ہوگا، چنانچہ مادون الآیۃ کو پڑھنا اور چھونا جائز ہے، اگر اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانب رہنمائی نہ فرمائی ہوتی تو ہم حیران ہی رہتے اور یہ نہ جان پاتے کہ مادون الآیۃ قرآن ہے یا نہیں، بظاہر ذہن میں تو یہی آتا ہے کہ قرآن اپنے تمام اجزاء سمیت بشکل مجموعہ قرآن ہے، لہٰذا ہر لفظ قرآن شمار ہوگا، اور اِس صورت میں معاملہ مشکل ہوجاتا، تو اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس پر متنبہ فرمایا کہ مادون الآیۃ پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ وہ قرآن کا جز ہے۔

اور یہی مشکوٰۃ کی روایت کے معنیٰ ہیں جس میں قرآن کو اذکار پر فضیلت دی گئی ہے، حالانکہ اکثر اذکار قرآن کا جز ہیں، لہٰذا اذکار کو کلام اللہ کا جز قرار دیا گیا ہے، عین کلام اللہ نہیں قرار دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا اِعجاز مکمّل آیت پیش کرنے کے بارے میں ہے، اور چوں کہ کلماتِ مفردہ آیت کاملہ نہیں ہیں اس لیے وہ معجزہ شمار نہیں ہوں گے، اور وہ عین کلام اللہ نہیں ہیں، بلکہ کلام اللہ کا جز ہیں جن کا درجہ عین کلام اللہ جیسا نہیں ہے۔

ہمارے پاس اس کے متعلّق ایک اور تفصیل بھی ہے، وہ یہ کہ اگر آیت کو بطورِ تلاوت پڑھا جائے تو جائز نہیں ہے، اور اگر بطورِ ذکر پڑھا جائے تو جائز ہے۔ پھر آیت کے مضمونِ ذکر پر مشتمل ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔

علاوہ ازیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صلاۃ اللیل میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے قصے کا ایک ٹکڑا روایت فرمایا ہے، اور یہ قصہ سنن الدارقطنی میں تفصیل سے مذکور ہے، اس قصے میں اس بات کی دلیل ہے کہ جنبی کے لیے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے جب دیکھا کہ وہ اپنی ایک باندی کے ساتھ ہم بستر تھے، تو انھیں غیرت آگئی، پھر انھوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سویا ہوا دیکھا تو ان کے سینے پر بیٹھ گئیں اور انھیں قتل کی دھمکی

دی، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کی ہے، پھر آپ کچھ اشعار اِس انداز سے پڑھنے لگے جس سے ان کو لگے کہ یہ قرآن پڑھ رہے ہیں، اور آپ کی اہلیہ ناخواندہ تھیں تو ان اشعار کو قرآن سمجھ کر آپ کو چھوڑ دیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی جنبی کے لیے قرآن پڑھنا ممنوع تھا، حتیٰ کہ اِس مسئلے کو خواندہ اور ناخواندہ ہر ایک جانتا تھا۔

"وَلَمْ يَرَ ابنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا" ...... ہمارے دلائل وہ احادیث مرفوعہ ہیں جو اصحابِ سنن نے روایت کی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کرنے کے احوال:

"وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ"......بعض حضرات نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ اس سے مُراد ذکرِ قلبی ہے، لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ ذکرِ قلبی کو لغۃً ذکر نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ فکر ہے، اہلِ لغت جسے ذکر کہتے ہیں وہ صرف ذکرِ لسانی ہے، خواہ ذکرِ لسانی جہراً ہو یا سراً۔ اور میرے نزدیک اس کی مُراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام مختلف احوال میں ذکر کیا کرتے تھے، اس لیے کہ انسان کے احوال دو قسم کے ہیں: ایک حالِ متشابہ، اور دوسرا حالِ متوارِد، یعنی مثلاً بیٹھ کر اٹھنا، اٹھ کر بیٹھنا، مسجد میں داخل ہونا اور باہر نکلنا، اسی طرح بازار، گھر اور بیت الخلا میں داخل ہونا، باہر نکلنا، بستر پر آ کر سونا اور بیدار ہونا وغیرہ۔

اگر انسان کی حالت ایک ہی نوعیت کی ہو تو وہ حالِ متشابہ ہے، اور جب احوال یکے بعد دیگرے بدلتے رہیں تو وہ احوالِ متوارِدہ ہیں، لہٰذا یہاں "عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ" سے مُراد احوالِ متوارِدہ ہیں۔ اور احوالِ متوارِدہ کے اَذکار کتبِ حدیث میں تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں، ان اَذکار کے لیے مستقل تصانیف بھی ہیں۔ ورنہ علی الدوام ذکر کا تصوّر اور امکان انسان کے لیے مشکل ہے، کیوں کہ بیت الخلاء میں داخل ہونا بھی ایک حالت ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ ذکر کو چھوڑ کر دیگر گفتگو کر سکتا ہے، تو اب یہاں یہ کیسے صادق آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام احوال میں ذکر کرتے تھے، کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر کے سِوا دیگر تمام اعمال سے معطل تھے (نعوذ باللہ)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اذکار آپ کے احوالِ متوارِدہ کے ساتھ چلتے رہتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعاؤں کے احوال کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عام احوالِ متشابہہ میں بھی ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

یہاں یہ بھی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ "كَانَ يَذْكُرُ اللهَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر اللہ سے رُکتے نہیں تھے۔

عیدین کی نماز کے بعد دعا نہیں ہے:

"وَيَدْعُوْنَ"...... جان لیں کہ عیدین کی نماز کے بعد کوئی دعا نہیں ہے، اس لیے کہ اِس موقع پر نماز اور خطبے کے درمیان اتصال مطلوب ہے، یہاں دعا کو ثابت کرنے کے لیے اطلاق کو مستدل بنانا صحیح نہیں ہے، اِطلاق کو مستدل بنانے کی گنجائش اُس صورت میں ہوتی ہے جب کسی خاص موقع ومحل کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو، جب کہ عیدین کی نماز مسلسل نو سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی، جن میں کسی نے بھی بعد میں دعا کو نقل نہیں کیا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں اِطلاق سے دلیل حاصل کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ عیدین کی تکبیرات میں رفع یدین خصوصی طور پر عید ہی کی نماز میں ثابت ہے، لہٰذا اسے مکروہ قرار دینے کے لیے "مَا لِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ كَأَذْنَابِ خَيْلٍ شَمسٍ؟" کو بطورِ دلیل پیش کرنا غلط ہے۔ اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

"فَإِذَا فِيْهِ"...... کافر کو قرآن کی آیت لکھ کر بھیجنے کی گنجائش ہمارے نزدیک بھی ہے۔

"وَقَالَ الْحَكَمُ" ...... ہدایہ کے باب الاذان میں مذکور ہے کہ طہارت ہر ذکر کے لیے مستحب ہے۔ صاحب البحر الرائق اس بات کی جانب گئے ہیں کہ جن اعمال کے لیے طہارت شرط نہیں ہے ان کے لیے پانی ہونے کے باوجود تیمّم کرنا کافی ہے، جیسا کہ حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے لیے تیمّم فرمایا۔

ایک حکایت:

"وَلَا تَأْكُلُوْا"...... اِس سلسلے میں ایک حکایت ہے کہ علّامہ ابن سُریج شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں شوافع نے ایک جلسہ قائم کیا اور آپس میں پہلے سے یہ طے کرلیا تھا کہ جلسے میں ایک سائل مسئلۂ مصرّاۃ کے متعلّق سوال کرے، تاکہ مذہب احناف کی سطحیت ظاہر ہو، چنانچہ سوال کرنے والے نے سوال کیا تو علّامہ ابن سُریج رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اِس مسئلے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اختلاف ہے۔ اس کے بعد احناف نے اُن کے جواب میں ایک جلسہ منعقد کیا اور ان ہی کی طرح آپس میں پہلے سے ایک مسئلہ طے کرلیا، چنانچہ اس جلسے میں سائل نے اس مذبوح جانور کے متعلّق سوال کیا جس پر عمداً بسم اللہ چھوڑ دی گئی ہو، تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ اِس مسئلے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اللہ ربّ العزت کے درمیان اختلاف ہے۔ لا حول ولا قوة إلا بالله.



۹ - بَابُ الِاسْتِحَاضَةِ

۳۰۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟" فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ، فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي".

ترجمہ: یہ باب استحاضہ کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میں (مسلسل خون جاری رہنے کی وجہ سے) پاک نہیں ہو پا رہی ہوں، تو کیا میں نماز چھوڑ سکتی ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ رَگ کا خون ہے، حیض نہیں ہے، جب تمھیں حیض آئے تو نماز کو چھوڑ دو، پھر جب حیض کے بقدر دِن گزر جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھو۔"



حیض اور استحاضہ میں فرق:

لفظ استحاضہ حیض سے مشتق ہے تو پھر دونوں کے درمیان لغۃً فرق کیسے ہوسکتا ہے؟ اہل لغت "اسْتُحِيْضَتِ الْمَرْأَةُ" اس وقت بولتے ہیں جب خون زیادہ جاری رہے۔ پھر فقہاء اپنے احکام کے پیش نظر اُسے حیض یا استحاضہ قرار دیتے ہیں، اور حدیث لغت پر محمول ہوگی نہ کہ عُرفِ حادث پر۔ پھر حیض اور استحاضہ کے درمیان فرق کر پانا بہت ہی مشکل ہے، جو ماہر طبیب بھی نہیں کر پاتے، لہٰذا اس کے احکام میں گنجائش ضروری ہے۔

دو بنیادی عنوان:

اِس باب میں دو عنوان بنیادی ہیں: پہلا دِن اور رات کو شمار کرنا۔ اور دوسرا ہے حیض کا آنا اور ختم ہونا۔ پہلا عنوان

احناف کے موقف سے قریب ہے، کیوں کہ اس میں خون کی رنگت کا اعتبار کیے بغیر صرف عادت کے حوالے کرنا ہے، جب کہ دوسرا عنوان شوافع کے موقف سے قریب تر ہے، کیوں کہ اس میں رنگوں کے ذریعے تمیز کی جانب اشارہ ہے۔

اور میں نے سنن بیہقی سے یہ استفادہ کیا ہے کہ محدثین نے بھی دونوں عنوان میں فرق کو معتبر سمجھا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی منفرد راوی دونوں عنوانوں میں سے ایک کی جگہ دوسرے کو ذکر کرتا ہے تو یہ حضرات اسے غلط قرار دیتے ہیں، امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یہی طرز اپنایا ہے کہ ایک باب اِن الفاظ کے ساتھ قائم فرمایا: "بَابٌ في المرأةِ تُستحاضُ وَمَنْ قَالَ: تَدَعُ الصَّلاةَ في عِدةِ الأيام التي كانت تَحيضُ" پھر دوسرا باب اس طرح قائم فرمایا: "بَابُ من قال إذا أَقبلتِ الحيضةُ تَدَعُ الصَّلاَةَ" اور جس راوی نے ایک عنوان کی جگہ دوسرا ذکر کر دیا تو اسے راوی کا وہم قرار دیا گیا ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلّق مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے اِس فرق کو ملحوظ رکھا ہے یا نہیں۔

میرے خیال سے رواۃ دونوں عنوان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ایک کی جگہ دوسرا عنوان ذکر کر دیتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں گزر چکا۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الام'' میں دونوں کے درمیان فرق کی جانب گئے ہیں۔ پھر اگرچہ میں نے پہلے یہ کہہ دیا کہ پہلا عنوان مذہب احناف سے قریب تر ہے، لیکن مجھے بعد میں پتا چلا کہ اِس عنوان کا دار و مدار مسئلۂ تمیز کو باطل ٹھہرانا اور عادت کے مسئلے کا اعتبار کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف مقدار بیان کرنا ہے، یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اَیامِ حیض کو شمار کرنے میں تردّد کو اَیامِ عادت کے حوالے فرمایا ہے، چنانچہ عورت اپنی چھ یا سات دِن کی عادت کے مطابق اس کا اعتبار کرے گی، تو عادت کے حوالے کرنا مقدار بیان کرنے کے لیے ہے، مسئلۂ تمیز کو باطل قرار دینے کے لیے نہیں ہے، کتاب الغسل میں اس پر تفصیل سے کلام گزر چکا ہے، ہم نے یہاں دوسری مرتبہ کچھ تغیّر اور فوائد کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ "الجوهر النقي على سنن البيهقي" سے مراجعت فرمائیں۔



١٠ - بَابُ غَسْلِ دَمِ الْمَحِيضِ

٣٠٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، كَيْفَ تَصْنَعُ؟" فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّي فِيهِ".

ترجمہ: یہ باب حیض کا خون دھونے کے بیان میں ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے کھرچ دے، پھر اسے پانی سے دھو کر اس میں نماز پڑھ سکتی ہے۔"

٣٠٨ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ: عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ، ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا، فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلٰى سَائِرِهِ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا تو پاک ہونے کے بعد وہ کپڑے سے خون کو کھرچ دیتی، پھر اسے دھو لیتی اور پورے کپڑے پر پانی چھڑکتی، پھر اس کپڑے میں نماز پڑھتی۔

خونِ حیض کی ناپاکی پر پوری اُمّت کا اجماع ہے، اس کے باوجود یہاں لفظ "نَضْح" استعمال ہوا ہے، لہٰذا غور کریں۔

"سَأَلَتِ امْرَأَة" ...... اِس عورت کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔



١١ - بَابُ الِاعْتِكَافِ لِلْمُسْتَحَاضَةِ

٣٠٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ، تَرَى الدَّمَ، فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ. وَزَعَمَ أَنَّ عَائِشَةَ رَأَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ، فَقَالَتْ: كَأَنَّ هٰذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ".

ترجمہ: یہ باب مستحاضہ عورت کے اعتکاف کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی ایک زوجہ نے اعتکاف کیا اس حال میں کہ وہ مستحاضہ تھیں، انھیں خون نظر آتا تھا، بسا اوقات خون کی وجہ سے وہ اپنے نیچے پانی کی تشت رکھ دیتیں، راوی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کُسمبے کا (زعفرانی رنگ کا) پانی دیکھا تو فرمایا: ”گویا یہ وہی چیز ہے جو فلاں عورت دیکھتی تھیں۔“

٣١٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ، فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ، وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی ایک زوجہ نے اعتکاف کیا، جنھیں خون اور زردی نظر آتی تھی، وہ اپنے نیچے تشت رکھ کر نماز پڑھتیں۔“

٣١١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ بَعْضَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''امہات المؤمنین میں سے ایک نے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا تھا۔''



عورت کے اعتکاف کی جگہ:

ہمارے فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے، جماعت کی مسجد میں نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ افضلیت کا بیان ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عمل پسند نہیں آیا، بلکہ آپ نے ایک مرتبہ اُن ازواج کے خیموں کو ہٹا دینے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ کیا وہ نیک کام کرنا چاہتی ہیں؟

خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو اس کی رغبت نہیں دِلائی، پھر اگر ازواجِ مطہرات نے اپنی جانب سے یہ عمل کیا تو انھیں دِلجوئی کے لیے صراحۃً منع بھی نہیں فرمایا، گویا کہ اس میں کراہت کے ساتھ رضامندی تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسے عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا، لہٰذا درمختار میں جو کراہت کا لفظ ہے وہ میرے نزدیک مکروہِ تنزیہی پر محمول ہوگا، میں یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ ایک ایسا عمل جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو ثابت ہوا سے مکروہِ تحریمی قرار دوں۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مکروہ تحریمی کا ارتکاب جائز ہے؟

تعجب کی بات ہے کہ علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیۂ نسائی میں فرمایا ہے کہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جائز ہے، اس وجہ سے کہ آپ شارع ہیں، لہٰذا یہ عمل ان کے حق میں باعث ثواب ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ مکروہِ تحریمی کا ارتکاب ہمارے اور شوافع کے اتفاق کے ساتھ معصیت ہے، معلوم نہیں علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کیا مُراد ہے! اس مسئلے میں مذاہب کی تنقیح کے لیے علّامہ ابن رُشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے رجوع کریں۔

فائدہ: علّامہ مقبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ لوگوں نے حنفیہ کے بارے میں تعصب اپنایا ہے، علّامہ مقبلی رحمۃ اللہ علیہ یمن کے ایک جیّد عالم ہیں۔

"العُصْفُرْ" ......اس کا اردو ترجمہ ہے کُسمبا، یہ کشمیر میں اُگتا ہے تو زعفران بن جاتا ہے، اور زعفران ہندوستان میں اُگتا ہے تو وہ کُسمبا بن جاتا ہے۔



١٢ - بَابٌ: هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيهِ؟

٣١٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ، فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيقِهَا، فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ کیا عورت اس کپڑے میں نماز ادا کر سکتی ہے جس میں حیض آیا ہو؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "ہمارے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں حیض آتا، جب اسے کچھ حیض کا خون لگ جاتا تو اسے تھوک سے تر کر کے ناخن کے ذریعے کھرچ دیتیں۔"



محدثین نے ازواجِ مطہرات کے پاس متعدد کپڑے ہونے کا باب قائم فرمایا ہے کہ ان کے پاس حالت حیض کے کپڑے الگ اور طہر کے کپڑے الگ ہوتے تھے، لیکن اس حدیث سے آپ دیکھ سکتے ہو۔

"قَالَتْ بِرِيْقِهِنَّ"......اس سے معلوم ہوا کہ لعاب مطہر ہے، اس حدیث صریح سے ان لوگوں کی صراحۃً تردید ہو جاتی ہے جو حدیث پر عمل کا دعویٰ کر کے ہماری فقہ پر طعن کرتے ہیں۔



۱۳ - بَابُ الطِّيبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ

۳۱۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: أَوْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: "كُنَّا نُنْهَىٰ أَنْ نُحِدَّ عَلَىٰ مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَىٰ زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ، وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ، وَكُنَّا نُنْهَىٰ عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ". قَالَ: رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".

ترجمہ: یہ باب حیض کے غسل کے وقت عورت کے خوشبو لگانے کے بیان میں ہے۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں کسی بھی مرنے والے پر تین دِن سے زیادہ سوگ منانے سے روکا گیا تھا، سِوائے اپنے شوہر کے جس پر چار مہینے اور دس دِن کی گنجائش تھی، اس درمیان ہم نہ سُرمہ لگاتیں، نہ خوشبو لگاتیں اور پٹھے کے کپڑے کے سِوا کوئی رنگا ہوا کپڑا ابھی نہیں پہنتی تھیں۔ اور حیض سے پاک ہونے کے وقت جب ہم غسل کرتیں تو کچھ مقدار میں قُسطِ ہندی استعمال کرنے کی اجازت تھی، اور ہمیں جنازے میں شرکت سے روکا گیا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہشام بن حسان نے حضرت حفصہ سے، انھوں نے اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے، انھوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا ہے۔



"أَنْ نُحِدَّ عَلَىٰ مَيِّتٍ"...... اسی طرح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے شوہر کے علاوہ کے لیے بھی تین دِن سوگ منانے کو جائز قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مطلقہ عورت کو بھی سوگ منانے کی اجازت ہے، لیکن اس میں صرف ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری موافقت فرمائی ہے۔

"ثَوبَ عَصْبٍ" کی تشریح:

"ثَوبَ عَصْبٍ"...... اِس دور میں یہ دست یاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تشریح میں اختلاف ہے، اس کے لیے یاقوت حموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی ''معجم البلدان'' میں یمنی قبائل کے ذکر کے تحت دیکھیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ایک ایسا کپڑا ہے جو بانس کی لکڑی باندھ کر بنایا جاتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ بہت عمدہ اور قیمتی نہ ہو۔ جب کہ احناف وشوافع نے اسے ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جواز منسوب کیا ہے۔

فتح القدیر میں ''کافی حاکم'' سے منقول ہے کہ قصب (بانس والا کپڑا) مکروہ ہے، لیکن یہ نہیں معلوم کہ "القصب" یہ "عصب" کی تصحیف ہے یا کیا مسئلہ ہے؟ پھر میں اِس کے استثناء کے متعلّق سوچتا رہا کہ سستا اور معمولی ہونے کی وجہ سے یا عورتوں میں اس کا رواج ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت تھی۔

حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کپڑا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عُرف میں معمولی شمار ہوتا تھا اور اسی وجہ سے سوگ کے وقت پہننے کی اجازت تھی۔ عام طور پر علماء نے اِس کپڑے کی جو وضاحت کی ہے اس سے اس کا قیمتی ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے سامنے اس کی علت واضح نہیں ہوئی، حتیٰ کہ علّامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلے میں کوئی تشفی بخش کلام نہیں فرمایا۔

مجھے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ (عصب) پٹھے کا کپڑا خواہ قیمتی ہو یا سستا، پتلا ہو یا موٹا، سوگ میں اس کا پہننا اس وجہ سے جائز تھا کہ یہی اُس دور میں صحابیات کا لباس تھا، اگر انھیں اس سے بھی روک دیا جاتا تو حرج پیش آتی، کیوں کہ اس زمانے میں کپڑے کم ہوا کرتے تھے، تو گویا یہ اختلاف زمانے کے تغیّر پر مبنی ہے، نہ کہ دلیل پر۔

پھر نسائی شریف میں بعینہٖ اسی حدیث کے الفاظ میں استثنا کے بجائے "وَلَا ثَوْبَ عَصْبٍ" کے الفاظ وارِد ہیں، جس سے مُراد برعکس ہوجاتی ہے۔ معلوم نہیں کونسی مُراد صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ ہوسکتا ہے کہ نسائی شریف کی روایت میں بطورِ تصحیف "إِلَّا" حرفِ استثنا کی جگہ "لَا" ذکر ہوا۔

"کُسْت" ...... ایک قول یہ ہے کہ اسے قُسط کہا جاتا ہے جو کشمیر اور چین میں پایا جاتا ہے۔

"أَظْفَارٍ" ...... اور ایک نسخے میں "ظِفَارٍ" کا لفظ ہے، جو بحرین کے اطراف میں ایک بستی کا نام ہے۔ اگر لفظ "أَظْفَار" ہے تو یہ ایک قسم کی ناخن کی شکل کی نباتی خوشبو ہے جو عورتیں لگاتی تھیں، جس کا اردو ترجمہ ''نکھ'' ہوتا ہے۔

١٤ - بَابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَتَّبِعُ أَثَرَ الدَّمِ؟

٣١٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ، فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ، قَالَ: "خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ، فَتَطَهَّرِي بِهَا". قَالَتْ: "كَيْفَ أَتَطَهَّرُ؟" قَالَ: "تَطَهَّرِي بِهَا". قَالَتْ: "كَيْفَ؟" قَالَ: "سُبْحَانَ اللهِ، تَطَهَّرِي". فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ، فَقُلْتُ: "تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اپنے بدن کو رگڑ کر دھوئے اور غسل کیسے کرے اور مشک کا پھاہا لے کر اس سے خون کے اثر کو صاف کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیض کے غسل کے متعلق سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے غسل کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ ''تم مشک کا پھاہا لے کر اس سے طہارت حاصل کرو، اس عورت نے پوچھا کہ میں اس کے ذریعے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے ذریعے طہارت حاصل کرو، اس عورت نے پھر پوچھا کہ میں اس کے ذریعے کیسے طہارت حاصل کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حیا سے) فرمایا کہ سبحان اللہ، تم اس سے طہارت حاصل کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو اپنی جانب کھینچ کر کہا کہ مشک کا پھاہا خون کے نشانات پر لگاؤ۔''



امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رگڑنا شرط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہمارے نزدیک بھی مطلوب ہے۔

"فِرْصَةً"......یعنی روئی یا اون کا ٹکڑا۔

"مُمَسَّكَةً" ......ایک قول یہ ہے کہ یہ "مِسْك" سے مشتق ہے، اور ایک قول ہے کہ یہ "مَسْك" بمعنیٰ چمڑی سے مشتق ہے۔ اِس کو "مُمْسِكَةً" باب اِفعال سے بھی پڑھا گیا ہے، پہلے دونوں احتمال پر اشتقاق کا سوال ہوگا، اسے اپنی جگہ دیکھ لیں۔

"فَتَطَهَّرِيْ بِهَا" ...... اگر لفظ "مُمَسَّكَةً" "مِسْك" سے مشتق ہے تو اشکال یہ ہے کہ مشک کے ذریعے پاکی حاصل نہیں کی جاتی، بلکہ اس سے خوشبو لگائی جاتی ہے، اس لیے وہ عورت مشک کے ذریعے پاکی حاصل کرنے کا مطلب نہیں سمجھ پائیں۔ اور اگر یہ لفظ "مَسْك" سے مشتق ہو تو اشکال یہ ہے کہ وہ عورت پاکی حاصل کرنے کا طریقہ نہیں جانتی تھیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اپنی جانب کھینچ کر طریقہ سکھایا۔



١٥ - بَابُ غُسْلِ المَحِيْضِ

٣١٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: "كَيْفَ أَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيضِ؟" قَالَ: "خُذِي فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِي ثَلاَثًا. ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَحْيَا، فَأَعْرَضَ بِوَجْهِهِ، أَوْ قَالَ: "تَوَضَّئِي بِهَا". فَأَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا، فَأَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيدُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".

ترجمہ: یہ باب حیض کے غسل کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”ایک انصاری عورت نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں حیض کا غسل کیسے کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم مشک کا پھاہا لے کر تین مرتبہ وضو کرو۔“ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیا سے اپنا چہرۂ انور موڑ لیا، یا یہ فرمایا کہ اس سے پاکی حاصل کرو۔ تو میں نے اس عورت کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُراد سمجھائی۔“



"تَوَضَّئِيْ" ...... یہ وضائت سے مشتق ہے تو یہاں لغوی معنیٰ پر محمول ہوگا، کہ وضو امر شرعی ہے، اور طہارت امر حسی ہے جس کو شارع نے وضو سے تعبیر فرمایا ہے، کیوں کہ طہارت کی وجہ سے بھی روشنی یعنی چمک حاصل ہوتی ہے۔



١٦ - بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ

٣١٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "أَهْلَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ. فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ، وَلَمْ تَطْهُرْ حَتّٰى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ فَقَالَتْ: "يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذِهِ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، وَإِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ؟" فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: "انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَمْسِكِي عَنْ عُمْرَتِكِ". فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ، أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ، فَأَعْمَرَنِي مِنَ التَّنْعِيمِ، مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي نَسَكْتُ".

ترجمہ: یہ باب عورت کے غسل حیض کے وقت کنگھی کرنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ احرام باندھا، میں ان لوگوں میں سے تھی جنھوں نے تمتع کیا تھا اور ہدی ساتھ نہیں لے گئے تھے، فرماتی ہیں کہ انھیں حیض آ گیا اور عرفہ کی رات تک وہ پاک نہیں ہو پائیں تو انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! عرفہ کی رات شروع ہو گی، اور میں نے تو عمرے کا تمتع کیا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ ''تم اپنے سر کے بال کھول دو اور کنگھی کر لو اور عمرے سے رُک جاؤ، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، پھر جب حج مکمّل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن (بن ابی بکر رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا، تو انھوں نے مجھے تنعیم سے عمرہ کروایا اُس عمرے کے بدلے میں جس کا میں نے احرام باندھا تھا۔''



"فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ"......جان لیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے نکلے تو آپ نے لوگوں میں اس کا اعلان فرمایا، زمانۂ جاہلیت میں اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بُرا سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے

حج کا احرام باندھا، پھر جب آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو بتائیں کہ اب قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے تو لوگوں کو حج کا احرام کھول کر عمرہ کرنے کا حکم فرمایا، تو جن لوگوں کے پاس ہدی کا جانور ساتھ میں نہیں تھا انھوں نے حج کا احرام کھول دیا اور بغیر ہدی کے وہ متمتع بن گئے، لیکن جن لوگوں کے پاس ہدی کا جانور تھا انھوں نے ہدی کی وجہ سے اپنا احرام نہیں کھولا، اس سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ روایت میں جن رواۃ نے یہ ذکر کیا کہ "لَا نَرىٰ إِلَّا الحَجَّ" اور جنھوں نے تمتع کو ذکر کیا ہے ان میں حقیقۃً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پھر ہمارے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ متمتع عمرہ اور حج دونوں کو جمع کرتا ہے، بایں طور کہ وہ اولاً عمرے کے ارکان ادا کرتا ہے، پھر حج کے ارکان ادا کرتا ہے، پھر اگر وہ ہدی کا جانور ساتھ نہ لایا ہو تو عمرہ کے بعد احرام کھول دے گا اور یوم الترویہ کو حج کا احرام باندھے گا، اور اگر ہدی کا جانور ساتھ لایا ہو تو محرم ہی رہے گا، پھر یوم الترویہ کو حج کا احرام باندھے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلّق اِس بارے میں اختلاف ہے کہ آپ قارنہ تھیں یا مفردہ؟ چنانچہ احناف کہتے ہیں کہ آپ نے اولاً عمرے کا احرام باندھا تھا، جیسا کہ آئندہ روایت میں مذکور ہے: "وَكُنْتُ مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ" پھر جب انھیں حیض آگیا اور وقوفِ عرفہ کا وقت آنے تک پاک نہیں ہوئیں تو عمرہ ترک کیا اور حج کا احرام باندھ کر مفرِدہ بنیں، پھر حج سے فراغت کے بعد اپنے متروکہ عمرے کی جگہ عمرہ ادا کیا۔

"امتَشطِيْ" ...... یہ "مَشْط" سے مشتق ہے، "سَرَّحَ الشَّعَرَ" بولا جاتا ہے، جس کے معنیٰ ہیں بالوں کو کھول کر علاحدہ کیا اور کنگھی کر کے سیدھا کیا، تاکہ اس میں اُلجھاؤ نہ رہے۔ اور "امتَشَطَتِ المَرْأَةُ شَعَرَهَا" بولا جاتا ہے، یعنی عورت نے اپنے بالوں میں کنگھی کی۔ یہ صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا عمرہ ترک فرمایا تھا۔ شوافع نے اِس میں تاویل کی ہے کہ اس سے مُراد نرمی سے کنگھی کرنا ہے تاکہ بال ٹوٹنے نہ پائیں، اور یہ احرام کے مُنافی نہیں ہے۔ لیکن اس تاویل کی حقیقت آپ کے سامنے ہے، گویا کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم اس لیے فرمایا تاکہ شوافع کے مذہب پر زَد نہ آئے! درحقیقت یہاں کنگھی کرنے کے عُرفی معنیٰ ہی مُراد ہیں جس میں عادۃً کچھ بال ٹوٹتے ہی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اسی جیسے الفاظ سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا تھا، جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے۔

"وَأَمْسِكِيْ عَنْ عُمْرَتِكِ" ...... یہ الفاظ بھی ہمارے موقف سے قریب تر ہیں، جس کے معنیٰ ہمارے نزدیک عمرہ ترک کرنے کے ہیں۔ اور شوافع نے اس کے معنیٰ یہ بتائے ہیں کہ تم احرام کو باقی رکھتے ہوئے عمرے کے ارکان ادا کرنا چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں کہ جب تمھارے نزدیک قارِن کے لیے عمرے کے ارکان حج میں داخل ہیں تو عمرے کے

تمام ارکان حج کے بھی شمار ہوں گے، تو پھر ترک کا کیا مطلب ہوا؟ کیوں کہ ایک ہی طواف ہوگا اور ایک ہی سعی ہوگی جو حج اور عمرہ دونوں کی جانب سے شمار ہوگی، اور اِس صورت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان: "وَأَمْسِكِي عَنْ عُمْرَتِكِ" کا کوئی مصداق ہی نہیں رہے گا۔

"مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي نسَكْتُ" ...... اِس سے ہماری تائید ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ پہلے عمرے کے ترک کی جانب مشیر ہے، اور اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اِس عمرے کی جگہ دوسرا عمرہ کرنا پڑا۔ شوافع نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج میں داخل عمرے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتی تھیں اس لیے اُن کا اِصرار تھا کہ حج میں داخل عمرے کے علاوہ ایک عمرہ علاحدہ ادا کریں، تو اس سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دو عمرے ہوئے، ایک عمرہ وہ جو حج میں داخل تھا، اور ایک عمرہ وہ جو حج سے فراغت کے بعد ادا کیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اِصرار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمرہ بھی ان کے نزدیک حج میں داخل تھا، تو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح تھی تو پھر اِصرار کرنے اور پریشان ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔



۱۷ - بَابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعَرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيضِ

۳۱۷ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "خَرَجْنَا مُوَافِينَ لِهِلاَلِ ذِي الْحِجَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهْلِلْ، فَإِنِّي لَوْلاَ أَنِّي أَهْدَيْتُ لأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ. فَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ، وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "دَعِي عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِحَجٍّ. فَفَعَلْتُ حَتّٰى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ، أَرْسَلَ مَعِي أَخِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَخَرَجْتُ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِي". قَالَ هِشَامٌ: "وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ هَدْيٌ، وَلاَ صَوْمٌ، وَلاَ صَدَقَةٌ".

ترجمہ: یہ باب عورت کے غسل حیض کے وقت اپنے بال کھولنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ایسے وقت میں نکلے کہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے والا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جو عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ باندھ لے، کیوں کہ اگر میں بھی ہدی کا جانور ساتھ میں نہ لایا ہوتا تو عمرے کا احرام باندھ لیتا، چنانچہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عمرے کا اور بعضوں نے حج کا احرام باندھا، اور میں عمرے کا احرام باندھنے والوں میں سے تھی، پھر یومِ عرفہ آنے تک مجھے حیض جاری رہا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنا عمرہ ترک کردو اور اپنے بال کھول کر کنگھی کرلو، اور حج کا احرام باندھ لو۔ تو میں نے اسی طرح کیا، حتیٰ کہ لیلۃ الحصبہ (تیرہوی ذی الحجہ کی رات) کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ساتھ میرے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، جن کے ساتھ میں نے مقامِ تنعیم پہنچ کر وہاں سے پہلے چھوٹے ہوئے عمرے کے بدلے میں عمرے کا احرام باندھا۔" راوی ہشام فرماتے ہیں کہ "اِس میں کہیں بھی ہدی، روزہ اور صدقے کا ذکر نہیں ہے۔"

"قَالَ هِشَامٌ: "وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ هَدْيٌ وَلَا صَوْمٌ وَلَا صَدَقَةٌ" ...

اس میں اشکال ہے، اس لیے کہ دم کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، دونوں موقف کے اختلاف کی بنیاد پر یا تو دمِ قران واجب ہوگا یا عمرے کو چھوڑ دینے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ علاوہ ازیں خارج میں اس کی صراحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی جانب سے ایک گائے ذبح فرمائی تھی، شاید یہ روایت ہشام کو نہیں پہنچی اس لیے اس کی مختلف توجیہات کی گئیں۔

میری رائے یہ ہے کہ ہدی اس جانور کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کی نیت سے ساتھ لیا جائے، اس سے لفظی طور پر یہ معلوم ہوا کہ ہدی اس جانور کو کہا جاتا ہے جو اپنے گھر سے ساتھ لیا جائے، اس صورت میں نفی اس بات پر محمول ہوگی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لیا تھا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ لیا تھا، نفی ہدی کا جانور ساتھ میں ہونے کی ہو رہی ہے، ذبح کی نفی نہیں ہے۔ پھر متبادر یہی ہے کہ یہ ذبح حج کے دم کے طور پر تھا، لہٰذا اسے قربانی پر محمول نہیں کیا جائے گا، اس کو قربانی سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ ذبح قربانی کے دِنوں میں ہوا۔ حاشیے سے مراجعت کر لیں۔ واللہ اعلم۔



۱۸ - بَابٌ: ﴿مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ [الحج : ٥]

٣١٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا يَقُولُ: "يَا رَبِّ! نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ! عَلَقَةٌ، يَا رَبِّ! مُضْغَةٌ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ: أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَىٰ، شَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ، فَمَا الرِّزْقُ وَالْأَجَلُ؟ فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ".

ترجمہ: یہ باب اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ کے بیان میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے رحمِ مادر پر ایک فرشتے کو متعین فرمادیا ہے جو کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے، اے میرے رب! یہ دمِ بستہ ہے، اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتہ پوچھتا ہے کہ نَر ہوگا یا مادہ؟ بد بخت ہوگا یا نیک بخت؟ اس کا رزق اور موت کا وقت مقرّر کیا ہے؟ تو یہ باتیں انسان کے رحمِ مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہیں۔''[1]



گذشتہ ترجمۃ الباب "بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا" اس روایت کے لیے مناسب تھا، اور پہلے گزر چکا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان ابواب سے لغت بیان کرنا نہیں چاہتے بلکہ حکم کا بیان مقصود ہے، یعنی یہ کہ حیض اور نِفاس دونوں ایک ہی خون کے نام ہیں، چنانچہ جو خون حائضہ عورت کو ایامِ حیض میں آتا ہے اسے حیض کہا جاتا ہے اور جو خون حاملہ عورت کو ولادت کے بعد آتا ہے اسے نِفاس کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں علّامہ ابن بطال مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ دیکھیں جو بخاری کے قدیم شارح ہیں، اس شرح کا اہم فائدہ یہ ہے کہ علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی مذہب ذکر فرماتے ہیں تو ان تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے نام بھی ذکر فرماتے ہیں کہ جنھوں نے اس مذہب کو اختیار کیا ہو۔

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں سبقت قلم سے اِس باب کی تشریح بعد والے باب کے تحت ذکر ہوگئی ہے۔

"مُخَلَّقَةٍ"......یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اُس جنین کو صحیح سالم پیدا فرمائیں تو خونِ حیض کو اس کی غذا بنا دیتے ہیں، تو عورت اسے مکمّل بچّہ جنتی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہو کہ وہ بچّہ نا تمام پیدا ہو تو خونِ حیض کو اس کی غذا نہیں بناتے، جس سے وہ نا تمام رہتا ہے اور عورت اسے ادھورا جنتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام مراحل علم طب میں ذکر کردہ مراحل کے خلاف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہ مراحل علم طب میں بھی اسی طرح ہیں، جیسا کہ اَنطاکی نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔

تقدیر کی انواع:

اور جاننا چاہیے کہ تقدیر کی چند انواع ہیں، ان میں سے ایک تقدیر ازلی ہے، ایک تقدیر مُحدَث ہے، ایک وہ تقدیر ہے جو دنیا کے پیدا ہونے کے پچاس ہزار سال پہلے لکھی جا چکی تھی، ایک قسم وہ ہے جو لیلۃ البراءۃ میں طے ہوتی ہے، اور ایک قسم یہ ہے جو رحمِ مادر میں ہوتی ہے۔ اسے جان لیں۔



۱۹ - بَابٌ: كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟

۳۱۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ، وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَىٰ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهِ، وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ". قَالَتْ: "فَحِضْتُ، فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ، فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِي وَأَمْتَشِطَ، وَأُهِلَّ بِحَجٍّ وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ، فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ، حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّي، فَبَعَثَ مَعِيَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيمِ".

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ حائضہ عورت کس طرح حج اور عمرے کا احرام باندھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ہم حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم میں سے بعضوں نے عمرے کا اور بعضوں نے حج کا احرام باندھا تھا، جب ہم مکہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور ہدی ساتھ نہیں لایا ہے وہ حلال ہو جائے، اور جس نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور ہدی بھی ساتھ لایا ہے تو وہ اپنا ہدی کا جانور ذبح ہونے تک حلال نہ ہو، اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے وہ اپنا حج مکمّل کرلے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حیض آ گیا، تو یومِ عرفہ تک میں حیض کی حالت میں تھی، اور میں نے عمرے کا احرام باندھا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنے سَر کے بال کھول دوں، کنگھی کرلوں اور حج کا احرام باندھوں اور عمرہ چھوڑ دوں، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، حتیٰ کہ میں نے اپنا حج مکمّل کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنے چھوٹے ہوئے عمرے کی جگہ مقامِ تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کروں۔''

  

یعنی حائضہ عورت کے لیے احرام باندھنا جائز ہے، اس لیے کہ اس کی ممانعت نہیں ہے، اور حیض ممنوعاتِ احرام میں سے نہیں ہے۔

"مِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ" ......یعنی سفر میں نکلنے کی موجودہ حالت میں، اگرچہ یوم الترویہ کو حج کا احرام باندھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف عمرے کا احرام باندھا اور اُس سال مکہ پہنچنے کے باوجود حج نہیں کیا۔



۲۰ - بَابُ إِقْبَالِ الْمَحِيضِ وَإِدْبَارِهِ

وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلىٰ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِالدِّرَجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ، فِيهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ: "لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ". تُرِيدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ، وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ نِسَاءً يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ، فَقَالَتْ: "مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا". وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ.

ترجمہ: حیض کے آنے اور ختم ہونے کا بیان

کچھ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈِبیہ میں کُرسف (روئی) بھیجتی تھیں جس میں (حیض کی) زردی لگی ہوئی ہوتی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ "تم جلدی نہ کرو، جب تک کہ چونے جیسی سفیدی نہ دیکھ لو، اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مُراد حیض سے پاک ہونا تھی۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ عورتیں رات کے وقت طہر دیکھنے کے لیے چراغ منگواتی ہیں، تو فرمایا: عورتیں پہلے اس طرح نہیں کرتی تھیں اور انھوں نے ایسی عورتوں کے عمل کو معیوب قرار دیا۔

۳۲۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو خونِ استحاضہ جاری رہتا تھا، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ رگ کا خون

ہے، حیض نہیں ہے، لہٰذا جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو۔'' [1]



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت نہیں فرمائی کہ خون کے رنگ کے ذریعے تمیز معتبر ہے یا نہیں، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر روایت فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگ کے ذریعے تمیز کا اعتبار نہیں۔

"بِالدِّرَجَةِ" ...... اس کے معنیٰ ہیں ڈبیہ۔

"القَصَّةَ البَيْضَاءَ" ......اس کے معنیٰ ہیں قلعی، چونا۔

ایک اشکال اور جواب:

"وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ"......سوال یہ ہے کہ حیض منقطع ہوا یا نہیں یہ رات کے وقت دیکھنا فی نفسہٖ مطلوب ہے، تاکہ اگر خون منقطع ہو گیا ہو تو عورت نماز پڑھے، ورنہ نہ پڑھے، پھر اس کو عیب کیوں شمار کیا؟ علّامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کے لیے چراغ کی ضرورت نہیں ہے، صرف تَری کا احساس بھی کافی ہے۔

میری رائے میں یہ جواب مناسب نہیں، اس لیے کہ احساس کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو پائے گا کہ یہ شرمگاہ کی تَری ہے یا خونِ حیض کی؟ اس لیے چراغ کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب میرے ذہن میں آیا تھا، پھر میں نے علّامہ شاطبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں صراحت دیکھی کہ اُن عورتوں کے عمل کو معیوب قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورتیں ضرورت سے زیادہ گہرائی میں اتر رہی تھیں جس کا انھیں حکم نہیں تھا، کیوں کہ شریعت نے عورتوں پر اس درجے کی تنگی نہیں کی ہے، ان کو صرف یہی حکم ہے کہ وہ کُرسف کی تَری پر اکتفاء کریں، جب کہ انھیں اپنی عادت معلوم ہو، جیسا کہ فقہ میں مسئلہ ہے کہ عورت جب کُرسف رکھے اور صبح میں اس پر حیض کے خون کا کوئی اثر معلوم نہ ہو تو وہ عشاء کی نماز پڑھے، اس پر اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اگر کرسف ملوث دیکھے تو وہ خود کو حائضہ شمار کرے گی۔

تنبیہ:

یہاں یہ تنبیہ مناسب ہے کہ کتب فقہ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو جب معلوم ہو کہ وہ رات سے پاک ہو چکی تھی تو عشاء کی نماز کی قضا اس پر لازم ہے، اور یہ عورت عشاء کے وقت میں اُس نماز کو چھوڑ دینے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگی، اِس وجہ سے کہ عشاء کے وقت میں خونِ حیض کا بند ہونا معلوم نہیں ہوا تھا اور شریعت نے عورت کو اس سلسلے

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں اس باب کی تشریح بعد والے باب کے تحت ذکر ہوگئی ہے۔

میں گہرائی سے معلوم کرنے کا مکلّف نہیں بنایا ہے۔حیض اور معذور کے مسائل کے لیے "القنية" دیکھ لیں۔خلاصہ یہ ہے کہ چوں کہ شریعت نے عورت کو ہر وقت نگہبانی کا مکلّف نہیں بنایا ہے اور طہر کے معلوم ہونے پر نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، پھر وقت میں قضا ہو جانے پر وہ گنہگار بھی نہیں اس لیے ان عورتوں کے ایسے امور میں گہرائی میں اُترنے کو معیوب قرار دیا جن کا اللہ تعالیٰ نے انھیں مکلّف نہیں بنایا ہے۔



٢١ - بَابٌ: لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ

وَقَالَ جَابِرٌ وَأَبُو سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : "تَدَعُ الصَّلَاةَ".

٣٢١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَتْنِي مُعَاذَةُ: "أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَتَجْزِي إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ؟" فَقَالَتْ: "أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟" كُنَّا نَحِيضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ". أَوْ قَالَتْ: "فَلَا نَفْعَلُهُ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ حائضہ عورت نماز کی قضا نہ کرے۔

حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حائضہ عورت نماز چھوڑ دے۔

ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا ہم عورتیں حیض سے پاک ہونے کے بعد نماز کی قضا کریں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا تم حروریہ ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہمیں حیض آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نماز کی قضا کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا کہ ہم نماز کی قضا نہیں کرتی تھیں۔''



۲۲ - بَابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِي ثِيَابِهَا

۳۲۲ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "حِضْتُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْخَمِيلَةِ، فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي فَلَبِسْتُهَا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: "أَنَفِسْتِ؟" قُلْتُ: "نَعَمْ". فَدَعَانِي فَأَدْخَلَنِي مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ". قَالَتْ: "وَحَدَّثَتْنِي: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ، وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ".

ترجمہ: حائضہ عورت کے ساتھ سونے کا بیان جب کہ وہ اپنے حیض کے کپڑوں میں ہو۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''مجھے اس حالت میں حیض آیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چادر میں تھی، تو میں چپکے سے وہاں سے نکل گئی، پھر میں نے اپنے حیض کے کپڑے لے کر پہن لیے، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''تمھیں حیض آیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل فرمالیا۔ راویہ (حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نیز حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں بوسہ دیتے تھے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے سے ہوتے۔ نیز میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے غسل جنابت کرتے۔''



قرآنِ کریم کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ عورت سے بالکل قریب نہ ہوں، لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ مقصد واضح ہوجانے کے بعد قرآنِ کریم کے لفظی تقاضے پر عمل کس طرح کیا جائے گا، خاص کر جب کہ مناسبت ظاہر ہو، اور یہ کہ اس سلسلے میں بشکل مقدّمہ بحث ہونی چاہیے، کیوں کہ اس میں بہت سی رائے ہوسکتی ہیں، جیسا کہ آپ اِس مسئلے میں دیکھ سکتے ہیں، اس لیے کہ قرآنِ کریم کا لفظی تقاضا حائضہ سے علاحدہ رہنے اور قریب نہ ہونے کا ہے، حالانکہ مقصد ماتحت الازار سے دور رہنا ہے، مافوق الازار سے استمتاع مباح ہے، جیسا کہ احناف کے موقف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

فرمان: "لَكَ مَافَوْقَ الإِزَارِ" سے معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ لفظ اعتزال کا اثر بھی ظاہر ہے، اور ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ [البقرة : ۲۲۲] سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔تو یہ بحث ضروری ہے کہ کیا ایسے مواقع میں قرآن کے الفاظ پر عمل کیا جائے گا یا حدیث سے جو مقصد سمجھ میں آتا ہے اس پر عمل ہوگا؟



۲۳ - بَابُ مَنْ أَخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوىٰ ثِيَابِ الطُّهْرِ

٣٢٣ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيلَةٍ، حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي، فَقَالَ: "أَنَفِسْتِ؟" فَقُلْتُ: "نَعَمْ". فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت طہر کے کپڑوں کے سوا حیض کے کپڑے پہنے۔[1]



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اِس مقصد کے لیے متعدد کپڑے رکھنا اِسراف میں داخل نہیں ہے، جیسا کہ اس پر پہلے تنبیہ گزر چکی ہے۔



[1] اس روایت کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

٢٤ - بَابُ شُهُودِ الْحَائِضِ الْعِيدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلّٰى

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ حائضہ عورتیں عیدین اور اجتماعی دعا میں شریک ہوسکتی ہیں، لیکن نماز کی جگہ سے دور رہیں۔

ہمارے نزدیک بھی عورتیں عیدین میں حاضر ہوسکتی ہیں، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور عمدۃ القاری میں مذکور ہے کہ علّامہ سراج الدین بلقینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ یہ علّامہ علاء الدین مغلطائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

لیکن اس دور میں فتویٰ یہ ہے کہ جوان عورتیں جمعہ اور جماعات میں نہ نکلیں۔ اور یہی ہونا چاہیے، کیوں کہ ہر جگہ فساد، بے حیائی اور امورِ دین سے غفلت بڑھ گئی ہے۔ اصل مذہب کے مطابق حائضہ عورتوں کے لیے مسلمانوں کی اجتماعی دعا میں شامل ہونا جائز ہے، جیسا کہ عرفہ میں عورتیں حاضر ہوتی ہیں، لیکن عیدگاہ نہیں آئیں گی۔ اور یہاں دعا سے خطبہ کے دوران جو کلماتِ دعائیہ ہوتے ہیں وہ مُراد ہیں، اس لیے کہ عیدین کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ بھی کوئی دعا ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ابھی گزرا۔

بہت سے الفاظ اپنے لغوی معانی کے سِوا دیگر معانی میں اِتنے مشہور ہو جاتے ہیں کہ اصل لغوی معنیٰ سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے اور اصل لغوی معنیٰ کی طرف ذہن جاتا بھی نہیں ہے، مثلاً لفظ دعا، جو معروف ہیئت کے ساتھ دعا کرنے کے معنیٰ میں مشہور ہے، حالانکہ یہ اس کے اصل لغوی معنیٰ نہیں ہیں، اس کے لیے تو لفظ سوال موضوع ہے، اور دعا کے لغوی معنیٰ "پکارنے" کے ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ﴾ [الأعراف : ٥٥] نیز: ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ [الرعد : ١٤] اسے خوب جان لیں۔

قدیم زمانے میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں نہیں تھی، لیکن اِس دور میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہونی چاہیے، کیوں کہ عیدگاہیں بھی دیواروں کے اِحاطے کے ساتھ مساجد کے طرز پر بنائی جاتی ہیں، لہٰذا عورتوں کو عیدگاہ میں داخل نہ ہونا چاہیے۔

---

٣٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ: "كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ، فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ

عَنْ أُخْتِهَا، وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ، وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ، قَالَتْ: كُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمَىٰ، وَنَقُومُ عَلَى الْمَرْضَىٰ، فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ ﷺ: "أَعَلَىٰ إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟" قَالَ: "لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ". فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا: "أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَتْ: "بِأَبِي نَعَمْ"، وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ: "بِأَبِي"، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: "يَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ، أَوِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُورِ، وَالْحُيَّضُ، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّىٰ"، قَالَتْ حَفْصَةُ: "فَقُلْتُ: "الْحُيَّضُ؟" فَقَالَتْ: "أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا؟

ترجمہ: حضرت حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ فرماتی ہیں کہ ہم اپنی سیانی (مراہقہ) لڑکیوں کو عیدین میں نکلنے سے روکتی تھیں، پھر ایک عورت آئیں جنھوں نے بنو خلف کے محل میں قیام کیا، انھوں نے اپنی بہن کے واسطے سے حدیث سنائی، ان کے بہنوئی نبی پاک ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک رہے، اور ان کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ چھ غزوات میں شریک رہیں، ان کی بہن نے فرمایا کہ ''ہم زخمیوں کا علاج کرتیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتیں، تو میری بہن نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا کہ کیا اگر ہم میں سے کسی کے پاس اوڑھنے کی چادر نہ ہو تو باہر نہ نکلنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی سہیلی کو چاہیے کہ اپنی چادر اسے اوڑھائے اور خیر و مسلمانوں کی اجتماعی دعا میں شریک ہونا چاہیے۔ پھر جب اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ کے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، میرے والد آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ وہ جب بھی آپ ﷺ کا تذکرہ کرتیں تو "بِأَبِي" (میرے والد آپ ﷺ پر قربان ہوں) کہتیں۔ (آگے فرمایا:) میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''سیانی لڑکیاں اور اوڑھنی والی لڑکیاں، یا یہ فرمایا کہ سیانی اوڑھنی اوڑھنے والی لڑکیاں اور حائضہ عورتیں بھی باہر نکل سکتی ہیں اور انھیں مجالس خیر اور اجتماعی دعا میں شرکت کرنی چاہیے، لیکن حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے دور رہیں۔'' حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا: حائضہ عورتیں وہاں کیا کریں گی؟ فرمایا: ''کیا حائضہ عورتیں عرفہ میں اور فلاں فلاں جگہ حاضر نہیں ہوتیں؟''

  

"مُحَمَّد بن سَلاَم"...... یہ محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو علّامہ ابوحفص کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی ہیں، ان کے بھائی کو ابوحفص صغیر کہا جاتا ہے، ان کے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان دوستی تھی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جب جلاوطن کر دیا گیا تھا تو آپ نے ان کے یہاں قیام فرمایا تھا، نیز وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیے بھی بھیجتے تھے، اس کے باوجود احناف کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف حسب سابق ہی رہا۔

"نُدَاوِيْ الكَلْمىٰ"...... ''سیرۃ محمد بن اسحاق'' میں بھی اسی طرح صراحت ہے۔

"لِتُلْبِسْهَا"......اس سے معلوم ہوا کہ باہر نکلتے وقت عورتوں کے لیے چادر (برقع) اوڑھنا مطلوب ہے، اگر چادر نہ ہو تو وہ باہر نہ نکلیں۔ اور ''جلباب'' ایسی چادر کو کہا جاتا ہے جو سَر سے پیر تک بدن کو ڈھانپ لے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گھروں میں عورتیں اوڑھنی پہنیں گی اور باہر نکلتے وقت چادر پہنیں گی۔ اور حجاب کے سلسلے میں نازل دو آیتوں کی تشریح میں نے اسی معنیٰ کے مطابق کی ہے: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ [النور: ۳۱] اور دوسری آیت: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ [الأحزاب: ۵۹]

"العَوَاتِقْ" ......یعنی ایسی لڑکیاں جو قریب البلوغ ہوں۔ اصل لغت میں انھیں عواتق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت سے آزاد ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہل عرب اپنے عرف میں ان سے خدمت نہ لیتے ہوں۔

"الحُيَّض" ......یعنی جب عورتیں حائضہ ہوں تو وہ عیدگاہ آکر کیا کریں گی؟ تو علماء نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی شان وشوکت کے اظہار کے لیے وہ شرکت کریں گی۔



۲۵ - بَابٌ: إِذَا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿وَلا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِيٓ أَرْحَامِهِنَّ﴾ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَشُرَيْحٍ: إِنِ امْرَأَةٌ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضَىٰ دِينُهٗ: أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِي شَهْرٍ، صُدِّقَتْ. وَقَالَ عَطَاءٌ: "أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ". وَبِهٖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ. وَقَالَ عَطَاءٌ: "الْحَيْضُ يَوْمٌ إِلىٰ خَمْسَ عَشْرَةَ". وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ: "سَأَلْتُ ابْنَ سِيرِينَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قَرْئِهَا بِخَمْسَةِ أَيَّامٍ، قَالَ: "النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذٰلِكَ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کو ایک مہینے میں تین مرتبہ حیض آئے اور حیض کی ممکنہ مدّت وحمل سے متعلّق جن امور میں عورتوں کی بات مانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ ''عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپانا جائز نہیں۔'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر عورت اپنے خاندان کے ایسے قریبی لوگوں کی گواہی پیش کرے جن کی دینی حالت اچھی ہو کہ اسے ایک مہینے میں تین مرتبہ حیض آیا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔ اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''اس عورت کا حیض (طلاق سے) پہلے کی عادت کے مطابق شمار ہوگا۔'' یہی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے۔ نیز حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''حیض ایک دِن سے پندرہ دِن تک ہوسکتا ہے۔'' اور حضرت معتمر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے اس عورت کے متعلّق سوال کیا جو اپنے حیض کے پانچ دِن بعد پھر خون دیکھے۔'' تو فرمایا کہ ''عورتیں ہی اس کو اچھی طرح جانتی ہیں۔''

۳۲۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ قَالَ:

أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَتْ: "إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ؟" فَقَالَ: "لاَ، إِنَّ ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَكِنْ دَعِي الصَّلاَةَ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا، ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي".[1]

حیض کی اول مدت:

یہ ترجمۃ الباب کسی کے بھی مذہب کے مطابق درست نہیں ہے۔صرف ان حضرات کے مذہب کے مطابق ہے جو حیض کے بارے میں وقت کی تعیین نہیں کرتے ،مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔شوافع کے نزدیک حیض کی اقل مدّت ایک دِن ایک رات ہے،اور طہر کی اقل مدّت بالاجماع پندرہ دِن ہے، چنانچہ شوافع کے نزدیک اِس مطلقہ عورت کی عدت سینتالیس (۴۷) دِن سے کم نہ ہوگی، البتہ اگر ہم فرض کرلیں کہ شوہر نے اسے طہر کے آخری دِن طلاق دی تھی تو اِس عورت کو دوسرے دو طہر اور تین حیض کا انتظار کرنا ضروری ہے، اِس صورت میں بھی اس کی عدت تینتیس (۳۳) دِن سے کم نہ ہوگی۔

احناف کے نزدیک اقل حیض کی مدّت تین دِن ہے، لہٰذا اِس عورت کی عدت ان کے نزدیک انتالیس (۳۹) دِن سے کم نہ ہوگی، بایں طور کہ نو دِن حیض کے ہوں گے اور ایک مہینہ طہر کا ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ فتویٰ دونوں مذہب کے مطابق درست نہیں ہے۔جس کی بھی آنکھیں ہوں اسے اِس مسئلے میں خوب غور وفکر کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ اقل حیض اور اکثر حیض کے مسئلے میں بہت مؤثّر ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کے طرق کو جمع فرما کر اپنے مذہب کی تائید کے لیے سنن دارمی کی ایک روایت ذکر فرمائی ہے، جس میں ایک مہینے کے بجائے پینتیس (۳۵) دِنوں کا ذکر ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعویٰ فرما کر چین کی سانس لے لی کہ راوی نے یہاں کسر کو حذف کردیا ہے۔

میں جواباً کہوں گا کہ پانچ دِنوں کے حذف میں چشم پوشی ہوسکتی ہے تو مزید چار دِنوں کے بارے میں بھی یہ چشم پوشی معمولی ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ راوی نے نو دِنوں کو حذف کردیا، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

علّامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری طرح جواب دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ فتویٰ تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے، اس لیے کہ حرفِ شرط "إِنْ" محالات میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور اِس صورت میں حاصل یہ نکلے گا کہ اُس عورت کی بات تب ہی مانی جائے گی جب وہ اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو بطورِ گواہ پیش کرے، لیکن یہ محال ہے، کیوں کہ قاضی جانتے

[1] اس روایت کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

ہیں کہ اِتنی مدّت میں عدت کا مکمّل ہو جانا ممکن نہیں ہے، اور چوں کہ وہ زمانہ دین داری کا تھا اس لیے اُس عورت کے خاندان کے قریبی لوگ اس کے حق میں گواہی نہ دیتے، لہٰذا اِس ایک مہینے کی مدّت کے بارے میں اس عورت کی تصدیق بھی ممکن نہ ہوگی۔ اِس جواب کی حقیقت آپ کے سامنے ہے۔

علاوہ ازیں فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ خصومت کے وقت عورت کی تصدیق دو مہینے سے کم میں نہیں کی جائے گی، جیسا کہ الدر المختار کے باب الرجعۃ میں مذکور ہے۔ اور اِس مسئلے کی تخریج میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ تین حیض گزرنے کے لیے ایک مہینہ ہوگا، اس وجہ سے کہ حیض کی اکثر مدّت دس دِن ہے، اور دوسرا ایک مہینہ دو طہر کے لیے ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حیض کے لیے درمیانی مدّت یعنی پانچ دِن شمار کیے جائیں گے، اقل و اکثر مدّت نہیں، لہٰذا پندرہ دِن حیض کے ہوں گے اور بقیہ ایام طہر کے ہوں گے۔

اور دو مہینے سے کم میں عورت کی تصدیق نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت نے اپنی عدت ختم ہونے کا دعویٰ کیا اور شوہر نے اس کا انکار کیا تو طرفین کی رعایت ضروری ہے، لہٰذا ہم نے اقل مدّت کے بجائے یقینی بات کو اختیار کیا، اور اس لیے کہ عدت میں قضا داخل ہوتی ہے، خصوصاً خصومت کے وقت، اور عدت سے بہت سے احکام متعلّق ہوتے ہیں، کہ عورت عدت ختم ہونے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ عورت نے اپنے حیض کو کم شمار کر کے جھوٹا دعویٰ کیا ہو، نیز ایک مہینے میں مکرّر حیض کا آنا بھی نادر الوقوع ہے، اس لیے قاضی اقل مدّت پر محمول نہیں کرے گا، چنانچہ دو مہینے سے کم میں عورت کی بات نہیں مانی جائے گی، تاکہ عدت یقینی طور پر مکمّل ہو سکے۔

اور مالکیہ نے بھی بعینہٖ اسی طرح کیا ہے، ان کے نزدیک حیض اگرچہ ایک گھڑی کے لیے بھی آ سکتا ہے، لیکن عدت کے باب میں انھوں نے احتیاطاً مدّت مقرّر کی ہے، تو جب تک معاملہ عورت کا اپنا ذاتی ہو یعنی نماز اور روزہ وغیرہ میں مالکیہ نے معاملہ عورت کی رائے کے حوالے کیا ہے، لیکن جب عدت کے ساتھ حق عبد متعلّق ہو تو وہاں مدّت کی تعیین کی ہے، جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

اور میں اس میں اپنی جانب سے تصرف کرتے ہوئے کہوں گا (اگرچہ یہ کسی نے لکھا نہیں ہے) کہ اگر میاں بیوی کے درمیان خصومت واقع نہ ہو اور اس حال میں عورت انتالیس (۳۹) دِنوں میں عدت ختم ہونے کا دعویٰ کرے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اور جو مسئلہ (دو مہینوں سے کم میں عورت کی تصدیق نہ کیا جانا) متون میں مذکور ہے وہ میرے نزدیک یقیناً قضا کا مسئلہ ہے، کیوں کہ فقہائے کرام نے جب حیض اور طہر دونوں کی اقل و اکثر مدّت کو متعین کیا اور اس کو ایک ضابطہ کلیہ بنایا،

پھر اگر ہم عدت کے باب میں اس کا اعتبار نہ کریں تو دونوں مسئلوں میں تناقض ہو جائے گا، اس لیے کہ اقل و اکثر کی تحدید سے یہ لازم ہوگا کہ عورت کے عدت ختم ہونے کے دعوے کی تصدیق کی جائے، بشرطیکہ اتنی مدّت میں عدت مکمّل ہونے کا امکان ہو۔ اور دو مہینوں سے کم میں عورت کی تصدیق نہ کیا جانا اِس تحدید کو لغو قرار دے گا۔ اسی وجہ سے میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ کتب فقہ میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ قضاءً ہے، نہ کہ دیانۃً۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دو مہینوں سے کم میں عورت کی تصدیق نہ کیے جانے کا مدار ایک مہینے میں تین حیض کے عدمِ امکان پر یا مذکورہ تحدید کے عدمِ اعتبار پر نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار نزاع کے وقت جانبین کی رعایت کرتے ہوئے تصدیق نہ کرنے پر ہے، اگرچہ عدت کا مکمّل ہونا بایں طور ممکن ہے کہ نو دِن حیض کے شمار کیے جائیں، کیوں کہ حیض کی اقل مدّت تین دِن ہے، اور ایک مہینہ دو طہر کے لیے شمار کیا جائے۔ اور اِس صورت میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے میں ایک مہینے کی مدّت یہ کسر کی نفی نہیں بلکہ دو مہینوں کی نفی ہے، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ کسر پانچ دِن کا ہو، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے، یا نو دِن کے کسر کا بھی امکان ہے، جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ یہاں آپ کو یہ وہم نہ ہو کہ یہ تو صرف تعبیر وتقریر میں تصرف ہے، مسئلے میں کوئی تبدیل نہیں۔ میں نے بہت سے مواقع میں یہ روِش اپنائی ہے۔

"وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ" ......یعنی حمل اور حیض سے متعلّق امور میں جہاں اُس مدّت میں حیض کا ختم ہونا ممکن ہو عورتوں کی بات مانی جائے گی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾ [البقرۃ: ۲۲۸]

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے رحم کی حقیقت چھپانے سے روکا ہے، اور اگر عورتوں کی بات کا اعتبار ہی نہ ہوتا تو انھیں روکنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، چنانچہ جب عورتوں کو روکا گیا تو ان کی بات کا اعتبار کیا جانا ضروری ہے، اِلا یہ کہ عورتیں بداہت کے خلاف اِتنی قلیل مدّت میں عدت ختم ہونے کا دعویٰ کریں جو ممکن نہ ہو، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقہ کی بات معتبر ہونے پر استدلال فرمایا ہے، جب کہ وہ ایک مہینے میں عدت ختم ہونے کا دعویٰ کرے۔

"وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَشُرَيْحٍ" ......شریح رحمۃ اللہ علیہ جب سے انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامزد فرمایا تھا قاضی تھے، ایک دِن ان کا گزر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اس مقدّمے میں فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین کی موجودگی میں فیصلہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، تم ہی فیصلہ کرو، پھر قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمایا جو اِس کتاب میں مذکور ہے، اور فتح الباری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے فیصلے کو درست قرار دیتے ہوئے بطورِ تحسین "قَالُوْنْ" فرمایا، اور رومی زبان میں لفظ "قَالُوْنْ" کے

معنیٰ ہیں: "أَحْسَنْتَ" یعنی آپ نے بہتر فیصلہ فرمایا۔

"مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا"......یعنی عورت کے خاندان کے خاص قریبی لوگ۔ آپ نے سن لیا ہے کہ یہ اثر احناف اور شوافع کے خلاف ہے۔ اور ان حضرات کے موقف سے قریب تر ہے جو حیض کے بارے میں مدّت مقرّر کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دارمی کی روایت کے مدّنظر یہ جواب دیا ہے کہ کسر حذف کر دیا گیا ہے۔ اور میں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ فیصلہ دیانت پر محمول ہے، لہٰذا یہ فیصلہ متونِ فقہ میں مذکور مسئلے کے خلاف نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دو مہینے سے کم میں عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ متون میں مذکورہ یہ مسئلہ قضا سے متعلّق ہے۔

بہر حال پانچ یا نو کے کسر کو حذف کرنا مان لیا جائے تو یہ بھی ظاہر ہے، اس میں احناف کے ساتھ نزاع کوئی تعصب پسند ہی کر سکتا ہے جو اس بات کو برداشت نہ کر پا رہا ہو کہ احناف کو ان کے رب کی جانب سے کوئی خیر نصیب ہو، علاوہ ازیں ایک مہینے کی مدّت کے بارے میں یہ فیصلہ دو مہینوں کی نفی ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

قاضی شریح کا فیصلہ دیانۃً تھا، نہ کہ قضاءً:

حاصل کلام یہ کہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ دیانۃً فرمایا ہے، قضاءً نہیں۔ اور اِس صورت میں مقصود یہ ہے کہ قضاءً جو دو مہینے کی مدّت تھی اس کا فیصلہ نہیں فرمایا، اور اسی وجہ سے راوی نے کسر کو حذف کر دیا اور ذکر نہیں کیا۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ شریح رحمۃ اللہ علیہ تو قاضی تھے، جس کا ظاہری تقاضا یہی ہے کہ آپ کا فیصلہ قضاءً ہونا چاہیے۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ قاضی پر ہمیشہ لازم نہیں ہے کہ اس کا فیصلہ قضاءً ہی ہو، بلکہ قاضی کو گنجائش ہے کہ جب خصمین آپس میں راضی ہوں تو دیانۃً فیصلہ کرے۔ جیسا کہ الدر المختار میں ہے کہ قاضی فتویٰ بھی دے سکتا ہے، اگرچہ وہ مجلسِ قضا میں ہو، اور یہی صحیح ہے۔

نیز طحاوی کے باب الصدقات الموقوفات میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، انھوں نے عطاء بن سائب سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلّق سوال کیا جس نے اپنا گھر دوسرے سے روک لیا تھا، حالانکہ وہ اس کا لڑکا تھا، تو قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں فیصلہ کرتا ہوں، فتویٰ نہیں دیتا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے انھیں قسم دی، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرّرہ فرائض میں روک نہ لگائی جائے۔ تو یہاں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً بہ تقاضائے دیانت فتویٰ دینے سے انکار فرما دیا، پھر جب آپ کو قسم دی تو فتویٰ دیا، چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی کو دیانۃً فیصلہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

"وَقَالَ عَطَاءٌ: أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ"...... یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ قدیم ہے، جیسا کہ النہایۃ میں ہے۔ اور آپ کا قولِ جدید مشہور ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقراء حیض کے معنیٰ ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"وَقَالَ مُعْتَمِرٌ"...... امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی مُراد سنن ابی داود سے تفصیلی مراجعت کے بعد واضح ہوتی ہے، امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یونس نے حسن سے روایت کیا ہے کہ جب حائضہ عورت کا خون بڑھ جائے، یعنی مسلسل آتا رہے اور اس کی عادت سے زیادہ ہوجائے تو وہ اپنے حیض کے ایک یا دو دِن تک رُک جائے، یعنی نماز اور روزہ چھوڑ دے، لہٰذا دو دِنوں تک یہ عورت ان کے نزدیک حائضہ ہے، پھر دو دِنوں کے بعد مستحاضہ شمار ہوگی۔ معتمر بن سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب عورت کے ایامِ حیض سے زائد پانچ دِن گزر جائیں تو اسے نماز شروع کر دینی چاہیے، تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ان دِنوں کو کم کرنے لگا حتیٰ کہ دو دن تک پہنچا تو فرمایا کہ جب دو دِن ہوں تو یہ حیض کے شمار ہوں گے۔ اور امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس سے عورتیں ہی اچھّی طرح واقف ہیں۔ یعنی ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایامِ عادت سے پانچ دِن زیادہ ہوجائیں تو اِس مسئلے کا کوئی جواب نہیں دیا، جب کہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو نقل کیا ہے اس میں ان دِنوں کو استحاضہ قرار دیا ہے اور دو دِنوں کو حیض شمار کیا ہے۔

مسئلہ استظہار:

مالکیہ کے نزدیک اس مسئلے کو استظہار کہا جاتا ہے، اور وہ یہ کہ عورت اپنے ایامِ عادت کے بعد تین دِنوں تک انتظار کرے، اگر اُن تین دِنوں میں خون آئے تو وہ ماقبل سے لاحق ہوکر حیض کا شمار ہوگا، ورنہ وہ مستحاضہ شمار ہوگی۔ جب کہ ہمارے نزدیک اگر خون دس دِنوں کے اندر ظاہر ہوا تو پورا مجموعہ حیض شمار ہوگا، اور اگر خون دس دِن سے زائد ہوجائے تو عورت اپنی عادت کے مطابق ایام کو حیض شمار کرے، تو ہمارے نزدیک اعتبار حیض کے دِنوں میں یا اس کے بعد خون ظاہر ہونے کا ہے، جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دِن یا ان کے بعد خون ظاہر ہونے کا اعتبار ہے۔

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خونِ حیض اور استحاضہ میں تمیز بہت ہی مشکل ہے، کیوں کہ دونوں ایک دوسرے سے مشابہ خون ہیں، اسی وجہ سے حیض کو استحاضہ سے علاحدہ کرنے میں اختلاف ہوا ہے، اور جن حضرات نے مدّت مقرّر کی ہے انھوں نے احکام جاری کرنے میں آسانی کو مدّنظر رکھا ہے۔ پھر یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جب خون عورت کے ایامِ عادت سے زیادہ ہوجائے، لیکن اگر ایامِ عادت پر خون بند ہوجائے تو اس کا جواب وہی ہے جو فقہ میں مذکور ہے۔

تنبیہ: بعض حضرات چوں کہ مالکیہ کے نزدیک مسئلۂ استظہار سے واقف نہیں ہیں اس لیے انھوں نے اس لفظ کو

طاء سے ''استطہار'' لکھا ہے، جو کہ غلط ہے۔

اِن مسائل مذکورہ سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اگر عورت انتظار کرے اور نماز نہ پڑھے، پھر اسے معلوم ہو کہ وہ پاک تھی اور حائضہ نہیں تھی، تب بھی اس مدّت میں نماز چھوڑنے کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں ہوگی۔ اور قرآنِ کریم نے اِس مسئلے کا مدار عورتوں کی رائے پر رکھا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ﴾ [البقرة: ۲۲۲] اس لیے کہ اِس باب میں عورتوں کی رائے معتبر ہے۔

تنبیہ: نیز جان لیں کہ علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے صاحب کنز کے اِس قول کی شرح میں خطا ہوئی ہے:

"وَلَا حَدَّ لِأَكْثَرِهِ، إِلَّا عِنْدَ نَصْبِ العَادَةِ فِي زَمَنِ الاستِمْرَارِ".

حالانکہ صحیح وہی ہے جو بدائع الصنائع اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ شاید اس میں غلطی متاخرین سے ہوئی ہے، مجھے ان کے اختیار کردہ موقف کی وجہ معلوم نہیں۔

"وَلٰكِنْ دَعِي الصَّلَاةَ قَدْرَ الأَيَّامِ" ......اس روایت میں وارِد لفظ "إِقْبال" اور "إِدبَار" پہلے گزر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ رواۃ اِن تعبیرات کو اہمیت نہیں دیتے، یہ صرف ان کا تفنن ہے کہ کبھی یہ لفظ ذکر کیا اور کبھی وہ۔ لیکن بعض محدثین نے ان تعبیرات کو اہمیت دے کر اس بنیاد پر رواۃ کی تغلیط بھی فرمائی ہے، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا۔



٢٦ - بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ

٣٢٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا".

ترجمہ: یہ باب ایامِ حیض کے سوا دیگر ایام میں زردی اور مٹیالے رنگ کے بیان میں ہے۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ہم (عہدِ نبوی میں) مٹیالے رنگ اور زردی کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔“



رنگوں کے ذریعہ دمِ حیض کی تمیز:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رنگوں کے ذریعے تمیز کو غیر معتبر قرار دیا، مگر آپ نے یہ قید لگائی ہے کہ ایامِ حیض کے سوا دیگر ایام میں رنگوں کا اعتبار نہ ہوگا، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ایامِ حیض میں رنگوں کا اعتبار ہوگا۔ پھر آپ نے حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر فرمائی، فرماتی ہیں کہ ”كُنَّا لا نَعُدُّ الكُدْرَةَ والصُّفْرَةَ شيئًا“ ”ہم عہدِ نبوی میں مٹیالے رنگ اور زردی کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔“

احناف نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے نزدیک عہدِ نبوی میں رنگوں کے ذریعے تمیز کرنے کا مسئلہ نہیں تھا، تو ہم تمام رنگوں کو حیض شمار کرتی تھیں۔

شوافع نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ ہم عہدِ نبوی میں رنگوں کے ذریعے تمیز کرتی تھیں، چنانچہ سُرخی اور سیاہی کو حیض شمار کرتی تھیں، لیکن مٹیالے رنگ اور زردی کو کچھ شمار نہیں کرتی تھیں، اس لیے کہ وہ خونِ استحاضہ ہے۔

اور تیسری تشریح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے کہ ہم ایامِ حیض کے سوا دیگر ایام میں رنگوں کا اعتبار نہیں کرتی تھیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایامِ حیض میں رنگوں کا اعتبار کرتی تھیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایامِ حیض اور ایامِ حیض کے سوا دیگر

ایام میں رنگوں کے دیکھنے کے درمیان فرق کیا ہے، یہ تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ہے۔ گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ من وجہٍ رنگوں کے ذریعے تمیز کے معتبر ہونے اور من وجہٍ اس کے معتبر نہ ہونے کے قائل ہیں۔

حاصل یہ کہ اس کلام کی تین تشریحات ہوسکتی ہیں: اوّل یہ کہ ہم مدّتِ حیض میں رنگوں کا اعتبار نہیں کرتے تھے اور تمام رنگوں کو حیض شمار کرتے تھے۔ البتہ ایامِ حیض کے سِوا دیگر ایام میں رنگوں کا اعتبار کرتے تھے۔ اور اِس تشریح کے مطابق اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رنگوں کے ذریعے تمیز کے معتبر ہونے اور نہ ہونے میں ہماری موافقت فرمائی ہے۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ ہم ایامِ حیض کے سِوا دیگر ایام میں رنگوں کو بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے، لیکن ایامِ حیض میں رنگوں کا اعتبار کرتے تھے، یہ تشریح شوافع کے مذہب کے مطابق ہے۔ اور تیسری تشریح یہ ہے کہ مطلقاً رنگوں کا اعتبار نہیں کرتے تھے۔



٢٧ - بَابُ عِرْقِ الاِسْتِحَاضَةِ

٣٢٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ: "هٰذَا عِرْقٌ". فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلاَةٍ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ استحاضہ رَگ کا خون ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو سات سال تک خونِ استحاضہ جاری رہا، تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس کے متعلّق پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں غسل کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ رَگ کا خون ہے، چنانچہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔''



یعنی استحاضہ رَحم کا خون نہیں ہے بلکہ رَگ کا خون ہے، جس کا نام "عَاذِل" ہے۔ میں کہتا ہوں کہ استحاضہ اگرچہ رَگ کا خون ہے اور حیض رَحم کا خون ہے، مگر اس کے باوجود دونوں میں ربط ہے جو احکام میں بھی ربط کا سبب ہے۔

"فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ" ...... ابوداود میں ہر نماز کے لیے غسل کرنے کی روایت مرفوعاً بھی مروی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور علّامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تکلیف مالا یطاق قرار دیا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کو علاج پر محمول فرمایا ہے، یعنی موجودہ حالت میں خون کی آلودگی کم کرنے کے لیے غسل کا حکم ہے، لہٰذا یہ عذر کم کرنے کے لیے ہے، طبّی علاج نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیک اس میں فعلاً جمع کرنا ہے۔ اگر یہ اشکال ہو کہ معذور کی طہارت تو تمھارے نزدیک خروجِ وقت یا دخولِ وقت سے ختم ہو جاتی ہے، پھر فعلی طور پر جمع کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

میں جواباً کہوں گا کہ ابوداود کی روایت میں ہے: "وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ" اِس درمیان وضو کر لے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ وہ اسی لیے ہے۔ باب المواقیت میں اس کی تحقیق آئے گی، اس لیے کہ یہ وضو میرے نزدیک دیگر ضرورتوں کے پیشِ نظر ہے جو اِس مدّت میں پیش آتی ہیں، وضو کا حکم اس لیے نہیں ہے کہ علی اختلاف الاقوال خروجِ وقت یا دخولِ وقت کی وجہ سے طہارت باطل ہوگئی، اگرچہ روایت کے الفاظ میں اس کا بھی احتمال ضرور ہے۔



٢٨ - بَابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ

٣٢٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ؟" قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا، أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ؟" فَقَالُوا: "بَلٰى"، قَالَ: "فَاخْرُجِي".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کو طوافِ زیارت کے بعد حیض آئے تو کیا کرے؟

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول! صفیہ بنت حُیی کو حیض آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید ان کی وجہ سے ہمیں رُکنا پڑے گا، کیا انھوں نے تمہارے ساتھ طوافِ زیارت نہیں کیا؟ ازواجِ مطہرات نے عرض کیا: کیوں نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تب تو انھیں نکلنا چاہیے۔''



"لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا"...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً یہ اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے طوافِ زیارت کرلیا ہے، پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ ان کا صرف طوافِ صدر باقی ہے۔

٣٢٩ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا حَاضَتْ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''حائضہ عورت کو طوافِ وداع کیے بغیر مکہ سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔''

۳۳۰ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ: "إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ"، ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: "تَنْفِرُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ".

ترجمہ: حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے فرماتے تھے کہ حائضہ عورت طوافِ وداع کیے بغیر نہیں جا سکتی، پھر میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جا سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔''



حائضہ عورت سے بالاجماع طوافِ صدر ساقط ہو جائے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسئلہ معلوم ہو جانے بعد اس جانب رجوع فرمایا، جیسا کہ آئندہ حدیث میں مذکور ہے۔



۲۹ - بَابٌ: إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً، وَيَأْتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ، الصَّلَاةُ أَعْظَمُ".

---

۳۳۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ زُهَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي".

ترجمہ: یہ باب مستحاضہ عورت کے طہر دیکھنے کے بیان میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''مستحاضہ عورت غسل کرے اور نماز پڑھے، اگرچہ ایک لمحے کے لیے بھی طہر معلوم ہو، اور جب وہ نماز پڑھ سکتی ہے جو کہ سب سے بڑی عبادت ہے تو اس کا شوہر بھی اس سے قریب ہوسکتا ہے۔''



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب حیض آئے تو تم نماز چھوڑ دو، اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون دھو کر نماز پڑھو۔''

انقطاعِ دم کے بعد عورت انتظار کرے یا غسل کر کے نماز پڑھے؟

یعنی جس عورت کو مسلسل خون آئے، پھر حسی طور پر منقطع ہو جائے تو کیا اس کے بعد وہ کچھ انتظار کرے گی یا غسل کر کے نماز شروع کر دے گی؟ اور حیض کے دوبارہ آنے کا انتظار نہیں کرے گی، اگرچہ دوبارہ آنا ممکن ہو؟ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مستحاضہ اسی وقت غسل کر کے نماز شروع کر دے، حیض کے دوبارہ آنے کا انتظار نہ کرے، پھر جب نماز جو کہ سب سے بڑی عبادت ہے وہ اس پر واجب ہوگئی تو اس کا شوہر بھی اس سے قریب ہوسکتا ہے، کہ یہ نماز

سے کم درجے کا عمل ہے۔ یہ اس بات کی جانب مشیر ہے کہ آیت کریمہ میں "تَطَهُّر" سے مُراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک غسل ہے۔ جب کہ احناف کے نزدیک غسل کے بقدر وقت کا گزرنا بھی غسل کے حکم میں ہے، چنانچہ عورت اتنا وقت گزر جانے کے بعد بھی شوہر کے لیے حلال ہوگی۔



۳۰ - بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا

۳۳۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ امْرَأَةً مَاتَتْ فِي بَطْنٍ، فَصَلَّى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ وَسَطَهَا".

ترجمہ: نفساء کی نمازِ جنازہ اور اس کے طریقے کا بیان

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ایک عورت کا بچّہ جننے کی وجہ سے انتقال ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درمیان میں کھڑے ہوکر اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔''

یعنی نفساء کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔



نماز جنازہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ:

اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "وَسُنَّتِهَا" کا اضافہ اس وجہ سے فرمایا کہ اِس حدیث میں صراحت ہے کہ "فَقَامَ وَسَطَهَا". اور ہمارے نزدیک نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ امام مَرد اور عورت دونوں کی نمازِ جنازہ میں سینے کے بالمقابل کھڑا ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جس جانب گئے ہیں وہ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "وَسَط" درمیان ہی میں کھڑے رہنے کے معنیٰ میں متعین نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ "وَسَط" سین کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ مروی ہے، اس لیے دونوں معنوں میں سے ایک متعین نہیں ہوگا، شوافع کے لیے لفظ "وَسَط" دلیل اس وقت بن سکتا ہے جب سین متحرک ہو، جو وسطِ حقیقی کے معنیٰ میں ہے، اِس صورت یہی ایک معنیٰ ہوں گے، لیکن اگر لفظ "وَسْط" میں سین ساکن ہو تو یہ وسطِ اضافی پر صادق آئے گا، جو کہ متعدد ہیں، اور یہی اس کے متحرک ہونے کے معنیٰ ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداود کی روایت مدّنظر رکھی ہو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک نمازِ جنازہ پڑھائی،

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اے ابوحمزہ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھاتے تھے جیسی آپ نے پڑھائی؟ فرمایا: جی ہاں۔'' اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کو سنّت سے تعبیر فرمایا۔ پھر ابوداود کی روایت کے الفاظ ہیں: "قَامَ عِنْدَ عَجِيْزَتِهَا" کہ آپ درمیان میں کھڑے ہوئے، جس سے مذکورہ تاویل بھی دفع ہوجاتی ہے اور جواب کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، کیوں کہ یہ بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔



۳۱ - بَابٌ

۳۳۳ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ قَالَ: حَدَّثنا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ اسْمُهُ الْوَضَّاحُ مِنْ كِتَابِهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ: سَمِعْتُ خَالَتِي مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّهَا كَانَتْ تَكُونُ حَائِضًا لَا تُصَلِّي، وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يُصَلِّي عَلَىٰ خُمْرَتِهِ، إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي بَعْضُ ثَوْبِهِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا کہ "آپ حالت حیض میں تھیں، نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں، اس حال میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی جگہ کے سامنے لیٹی ہوئی ہوتیں، دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چھوٹی سی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہوتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ فرماتے تو آپ کے کپڑوں کا کچھ حصّہ مجھے لگ جاتا تھا۔"



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب کا عنوان قائم نہیں فرمایا، اس لیے کہ یہ حدیث اس سلسلے کے سیاق سے متعلّق نہیں ہے، اگرچہ فی الجملہ مناسبت ضرور ہے۔ اس روایت میں حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ ہیں جو چھوٹی عمر کے صحابی اور کبارِ تابعین میں سے ہیں، آپ سے یہ روایت مروی ہے کہ "قِرَاءَةُ الإِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ".

"مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ" ...... اس سے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ مُراد ہے۔

لفظ "خمرہ" کی تحقیق:

"خُمْرَتِهِ" ...... یہ کھجور کی شاخوں سے بنی چھوٹی سی چٹائی ہے جس کے ذریعے سجدے کی حالت میں پیشانی مٹّی لگنے سے محفوظ رہے۔ روافض اس سے یہ سمجھے ہیں کہ یہ پیشانی ہی کے بقدر ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اہل لغت صرف اس کے

مقصد کو بیان کرتے ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسی پر منحصر ہو۔اس کو "خُمْرَۃٌ"اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کھجور کی شاخیں اس کے دھاگے کو چھپا دیتی ہیں۔اور ہندوستان میں ایک برادری کو''خمرہ'' کہا جاتا ہے جو چٹائی بناتے ہیں،تو عملی طور پر بھی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ''خمرہ'' وہ چٹائی ہے جس پر نماز پڑھی جاسکے، یہ صرف پیشانی کی مقدار پر منحصر نہیں ہے۔

نماز کو فاسد کرنے والی نجاست:

"أَصَابَنِيْ بَعْضُ ثَوْبِہٖ"......فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ نماز کو فاسد کرنے والی نجاست وہ ہے جس کو نمازی اٹھائے ہوئے ہو، جو نجاست نمازی اٹھائے ہوئے نہ ہو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔جیسا کہ فتاویٰ عالم گیری میں مذکور ہے کہ اگر کوئی جنبی شخص نمازی پر سوار ہو گیا جس کے کپڑے ناپاک ہیں،تو اگر نمازی اس شخص کو پکڑ لے تو نماز فاسد ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔اور''المنیہ''میں مذکور ہے کہ جب کپڑا اتنا کشادہ ہو کہ اس کے ایک کنارے پر حرکت دینے سے دوسرے کنارے پر حرکت پیدا نہ ہو، اگر اس کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہو،اور کسی نے اُس کپڑے کے دوسرے پاک کنارے کو لپیٹ کر نماز پڑھی تو نماز صحیح ہوگی ،اور اگر کپڑا اِتنا ہے کہ ایک کنارے پر حرکت دینے سے دوسرے کنارے پر حرکت پیدا ہو جاتی ہے تو نماز باطل ہوگی۔





كِتَابُ التَّيَمُّمِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِنْهُ﴾ [المائدة : ٦]

١ - بَابٌ

ترجمہ: تیمّم کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹّی سے تیمّم کرلیا کرو۔ پس (تیمّم یہ ہے کہ) اس (پاک مٹّی) سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔''

تیمّم کے معنیٰ ہیں کسی مہتم بالشان چیز کا قصد کرنا۔ اور "صَعِيْد" یہ "صُعُوْد" سے مشتق ہے، زمین کے اوپری حصے کو کہا جاتا ہے، خواہ اس میں روئیدگی کی صلاحیت ہو یا نہ ہو، اِس معنیٰ کے بیان میں صاحب قاموس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے، حالانکہ وہ لغت بیان کرنے میں بھی اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہیں، مگر یہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ شرح الزرقانی علی الموطا میں مذکور ہے کہ روئے زمین کو ''صعید'' اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین سے اوپر کی جانب اٹھنے والی چیز کے لیے انتہا ہے۔

دونوں آیتوں میں سے کونسی آیت تیمّم کے بارے میں نازل ہوئی؟

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ایسی مشکل ہے جس کا کوئی حل نہیں، اس لیے کہ معلوم نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں میں سے کونسی آیت مُراد لی ہے؟ علّامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ نساء یا سورۂ مائدہ والی آیت مُراد ہے۔ علّامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ نساء والی آیت مُراد ہے، کیوں کہ سورۂ مائدہ والی آیت کو آیت وضو کہا جاتا ہے، جب کہ سورۂ نساء والی آیت میں وضو کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مُراد ظاہر ہوگئی جو دیگر حضرات سے مخفی رہی ہے کہ اِس

سے مُراد بغیر کسی تردّد کے سورۂ مائدہ والی آیت ہے، اس لیے کہ عمرو بن الحارث کی روایت میں صراحت ہے: "فَنَزَلَتْ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة:٦] اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ترجمۃ الباب میں اسے ذکر فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے، اگرچہ علّامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اس سے مُراد سورۂ نساء کی آیت ہے اور اس پر انھوں نے یقین کا اظہار فرمایا ہے، لیکن ان کی مستدل روایت کی سند میں ربیع بن بدر ہیں جو ساقط الاعتبار ہیں۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

آیت تیمّم کی ایک الگ تفسیر:

﴿لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾...... جان لیں کہ یہ آیت کریمہ نماز کی تیّاری کرنے کے احکام کے بیان میں ہے، احکامِ مسجد کے بیان میں نہیں ہے جیسا کہ شوافع نے سمجھا ہے، اور نہ ہی اصالۃً نماز کے احکام کے بیان میں ہے جیسا کہ عامۃً احناف نے سمجھا ہے، چنانچہ شوافع کو مضاف مقدّر ماننا پڑا، انھوں نے کہا کہ آیت کے معنیٰ ہیں کہ ''تم نماز کی جگہوں یعنی مساجد کے قریب نہ جاؤ، سوائے یہ کہ تم راستے سے گزرنا چاہو، لہٰذا تمھارے لیے حالت جنابت میں گزرنا جائز ہے۔ نیز احناف کے اختیار کردہ موقف کی وجہ سے بے ترتیبی ہوجائے گی، اس لیے کہ انھوں نے "لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ" میں ادائے نماز کو مُراد لیا ہے، یعنی تم نماز مت پڑھو، اس پر بعد والا استثناء منطبق نہ ہوگا۔

میرے نزدیک یہاں اِتیانِ صلوٰۃ یعنی نماز کی تیّاری اور اس کے لیے مسجد کا رُخ کرنا مُراد ہے، ادائے نماز مُراد نہیں، یہ مسجد میں جماعت کی شکل کی طرح ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة : ٩] اور ﴿وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة : ٥٨] نیز فرمایا: ﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰی﴾ [التوبة : ٥٤] ان آیات میں نماز سے مُراد ادائے نماز نہیں ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''إذا أقيمَتِ الصَّلاةُ، فلا تَأتوها وأنتُمْ تَسعونَ'' (سن الترمذي، رقم:٣٢٧) ''جب نماز کے لیے تکبیر کہی جائے تو تم دوڑتے ہوئے مت آؤ'' اِس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب ہوگا کہ ''تم نماز کے لیے نشے اور جنابت کی حالت میں مت نکلو، سِوائے یہ کہ تم مسجد کی طرف جانے والے کسی راستے سے گزرنا چاہتے ہو، لہٰذا آیت میں مسجد کے اندرونی راستے سے گزرنا مُراد نہیں ہے بلکہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف جانے والے راستے سے گزرنا مُراد ہے۔

"إِلَّا عَابِرِي سَبِيْلٍ" ......اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے۔ علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں

تقریباً دس افراد کا شمار فرمایا ہے جو اپنے گھروں میں معطل ہو کر بیٹھے رہتے تھے، اس لیے استثناء کی ضرورت ہوئی اور فرمایا گیا کہ راستے سے گزرنا جائز ہے۔

"وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضىٰ" ......سورۂ مائدہ میں اس کا ذکر ہو جانے کے باوجود اسے یہاں دہرایا گیا، تاکہ سورۂ مائدہ کے حکم کے نسخ کا وہم دفع ہو جائے، کیوں کہ اگر ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ﴾ پر اکتفا کیا جاتا تو سورۂ مائدہ میں مذکور جنبی کے تیمّم کا حکم منسوخ ہونے اور صرف غسل واجب ہونے کا وہم پیدا ہو جاتا، چنانچہ تیمّم کے حکم کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں دہرایا گیا۔

یہ تکرار اسی طرح ہے جیسے روزے کی آیت میں یہ حکم مکرّر مذکور ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ [البقرة : ١٨٤] اس میں مفسرین پریشان ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق تفسیر کی، میں نے بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس آیت کے تحت لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کا شروع حصّہ رمضان کے متعلّق نہیں ہے بلکہ ایامِ بیض کے روزوں کے متعلّق ہے جو رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایامِ بیض کے روزوں کی فرضیت منسوخ فرمادی، چنانچہ اس پر تنبیہ کی ضرورت ہوئی کہ ایامِ بیض کے روزے اگرچہ منسوخ ہو گئے لیکن قضا کا مسئلہ حسب سابق باقی ہے، ورنہ ممکن ہے کہ کسی کو ایامِ بیض کے روزوں کے نسخ کی وجہ سے مسئلۂ قضا کے بھی نسخ کا وہم ہو۔ اس کی مزید وضاحت اپنی جگہ آئے گی۔

"أَوْ عَلىٰ سَفَرٍ" ......اس سے سفرِ شرعی مُراد ہے، چنانچہ قرآن نے راستے سے گزرنے اور سفر کے درمیان فرق کیا اور بتادیا کہ شریعت کی نظر میں سفر الگ چیز ہے اور راستے سے گزرنا الگ ہے۔ لہٰذا جن حضرات نے یہاں سفر کو مطلق رکھتے ہوئے اسے صرف لغوی معنیٰ پر محمول کیا اور اس کے لیے قصر اور اِفطار وغیرہ کے احکام ذکر کیے انھوں نے قرآن کے اشارے کو ملحوظ نہیں رکھا، اور اِس صورت میں تکرار کا اشکال بھی ختم ہو جائے گا۔

دونوں آیتوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت اگرچہ حدثِ اصغر کے بیان میں ہے لیکن اس کے تحت حدثِ اکبر کا حکم بھی شامل ہے، پھر دونوں کے بعد تیمّم کا ذکر ہے، لہٰذا جنبی کے تیمّم کے بارے میں یہ صریح نہیں ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس آیت میں تیمّم صرف حدثِ اصغر پر منحصر ہو، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب یہ منسوب ہے کہ آپ کو جنبی کے لیے تیمّم کے جواز میں تردّد تھا، اسی طرح یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب بھی منسوب ہے۔ جب کہ سورۂ نساء کی آیت میں چوں کہ شروع سے حدثِ اکبر کو بیان کیا گیا ہے اس لیے سورۂ نساء والی آیت حدثِ اصغر و اکبر دونوں کے لیے تیمّم کے جواز میں صریح شمار ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت کریمہ میں ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ سے مُراد میرے نزدیک اتیانِ صلٰوۃ یعنی نماز کے لیے تیّاری کرنا ہے، نیز اسی طرح میں سورۂ مائدہ کی آیت: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة: ٦] کے متعلّق کہتا ہوں کہ اس میں بھی قیام سے مُراد نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہنا نہیں، بلکہ نماز کے لیے مسجد کا رُخ کرنا مُراد ہے، یعنی جب تم نماز کے لیے اپنی مجالس چھوڑو تو اولاً وضو کرو، چنانچہ سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی دونوں آیتیں میرے نزدیک مسجد کی طرف آنے کے پس منظر میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ آیت کے دیگر اجزاء پر کتاب الوضو میں کلام ہو چکا ہے۔

---

٣٣٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ، أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ، انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي، فَأَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهِ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ، فَأَتَى النَّاسُ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالُوا: "أَلَا تَرٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ؟ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ"، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِي قَدْ نَامَ، فَقَالَ: "حَبَسْتِ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ، وَقَالَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي، فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلٰى فَخِذِي، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ أَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَتَيَمَّمُوا، فَقَالَ: أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ: "مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ! قَالَتْ: فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ، فَأَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ".

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تھے، جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش پہنچے تو میرا ایک ہار گُم ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے تلاش کرنے کے لیے رُک گئے اور دیگر لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رُک گئے، اور سب کا یہ پڑاؤ پانی کے قریب نہیں تھا، تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ عائشہ نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں کو ایسی جگہ روک لیا جہاں پانی بھی نہیں ہے، نیز لوگوں کے پاس بھی پانی کا ذخیرہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر سو

رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں کو ایسی جگہ روک لیا جہاں پانی نہیں ہے اور لوگوں کے پاس بھی پانی کا ذخیرہ نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خوب ڈانٹا اور جو کہنا تھا کہا اور وہ مجھے میری کوکھ میں کچوکے مارنے لگے، چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا اس لیے میں حرکت بھی نہیں کرسکتی تھی، چنانچہ صبح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور پانی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل فرمائی تو لوگوں نے تیمّم کیا۔ اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا: اے آلِ ابوبکر! یہ آپ کی کوئی پہلی برکت نہیں ہے (جو آپ کی وجہ سے اُمّت کو نصیب ہوئی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اس کے نیچے سے ملا۔''



"فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ" ......یعنی غزوۂ بنی المصطلق میں، جس میں واقعۂ اِفک پیش آیا تھا۔

"بِالْبَيْدَاءِ" ......اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تعیین میں سہو ہوا ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک علاقہ ہے۔

"مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ!" ......یعنی اس سے پہلے بھی بہت سی برکات کا سبب آپ لوگ بنے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''فَوَاللّٰهِ ما نَزَلَ بكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ، إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فيه خَيْرًا'' (صحيح البخاري، رقم:۳۳۶) ''اللہ کی قسم جب بھی آپ پر کوئی ناپسندیدہ مصیبت آئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں کے حق میں خیر و بھلائی کا سبب بنایا ہے۔ اور کتاب النکاح کی روایت میں ہے کہ ''فوالله! ما نزل بك أمر قط إلا جعل الله لك منه مخرجا. وجعل للمسلمين فيه بركة'' (صحيح مسلم، رقم:۳۶۷) اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے آپ کے لیے راہ نکالی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت پیدا فرمادی۔ اِس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ قصّہ واقعۂ اِفک کے بعد کا ہے اور مشہور ہونے کی وجہ سے ذہن بھی اسی طرف پہلے جاتا ہے، اگر ہم اس کو غزوۂ بنی المصطلق کا قصّہ قرار دیں تو اس کے ساتھ یہ قول منطبق نہیں ہوگا، اس لیے کہ واقعۂ اِفک اسی میں پیش آیا تھا۔

سوال کرنے والے کو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ یہ اشارہ واقعۂ اِفک کے علاوہ کسی اور قصے کی جانب کیوں نہیں ہوسکتا؟ لیکن یہاں واقعۂ اِفک کے سِوا دوسرا ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے جو مسلمانوں کے حق میں برکت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اُس مصیبت سے نجات کے بارے میں مشہور ہو۔

ہار گم ہونے کا واقعہ ایک ہے یا متعدد؟

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس غزوے میں دو مرتبہ ہار گم ہو گیا تھا، چنانچہ واقعۂ اِفک میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہار تلاش کرنے کے لیے گئیں اور قافلے سے پیچھے رہ گئیں، حتیٰ کہ قافلے والوں نے آپ کے کجاوے کو اٹھایا، اور اس زمانے میں عورتوں کا وزن ہلکا پھلکا ہوتا تھا، جس سے کجاوہ اٹھانے والوں کو لگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اندر موجود ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب لوگ چل پڑے، پھر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ آئے جنھوں نے انسانی شکل دیکھی اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دِن چڑھے قافلے تک لے کر آئے اور غلط خبریں پھیل گئیں۔ اور اِس قصے میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ہار تلاش کرنے کے لیے بھیجا تھا، جن کے امیر حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ تھے، ان کو ہار نہیں مل پایا تو وہ واپس ہوئے اور ہار انھیں اونٹنی کے نیچے سے ملا، پھر وہ لوگ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل پڑے اس حال میں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ جب دونوں واقعات میں تغایر ہے تو ضروری ہے کہ ہم دونوں واقعے الگ اور متعدد قرار دیں۔

میں کہتا ہوں کہ حقیقت یہی ہے، مگر اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ دونوں واقعے ایک ہی سفر میں پیش آئے، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں واقعات دو الگ الگ سفر میں پیش آئے، جس کی دو وجہیں ہیں:

اوّل یہ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طبرانی سے عباد بن عبداللہ بن زبیر کے طریق سے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، فرماتی ہیں کہ:

لَمَّا كَانَ مِنْ أَمْرِ عِقْدِي مَا كَانَ قَالَ أَهْلُ الإِفْكِ مَا قَالُوا، فَخَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ أُخْرَى فَسَقَطَ أَيْضًا عِقْدِي، حَتَّى حَبَسَ الْتِمَاسُهُ النَّاسَ، وَاطَّلَعَ الْفَجْرُ، فَلَقِيتُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ مَا شَاءَ اللهُ، وَقَالَ لِي: يَا بُنَيَّةُ فِي سَفَرٍ تَكُونِينَ عَنَاءً وَبَلاَءً وَلَيْسَ مَعَ النَّاسِ مَاءٌ، فَأَنْزَلَ اللهُ الرُّخْصَةَ بِالتَّيَمُّمِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَمَا وَاللهِ يَا بُنَيَّةُ إِنَّكِ لِمَا عَلِمْتُ مُبَارَكَةٌ.(المعجم الكبير للطبراني:ج ۲۳،ص:۱۲۱،۱۲۲،رقم:۱۵۹)

''جب میرے ہار کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا تو منافقین نے جھوٹی خبریں پھیلائیں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے غزوے میں نکلی، اس وقت بھی میرا ہار گم ہو گیا جس کو تلاش کرنے کے لیے لوگ رُک گئے، تو مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''بیٹی! تم ہر سفر میں لوگوں کے لیے مشقّت و مصیبت کا سبب بن جاتی ہو، چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے تیمّم کی رخصت نازل فرمائی، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا: ''تم برکت کا ذریعہ بنی ہو۔'' اس روایت کی سند میں راوی محمد بن حمید رازی کے بارے میں کلام ہے، میں کہتا ہوں کہ ان کا شمار حفاظ کے طبقے میں ہوتا ہے، لہٰذا میرے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

اور دوسری وجہ وہ روایت ہے جو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن لہیعہ سے، انھوں نے ابوالاسود سے، انھوں نے حضرت عروہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

أقبلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة له حتى إذا كنا بالمعرس قريبا من المدينة، نعست من الليل، وكانت علي قلادة تدعى السمط، تبلغ السرة، فجعلت أنعس، فخرجت من عنقي. فلما نزلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح، قلت: يا رسول الله خرت قلادتي من عنقي. فقال: أيها الناس، إن أمكم قد ضلت قلادتها، فابتغوها. فابتغاها الناس، ولم يكن معهم ماء، فاشتغلوا بابتغائها إلى أن حضرتهم الصلاة، ووجدوا القلادة، ولم يقدروا على ماء. فمنهم من تيمم إلى الكف، ومنهم من تيمم إلى المنكب، وبعضهم على جسده. فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنزلت آية التيمم. (شرح معاني الآثار، رقم:٦٦٨)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے سے واپس لوٹ رہے تھے، حتیٰ کہ جب ہم مدینہ کے قریب مقامِ معرس تک پہنچے تو مجھے رات کو نیند آ گئی، میں نے ایک ہار پہن رکھا تھا جسے ''سمط'' کہا جاتا ہے، یہ ناف تک لمبا تھا، میں جب سوئی تو ہار نکل گیا، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے اُتری تو عرض کیا: اللہ کے رسول! میری گردن سے ہار نکل کر گِر گیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تمھاری ماں کا ہار گم ہو گیا ہے، اسے تلاش کرو، لوگ ہار تلاش کرنے لگے اور کسی کے پاس پانی نہیں تھا، لوگ ہار تلاش کرنے میں مشغول رہے، یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا تب ہار ملا، کسی کے پاس پانی نہیں تھا، تو بعضوں نے ہتھیلی تک تیمّم کیا، بعضوں نے کندھوں تک اور بعضوں نے پورے جسم پر تیمّم کیا، یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی، پھر آیت تیمّم نازل ہوئی۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہار کے گم ہونے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے، اِس روایت کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں، لیکن روایت میں ان سے خلط اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے حافظے سے روایت کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ یہ روایت انھوں نے صحیفے سے کی ہے، اس لیے کہ یہ روایت انھوں نے ابوالاسود سے کی ہے جن کا صحیفہ ان کے پاس تھا،

چنانچہ جب یہ روایت صحیفے سے نقل کی ہے تو ان کا خلط مضر نہیں، اور جب دونوں روایتیں متعدد واقعے کے بارے میں صحیح ہیں تو دونوں قصوں کو متعدد قرار دینا ہمارے لیے آسان ہے۔

"يَطْعُنُ" ......اگر بضم العین پڑھا جائے تو یہ حسی طور پر ہاتھ وغیرہ کے ذریعے کچوکے مارنے کے معنیٰ میں ہے۔اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنوی طور پر طعنہ دینے کے معنیٰ میں ہے۔

"فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ"......اس سلسلے میں کلام گزر چکا کہ اِس سے مُراد سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔

---

۳۳۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ (ح). قَالَ وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ الْفَقِيرُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلىٰ قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً".

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی خصوصیات عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، مجھے من جانب اللہ ایک مہینے کی مسافت سے (دشمنوں کے دِلوں میں) رُعب کے ذریعے مدد کی گئی، میرے لیے ساری زمین نماز پڑھنے کی جگہ اور پاک قرار دی گئی، لہٰذا میری اُمّت کا کوئی بھی شخص جب نماز کا وقت ہو جائے تو کسی بھی جگہ نماز پڑھ لے، میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا، حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا، مجھے حقِ شفاعت دیا گیا۔ اور مجھ سے پہلے نبی بطورِ خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا، لیکن میری بعثت تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔''



"أُعْطِيْتُ خَمْسًا"...... یہاں عدد کا مفہومِ خاص کسی کے نزدیک معتبر نہیں، اس لیے آپ ﷺ کی خصوصیات اسی عدد میں منحصر نہیں ہیں، حتیٰ کہ علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کی خصوصیات کے بارے میں مستقل تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام ''الخصائص الکبریٰ'' ہے، اس میں انھوں نے آپ ﷺ کی سیکڑوں خصوصیات شمار کروائی ہیں۔

"جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ" ...... یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اِس اُمّت کے برخلاف امم سابقہ کے لیے اوقاتِ نماز میں گنجائش تھی لیکن نماز کی جگہوں کے بارے میں تنگی تھی۔ جب کہ ہمارے لیے اوقات کے متعلّق تنگی ہے اور نماز کی جگہوں میں گنجائش ہے۔ کتب سابقہ سماویہ میں ہماری اُمّت کا وصف یہ بیان ہوا ہے کہ ''ایسی اُمّت ہوگی جو سورج کے طلوع وغروب کا انتظار کرے گی۔'' چنانچہ ہماری نمازیں سورج کے احوال یعنی طلوع، غروب وغیرہ پر منقسم ہیں۔

سنن دارمی کی روایت میں ہے کہ ''يُصلُّونَ الصَّلاَةَ إِذَا جَاء وقْتُها ولَو كَانُوا عَلَى رَأسِ كُنَاسَةٍ'' (الدارمي، رقم:۷) ''آخری اُمّت کے لوگ کچرے کی جگہ پائیں گے تو اس میں بھی نماز پڑھیں گے۔'' میں کہتا ہوں کہ یہ طہارت کے مُنافی نہیں ہے، کیوں کہ یہ مبالغۃً کہا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُمّت کے لوگ اوقاتِ نماز کی پابندی کریں گے، اس لیے جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے گا نماز پڑھ لیں گے، اگرچہ کچرے کی جگہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "صَلُّوْا فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ" کے بھی یہی معنیٰ ہیں، تو بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے حکم کی وجہ یہ ہے، ماکول اللحم جانوروں کی لید پاک ہونے کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں، اس کی تفصیل گزر چکی ہے، اسے یاد رکھیں۔

امام مالک کے نزدیک پانی کبھی بھی مستعمل نہیں ہوتا:

"طَهُوْرًا" ...... اس سے مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ پانی کبھی بھی مستعمل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کا وصف ''طہور'' بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ [الفرقان : ٤٨] اور طہور ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو بار بار پاک کر سکے، اگر ہم کہیں کہ پانی مستعمل ہونے کے بعد خود تو پاک رہے گا لیکن پاک نہیں کر سکتا، تو اسے طہور کہنا درست نہ ہوگا۔ علّامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اس کا جواب دیا ہے۔ وہاں رجوع کریں۔

میرا جواب یہ ہے کہ علم صرف میں صیغۂ مبالغہ کے چار اوزان ہیں، جو وزن تکرار کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے وہ "فَعَّالٌ" کا وزن ہے، مثلاً "ضَرَّابٌ" اُس شخص کو کہا جائے گا جو بار بار مارتا ہو، جب کہ "فَعُولٌ" کا وزن قوت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا "طَهُوْر" ایسی چیز کو کہا جائے گا جو طہارت میں قوی ہو، وہ معنیٰ نہیں ہیں جو مالکیہ نے سمجھے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ" ...... احناف نے کہا ہے کہ یہ حکم عام کے ذریعے خاص کو ایک کر دینے کے قبیل سے ہے، لہٰذا یہ تخصیص کا فائدہ نہیں دے گا، اور حاصل یہ نکلے گا کہ مسجد اگر قریب ہے تو وہیں نماز پڑھنے کا

اہتمام مطلوب ہے، اور اگر مسجد قریب میں نہ ہو مثلاً حالت سفر میں، تو یہاں وقت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اسے خوب سمجھ لیں۔

کیا حضرت نوح کی بعثت عام تھی؟

"بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً...... یہاں یہ سوال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت بھی زمین میں بسے ہوئے تمام انسانوں کے لیے عام تھی، ورنہ تمام کو ہلاک نہ کیا جاتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮﴾[الإسراء : ۱۵] اس کا جواب علّامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے حق میں توحید کا حکم عام ہو، اگر چہ ان کی شریعت کے فروعی احکام کا اتباع عام نہ ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت زمین میں صرف قومِ نوح ہی آباد ہو، لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بطورِ خاص صرف قومِ نوح کی جانب ہوئی، اگر چہ اُن لوگوں کے سوا دوسری کوئی قوم آباد نہ ہونے کی وجہ سے صورۃً حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت عام معلوم ہوتی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ کتاب العلم میں گزر چکا کہ اگر چہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوتِ توحید عام تھی، لیکن یہ ان کے اختیار میں تھا، ان کے برخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین میں بسنے والے ہر انسان تک پیغام رسانی کا حکم ہے، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾[المائدة : ۶۷]



٢ - بَابٌ: إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَلَا تُرَابًا

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کوئی شخص پانی اور مٹّی دونوں نہ پائے تو کیا کرے؟

مسئلہ فاقد الطہورین:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فاقد الطہورین کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اور آپ کا مختار مذہب یہ ہے کہ وہ بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے، یہ شوافع کی اختیار کردہ وجوہ میں سے ایک وجہ ہے، جن کو اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاقد الطہورین مصلی کی مشابہت اختیار کرے گا، اور جب جس قدر پانی یا مٹّی پر قادر ہو قضا کرے گا۔ پھر یہ تشبّہ صرف رکوع اور سجدے میں ہوگا، قراءۃ میں نہیں۔ چوں کہ ہم نے حج اور روزے میں حکم جان لیا کہ حاجی کا حج جب فاسد ہوجائے تو وہ حاجی کی مشابہت اختیار کرے اور ارکان ادا کرتا رہے، اور رمضان میں حائضہ عورت جب دِن میں پاک ہوجائے، کافر شخص اسلام قبول کرے اور بچّہ بالغ ہوجائے تو ان کا حکم ہے کہ وہ روزے دار بندوں کی مشابہت اختیار کریں اور دِن کا باقی حصّہ کھانے پینے سے رُکے رہیں، تو ہم نے نماز کو بھی حج اور روزے کے ساتھ ملحق کر دیا اور کہا کہ جب کوئی شخص پانی اور مٹّی نہ پائے تو نماز کے وقت کے احترام میں نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے۔

---

٣٣٦ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَىٰ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: "أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجُلًا فَوَجَدَهَا، فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَصَلَّوْا، فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلَىٰ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ: "جَزَاكِ اللهُ خَيْرًا، فَوَاللهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ، إِلَّا جَعَلَ اللهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''انھوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار بطورِ عاریت لیا، جو گم ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو تلاش کرنے بھیجا، ان کو ہار مل گیا، پھر نماز کا وقت ہوگیا،

حالانکہ کسی کے پاس پانی نہیں تھا، تو انھوں نے نماز پڑھ لی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دی، تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل فرمائی۔ اس پر حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اللہ کی قسم جب بھی آپ کو کوئی ناپسندیدہ واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر کا ذریعہ بنا دیا۔''



"وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَصَلَّوْا" ......یعنی ان حضرات کے پاس پانی نہیں تھا، اور تیمّم کا حکم اب تک نازل نہیں ہوا تھا، لہٰذا یہ حضرات فاقدین طہورین تھے، تو انھوں نے نماز پڑھ لی، یعنی حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جو ہار تلاش کرنے گئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ فاقد الطہورین کے لیے نماز ادا کر لینا واجب ہے اور قضا لازم نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اُن حضرات کے عمل اور ان کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کے تبادر سے استدلال ہے، حالانکہ دونوں باتوں میں اشکال ہے۔ فاقد الطہورین کے لیے ترکِ صلوٰۃ کے بارے میں ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حالت جنابت میں نماز نہیں پڑھی۔ علاوہ ازیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذکور استدلال نادر الوقوع کو کثیر الوقوع پر قیاس کرنا ہے، کیوں کہ پانی نہ ملے ایسا بہت ہوتا ہے، جب کہ پانی اور مٹّی دونوں نہ ملیں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔



٣ - بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلَاةِ

وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ. وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ، وَلَا يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ يَتَيَمَّمُ. وَأَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مِنْ أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ، فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ، فَصَلَّى، ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِينَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، فَلَمْ يُعِدْ.

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب پانی نہ ملے اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو حالت اِقامت میں بھی تیمّم جائز ہے۔

یہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بیمار شخص کے نزدیک میں پانی ہو لیکن اسے پانی پہنچانے والا نہ ملے تو وہ تیمّم کر سکتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مقامِ جُرُف میں اپنے کھیت سے واپس آئے تو مِربد النعم (مدینہ سے باہر اونٹوں کے چرانے کی جگہ) میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، تو آپ نے نماز پڑھ لی، پھر آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو سورج بلندی پر تھا، پھر بھی آپ نے عصر کی نماز نہیں دہرائی۔



امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے کہ آپ حالت اِقامت میں تیمّم کے منکر تھے، کیوں کہ حالت اِقامت میں اکثر پانی مل جاتا ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ پانی نہ ملے۔

پیشاب کرتے ہوئے سلام و جواب:

جان لیں کہ اِس باب میں روایات کے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ تین واقعات ہیں، پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام کی رعایت کرے، اس لیے کہ ان میں آپسی تعارض ہے، جس پر مختلف مسائل کی بنیاد ہے، لہٰذا مسائل اخذ کرنے سے پہلے ان کا تحریر کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ واقعات متعدد ہیں یا ایک ہی واقعہ ہے جس

میں رواۃ کا اختلاف ہے؟ پھر ان روایات کے الفاظ میں راجح الفاظ کونسے ہیں؟ تا کہ وہ مسئلے کی بنیاد بن سکے۔

ان روایات میں سے ایک حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ایک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے اور ایک حدیث حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ میں ہے کہ ''أَقْبَلَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ مِن نَحْوِ بئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عليه'' ''ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔'' اس روایت میں پیشاب کے بعد سلام کرنے کا ذکر ہے، پیشاب کرتے ہوئے سلام کا ذکر نہیں ہے، نیز اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمّم کر کے سلام کا جواب دیا، اس روایت میں علت کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ''أَنَّ رَجُلًا مَرَّ ورَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلَّمَ يَبُولُ، فَسَلَّمَ، فَلَمْ يَرُدَّ عليه'' (صحيح مسلم، رقم:۳۷۰) ''اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس حالت میں سلام کیا جب آپ پیشاب کر رہے تھے، اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں سلام کا جواب نہیں دیا۔ طحاوی اور ابوداود کی اِس روایت میں ہے ''أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم تيمم ثم رد على الرجل السلام'' (سنن أبي داود، رقم:١٦) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمّم کر کے سلام کا جواب دیا اور اس کی علت بھی ذکر فرمائی۔

پھر یہ کہ سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب یا پاخانے سے فراغت کے بعد کیا گیا یا اسی حالت میں؟ اس میں بھی حدیث مختلف ہے، چنانچہ ترمذی، مسلم اور طحاوی کے ایک طریق میں ہے کہ سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیشاب کرتے ہوئے کیا گیا، جب کہ طحاوی کے دوسرے طریق میں اور ابوداود میں ہے کہ پیشاب یا پاخانے سے فراغت کے بعد کیا گیا۔

مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرما رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو سے فراغت تک جواب نہیں دیا، اس میں علت کا بھی ذکر ہے، طحاوی کے ایک طریق میں نیز اسی طرح ہے۔ جب کہ طحاوی کے دوسرے طریق میں اور ابوداود میں ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا کہ آپ پیشاب کر رہے تھے۔ پہلے طریق کے مطابق امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اذکار کے لیے طہارت کے شرط ہونے پر ہے، جیسا کہ آپ نے اس کو شوافع کے مذہب کے خلاف باب التسمیۃ علی الوضوء میں ذکر فرمایا ہے۔

اس پر علّامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اشکال فرمایا ہے کہ اس سے استحباب کی بھی نفی ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ ہمارے

مذہب میں مستحب ہے۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ یہ اشکال امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ پر وارد نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ صرف وجوب کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور فرمایا ہے کہ کسی زمانے میں اذکار کے لیے طہارت واجب تھی، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔
اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "بَابُ ذِكْرِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ وَالَّذِي لَيْسَ عَلىٰ وُضُوءٍ وَقِرَاءَتِهِمُ الْقُرْآنَ" میں ذکر فرمایا ہے کہ عبداللہ بن علقمہ بن الفغواء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَهْرَاقَ الْمَاءَ إِنَّمَا نُكَلِّمُهُ فَلاَ يُكَلِّمُنَا، وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَلاَ يَرُدُّ عَلَيْنَا، حَتَّى نَزَلَتْ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة: ٦](شرح معاني الآثار، رقم:٥٧١)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طہارت کے لیے پانی بہاتے اس وقت اگر ہم بات کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے بات نہیں کرتے تھے اور اگر ہم اس حالت میں سلام کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں سلام کا جواب نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة: ٦] اور جب وجوب منسوخ ہو گیا تو استحباب کا قائل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ طحاوی کی اس روایت کی سند میں ایک روای جابر جعفی ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔ اور طحاوی کا دوسرا طریق جس میں "وَهُوَ يَبُولُ" کے الفاظ ہیں، تو یہ دوسرا مسئلہ ہو جائے گا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوجہیم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ایک ہی قصّہ بیان ہوا ہے، کیوں کہ سنن دار قطنی اور کنز العمال میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قصے میں وہی ہے جو ان کی حدیث میں ہے، یعنی یہ کہ سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیشاب کرنے کی حالت میں کیا گیا تھا، اور حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قصّہ بیان کرنے میں تقدیم و تاخیر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بئر جمل کی جانب سے آنا پیشاب سے فراغت کے بعد اور سلام کے بعد ہوا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کر رہے تھے، اسی دوران وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور آپ کو سلام کیا، تو آپ نے جواب نہیں دیا، حتیٰ کہ پیشاب کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے تو آپ نے تیمّم فرما کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

البتہ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک دوسرا قصّہ ہے، اور اِس صورت میں حاصل یہ نکلا کہ یہ دو قصے ہیں، مگر یہ کہ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تردّد ہے کہ اس میں اذکار کے لیے طہارت کے شرط ہونے کا مسئلہ ہے یا پیشاب کرتے ہوئے سلام کا جواب نہ دینے کا مسئلہ ہے؟ کیوں کہ سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داود میں اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا، اور دونوں میں پیشاب کرنے کی حالت میں سلام کیے جانے کا ذکر ہے، اور سلام کا جواب تیمّم یا وضو کے بعد دیا گیا، ساتھ میں اس کی علت کا بھی ذکر ہے، اس پر یہ اشکال ہوگا کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم

کیوں کیا گیا؟ نیز بغیر طہارت کے ذکر کرنا مکروہ ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ صاحب البحر الرائق علّامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ امور جن میں طہارت شرط نہیں ہے ان میں پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا جائز ہے، اگرچہ علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے، لیکن میرے نزدیک درست موقف وہی ہے جو علّامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

رہا دوسرا مسئلہ (بغیر طہارت کے ذکر کرنا) تو اس کا حل یہ ہے کہ اگر اِن تمام واقعات کا مورِد ایک ہی مان لیا جائے اور یہ کہ اِن تمام واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیشاب کرتے ہوئے سلام کیا گیا تھا جیسا کہ مذکور ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "إِلَّا أَنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللهَ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ" کا مطلب ہے: "عَلٰى طُهْرٍ مِنَ الْبَوْلِ" یعنی پیشاب سے فراغت کے بعد جب کہ اس میں مشغول نہ ہوں، اور پیشاب کے وقت سلام کے قرینے کی وجہ سے تعلیل کا حاصل یہ نکلے گا کہ میں پیشاب میں مشغولی کے وقت ذکر اللہ پسند نہیں کرتا، اس لیے میں نے تمھارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اگرچہ روایت کے الفاظ عام ہیں، لیکن اس میں بھی دو طرح سے اشکال ہے:

اوّل یہ کہ ''العمدۃ'' میں طبرانی سے روایت ہے، جس میں کچھ زیادتی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کا پانی منگوا کر وضو فرمایا، پھر میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ میں بغیر وضو کے ذکر اللہ پسند نہیں کرتا۔'' اگر یہ زیادتی محفوظ ہے تو اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ ذکر اللہ کی کراہت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طہارت کی حالت میں نہ ہونے کی وجہ سے ہے، نہ کہ پیشاب میں مشغولی کی وجہ سے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ پیشاب سے فراغت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمّم یا وضو کر کے ہی جواب دیا ہے، تو اشکال پھر لوٹ آئے گا، اس لیے کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ" کے معنیٰ یہ مُراد لیں کہ پیشاب سے فراغت ہو جائے اور اس میں مشغول نہ ہوں، تو قول سے تو سبک دوشی ہو جائے گی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کو لے کر اشکال باقی رہے گا، کیوں کہ پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کا جواب طہارت کی حالت میں ہونا چاہیے۔

لیکن ''العمدۃ'' میں ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اِس حدیث کو معلول قرار دیا ہے، اس روایت کی وجہ سے جو مسند بزار میں سندِ صحیح سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم، وَهُوَ يُهْرِيقُ الْمَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ الرَّجُلُ فَرَدَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا رَدَدْتُ عَلَيْكَ السَّلَامَ أَنِّي خَشِيتُ

أَنْ تَقُولَ: سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَإِذَا رَأَيْتَنِي هَكَذَا فَلا تُسَلِّمْ عَلَيَّ فَإِنِّي لا أَرُدُّ عَلَيْكَ السلام. (مسند البزار، رقم:٥٩٨٤)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کررہے تھے، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے جواب دیا، جب وہ آگے جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا: ''میں نے تمہارے سلام کا جواب اس لیے دیا کہ کہیں تمھیں یہ نہ لگے کہ میں نے سلام کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جواب نہیں دیا، لہٰذا آئندہ اس حالت میں مجھے سلام مت کرنا، اگر کروگے تو میں جواب نہیں دوں گا۔'' چنانچہ اِس حدیث میں بہت ہی اضطراب ہے۔نصب الرایۃ میں دیکھ لیں۔

اس باب میں جو مجھے سمجھ میں آرہا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام پیشاب کرنے کی حالت میں کیا گیا تھا، اور آپ نے ایک مرتبہ تیمّم کرکے جواب دیا اور اس کے بعد کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بئر جمل کی جانب سے تشریف لائے، جیسا کہ حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا۔ جب آپ دونوں قصوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بئر جمل کی جانب سے تشریف آوری میں غور کروگے تو یہی فیصلہ ہوگا کہ یہ ایک ہی قصّہ ہے۔اب یہ اختلاف رہ گیا کہ حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ کی روایت میں بعد البول سلام کا ذکر ہے، جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں عند البول سلام کا ذکر ہے، تو اس سلسلے میں فیصلہ آسان ہے کہ یہ رُواۃ کے توسع پر محمول ہوگا۔اور یہ کہا جائے گا کہ وضو والا واقعہ وہ دوسرا ہے۔

پھر میرا خیال یہ ہے کہ سلام کا جواب فوراً دینا واجب ہے، اگر تاخیر ہوجائے تو جواب کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، مگر چوں کہ اس قصے میں تاخیر ایک شرعی مانع کی وجہ سے ہوئی، اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طہارت کی حالت ہی میں ذکر اللہ کا ارادہ فرمایا، اس لیے وضو یا تیمّم کے بقدر تاخیر پر محمول کیا جائے گا اور سلام کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساقط نہیں ہوا اور آپ کے لیے گنجائش رہی کہ وضو یا تیمّم کے بعد جواب دیں۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرمایا کہ:

انْتَهَيْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَهْرَاقَ الْمَاءَ، فَقُلْتُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ. فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَقُلْتُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ. فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَقُلْتُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيّ، فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي، وَأَنَا خَلْفَهُ، حَتَّى دَخَلَ رَحْلَهُ، وَدَخَلْتُ أَنَا إِلَى الْمَسْجِدِ، فَجَلَسْتُ كَئِيبًا حَزِينًا، فَخَرَجَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَطَهَّرَ، فَقَالَ: "عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ

وَرَحْمَةُ اللهِ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ. (مسند أحمد، رقم:١٧٥٩٧)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین مرتبہ سلام کیا، کسی کا بھی جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیا، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرے میں داخل ہوئے اور جلدی سے وضوفرمایا اور تین مرتبہ میرے سلام کا جواب دیا۔'' اِس روایت میں پیشاب کا اور علت کا ذکر نہیں ہے۔ اس روایت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جب سلام کا جواب فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور طہارت حاصل کرنے کی تیاری کر رہے ہوں تو طہارت کے بعد ہی سلام کا جواب دینا عزیمت کا تقاضا ہے۔ یہ روایت ابن کثیر میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ بیاضی ہیں جن کا تعلق بنو بیاضہ سے تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ عبدی (عبدالقیس کی جانب منسوب) ہیں۔

میرے نزدیک اِس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ ایسا ذکر جو وقت کے ساتھ خاص ہو، مثلاً "غُفْرَانَكَ" وغیرہ، اسے مطلقاً وقت ہی پر کیا جائے گا، لیکن جو ذکر وقت کے ساتھ خاص نہ ہو تو اس میں مستحب یہ ہے کہ اسے طہارت کے ساتھ کیا جائے، بشرطیکہ فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور صاحب ہدایہ کا قول ہدایہ کے باب الاذان کے تحت گزر چکا کہ اذکار کے لیے طہارت مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے باوجود بغیر طہارت کے ذکر کرنا مکروہِ تنزیہی بھی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر خلافِ استحباب عمل مکروہِ تنزیہی ہو، بلکہ کراہت تنزیہی کے لیے کسی خارجی دلیل کا ہونا ضروری ہے، جو دلیل کبھی ہوتی ہے، کبھی نہیں بھی ہوتی۔ تو ہوسکتا ہے کہ حدیث میں مذکور کراہت طبعی ہو، فقہی نہ ہو، کیوں کہ حسّاس طبیعتیں اس جیسے امور سے انقباض محسوس کرتی ہیں اور ان کا انشراح ختم ہوجاتا ہے، تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہوگا کہ آپ تو پاکی وصفائی ستھرائی کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ پھر یہاں پیشاب سے فراغت کے بعد فوراً ذکر کرنے میں اور پیشاب سے فارغ ہوکر کچھ دیر بعد ذکر کرنے میں بھی فرق ہے، کیوں کہ ایسے امور کے بعد کچھ وقت گزر جائے اور ذہول طاری ہو تو وہ طبعی کراہت دور ہوجاتی ہے، آپ کا وِجدان بھی ان شاء اللہ اِس کی تصدیق کرے گا۔

مجھے یہاں ایک دوسرا اشکال ہے کہ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی حال میں ذکر کو چھوڑتے نہیں تھے، حالانکہ متعدد طرق سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاوتِ قرآن سے صرف جنابت ہی مانع بنتی تھی، اب یہاں یا تو نسخ مانا جائے جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، یا یہ کہ استنجاء سے پہلے اور استنجاء کے بعد کراہت میں فرق کیا جائے۔ اگر تم اِن اجزاء میں گہرائی سے غور کروگے تو معاملہ آسان ہوجائے گا اور معلوم ہوجائے گا کہ مشہور مسئلہ احادیث کے خلاف نہیں ہے۔

آپ پہلے جان چکے ہیں کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ استبراء کی حالت میں یعنی پیشاب سے فراغت کے بعد ڈھیلے استعمال کرتے وقت سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ جب کہ حضرت مولانا محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ اس سے منع فرماتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ فقہ کا مسئلہ تو وہی ہے جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

"فَلَمْ يُعِدْ" ...... ہمارے نزدیک بھی مسئلہ یہی ہے۔

---

۳۳۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَىٰ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ أَبُو الْجُهَيْمِ: "أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ".

ترجمہ: عمیر جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ ہیں فرماتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن یسار جو کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں حضرت ابوجہیم بن الحارث بن الصمّہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے فرمایا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بئر جمل کی جانب سے تشریف لا رہے تھے اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک شخص ملا جس نے آپ کو سلام کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہیں دیا، حتیٰ کہ آپ نے دیوار کے پاس آ کر اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ پر مسح کیا (تیمّم کیا) پھر سلام کا جواب دیا۔''



"بِئْرِ جَمَلٍ" ...... ایک اونٹ اِس کنویں میں گر گیا تھا، جس کی وجہ سے اس کا یہ نام ہوا۔

"رَجُلٌ" ...... اس سے مُراد خود حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے اپنا نام اس وجہ سے مبہم اور مخفی رکھا کہ جو بات ذکر کرنے جا رہے ہیں وہ ناپسندیدہ ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے جواب نہ دیے جانے کا ذکر ہے۔ ایسے مواقع میں بلیغ انسان یہی کرتا ہے، بے وقوف کے بارے میں ہماری کوئی بحث نہیں۔



٤ - بَابٌ: الْمُتَيَمِّمُ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا؟

٣٣٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَىٰ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "جَاءَ رَجُلٌ إِلىٰ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: "إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ"، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا. فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ کیا تیمّم کرنے والا اپنے ہاتھ میں پھونک کر مٹّی جھاڑ دے؟

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر عرض کیا کہ میں حالت جنابت میں ہوں اور مجھے پانی نہیں مل رہا ہے، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ کو یاد ہے آپ اور میں ایک سفر میں تھے، (پانی نہیں تھا) تو آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹّی میں لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھی، پھر میں نے اس کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں یہی کافی تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تیمّم کا طریقہ بتانے کے لیے) اپنی دونوں ہتھیلیوں کے ذریعے زمین پر ضرب لگائی اور دونوں کو پھونک دیا، پھر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے چہرے اور ہاتھ پر مسح فرمایا؟''



حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کب پیش آیا یہ مجھے معلوم نہ ہو سکا، حالانکہ میں نے بہت تلاش کیا، اس پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم فرمایا ہے: "بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ" اور نسائی میں حالت سفر میں تیمّم کا ایک دوسرا واقعہ ہار کے گم ہونے کا بھی ہے، ترمذی کی عبارت سے دونوں قصوں کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے، جب کہ امام

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں قصوں کو الگ قرار دے رہے ہیں، اس لیے کہ مسح کی روایت دونوں ہتھیلیوں سے ضرب کی روایت سے پہلے ہے، اور اسی واقعے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب یہ منسوب ہے کہ آپ جنابت کے لیے تیمّم کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب بھی منسوب ہے، اس کا بیان عن قریب آئے گا۔ ان شاء اللہ۔



٥ - بَابٌ: التَّيَمُّمُ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ

٣٣٩ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَىٰ عَنْ أَبِيهِ قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا، وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ، ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيهِ، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ. وَقَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ ذَرًّا يَقُولُ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَىٰ. قَالَ الْحَكَمُ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ.

ترجمہ: یہ باب چہرے اور ہتھیلیوں پر تیمّم کے بیان میں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا۔(جو ماقبل کی حدیث نمبر:۳۳۸ کے متن میں گزرا) اور شعبہ نے اپنے دونوں ہاتھ کے ذریعے زمین پر ضرب لگائی، پھر دونوں ہاتھ اپنے منھ سے قریب کیے اور اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔ نضر بن شمیل نے فرمایا کہ ہمیں شعبہ نے حکم بن عتیبہ سے روایت کر کے فرمایا کہ میں نے ذر بن عبداللہ کو سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا ہے۔ حکم بن عتیبہ نے فرمایا کہ نیز میں نے سعید بن عبدالرحمٰن کو اپنے والد سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا۔

٣٤٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَىٰ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ شَهِدَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا". وَقَالَ: "تَفَلَ فِيهِمَا".

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے جس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہم ایک سفر جہاد میں تھے اور ہمیں جنابت

لاحق ہوئی۔ اور فرمایا کہ دونوں ہاتھ میں پھونک ماری۔‘‘



تیمم کے طریقہ سے متعلق روایات میں اختلاف:

جان لیں کہ تیمّم کے طریقے کے متعلّق پانچ طرح کی روایتیں ہیں: ایک یہ کہ دونوں پہنچوں تک مسح کیا جائے۔ دوسری یہ کہ آدھی کلائی تک۔ تیسری یہ کہ آدھی کہنی تک۔ چوتھی یہ کہ آدھے بازو تک۔ اور پانچویں روایت یہ ہے کہ بغل اور کندھوں تک مسح کیا جائے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نصف بازو اور نصف کلائی تک مسح کی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جن رواۃ نے پہنچوں سے کچھ زائد بیان کیا ہے انھوں نے اسے آدھی کلائی سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح جنھوں نے کہنی سے کچھ زائد حصے کو بیان کیا انھوں نے اسے آدھے بازو سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ یہ دونوں طریقے ان کے نزدیک تیمّم کے مستقل طریقے نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں مُراد محل تیمّم کا استیعاب ہے خواہ پہنچوں تک ہو یا کہنی تک، اور استیعاب کے لیے کچھ زیادتی ضروری ہے، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھی تیمّم کے طریقے ہیں۔

دونوں پہنچوں تک تیمّم کے متعلّق اصح روایت اِس باب میں مذکور ہے، نیز بغل تک مسح کی روایت بھی قوی ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہنیوں تک مسح کی روایت کو بھی حسن قرار دیا ہے۔

تیمم میں ایک ضرب ہے یا دو ضرب؟

پھر تیمّم کے متعلّق دو باتوں میں اختلاف ہے:

پہلا اختلاف ضرب کے متعلّق ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ ایک ضرب کافی ہے۔ امام ابوحنیفہ، صاحبین رحمہم اللہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا کی روایت میں ہے کہ تیمّم میں دو ضربیں ہوں گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ تیمّم میں دو ضربیں جائز ہیں لیکن ان کے نزدیک مختار ایک ضرب ہے۔

تیمم کہاں تک کیا جائے؟

دوسرا اختلاف اس سلسلے میں ہے کہ تیمّم کہاں تک کیا جائے؟ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہنچوں تک ہوگا، اور یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت ہے جو صاحب مراقی الفلاح نے ذکر فرمائی ہے، جب کہ ہمارا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ تیمّم کہنیوں تک ہوگا۔ نیز موطا کی روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی تیمّم کہنیوں تک واجب ہے۔ لیکن شارحین نے اِس کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ کے قصے میں بیان فرمائی ہے کہ ’’فمسح وجهه وذراعيه، ثم ردَّ عليَّ‘‘ (شرح السنة للبغوي، رقم:۳۱۰) ’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرے اور کہنیوں پر مسح کرنے کے بعد مجھے سلام کا جواب دیا۔‘‘ اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ پھر ایک زمانے بعد میں اس حدیث کی سند پر مطلع ہوا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک راوی ابراہیم بن محمد ساقط ہیں۔

نیز ہماری دلیل وہ روایت بھی ہے جو سنن دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’التيمم: ضربة للوجه، وضربة للذراعين إلى المرفقين‘‘ (سنن الدارقطني، رقم:۶۹۱) ’’تیمّم یہ ہے کہ ایک ضرب چہرے پر لگائی جائے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں لیے کہنیوں تک۔‘‘ اِس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درست یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ اور اسے امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے نصب الرایہ میں نقل فرمایا ہے، لیکن انھوں نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل نہیں فرمایا، اس لیے مجھے تردّد تھا، کیوں کہ میرا تجربہ تھا کہ امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کوئی نقل ناقص بیان کر کے کوئی چیز مخفی نہیں رکھتے، حتیٰ کہ میں نے ’’التلخیص‘‘ کے متن میں دیکھا کہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس روایت کے رجال ثقہ ہیں۔ جب کہ حاشیے میں ہے: ’’درست بات یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔‘‘ تب مجھے پتا چلا کہ امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے متن میں مذکورہ عبارت کو نقل فرمایا ہے اور اور حاشیے کی عبارت چھوڑ دی ہے اور اسے متن میں داخل نہیں فرمائی۔

نیز اس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ:

أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ، وَإِنِّي تَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ. فَقَالَ: أَصِرْتَ حِمَارًا، وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ فَمَسَحَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، وَقَالَ: هَكَذَا التَّيَمُّمُ. (شرح معاني الآثار، رقم:۶۸۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا کہ مجھے جنابت لاحق ہوئی تو میں مٹّی میں لوٹ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’کیا تم گدھے بن گئے ہو؟ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ سے زمین پر ضرب لگا کر اپنے چہرے پر پھیرا، پھر دونوں ہاتھ سے زمین پر ضرب لگا کر دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں تک پھیرے اور فرمایا: تیمّم اس طرح ہوتا ہے۔

دِل میں یہی بات آتی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، اور جن حضرات نے اسے موقوف قرار دیا ہے وہ اس وجہ سے کہ ضمیر کا مرجع انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا، حالانکہ میرے نزدیک مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ تو صرف وہ قصّہ بیان فرما رہے ہیں جو اُس شخص اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان پیش آیا۔

نیز ہماری دلیل وہ روایت بھی ہے جو مسند بزار میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے ایک قصے میں مروی ہے، جس میں مذکور ہے کہ ''فَأَمَرَنَا فَضَرَبْنَا وَاحِدَةً لِلْوَجْهِ، ثُمَّ ضَرَبْنَا أُخْرَى لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ'' (مسند البزار، رقم: ۱۳۸٤) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تو ہم نے ایک ضرب چہرے کے لیے لگائی، پھر دوسری ضرب دونوں ہاتھ کے لیے کہنیوں تک۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الدرایہ'' میں اسے حسن قرار دیا ہے، یہ کتاب علّامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کی نصب الرایہ کی تلخیص ہے۔ اور کاتب سے اس کے نام میں غلطی ہوئی ہے کہ ''الدرایہ'' کی جگہ ''نصب الرایہ'' لکھ دیا ہے۔

---

٣٤١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَىٰ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: "قَالَ عَمَّارٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "تَمَعَّكْتُ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: "يَكْفِيكَ الْوَجْهَ وَالْكَفَّيْنِ".

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں مٹّی میں لوٹ گیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تمھیں چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیر لینا کافی تھا۔

---

٣٤٢ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: "شَهِدْتُ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ... وَسَاقَ الْحَدِيثَ".

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:...... پھر پوری بات نقل فرمائی۔''

---

٣٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَىٰ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ: "فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ، فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ".

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ذریعے زمین پر ضرب لگا کر اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح فرمایا۔''

"یَكْفِيْكَ الوَجْهُ والكَفَّيْنِ"......اعراب کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ "وَالكَفَّانِ"ہونا چاہیے۔اور ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں کہ یہ تعبیر آیت کریمہ:﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ سے مستفاد ہے، جو نصب والی قراءۃ کے مطابق ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ روایت بالمعنیٰ ہو اور قول کے ذریعے فعل کی حکایت کی گئی ہو۔اور راوی نے اس کی جانب اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ گذشتہ روایت میں مذکور ہے:"إِنَّمَا يَكْفِيْكَ هٰكَذَا"اور یہ اشارہ معہود تیمّم کی جانب ہے۔نیز چوں کہ طحاوی کی روایت سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں اس لیے آپ کے لیے یہ ممکن ہے کہ حضرت عمرو عمار رضی اللہ عنہما کے قصے کو تیمّم معہود کی جانب اشارہ قرار دیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختصار اور اشارے سے کام اس وجہ سے لیا کہ آپ بلیغ طور پر رد فرمانا چاہتے تھے کہ ''تم مٹّی میں لوٹ گئے، حالانکہ اس طرح کرنا کافی تھا، چنانچہ یہ صرف مقامِ تعلیم نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے مبالغے پر رد بھی ہے، جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان غسل کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''أَمَّا أنا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلاثًا'' (صحيح البخاري، رقم:٢٥٤)''میں تو اپنے سَر پر تین مرتبہ پانی بہا دیتا ہوں۔'' ظاہر ہے کہ اِس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُراد یہ نہیں ہے کہ صرف اسی پر اکتفا کیا جائے، بلکہ مبالغے کا رد مقصود ہے۔



٦ - بَابٌ: الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ

وَقَالَ الْحَسَنُ: "يُجْزِئُهُ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ". وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ. وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: "لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ عَلَى السَّبَخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کے لیے وضو کا ذریعہ ہے، جو اسے پانی کی جگہ کافی ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''جب تک حدث پیش نہ آئے تیمّم کافی ہے۔'' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تیمّم کی حالت میں اِمامت فرمائی۔ اور حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''نمناک مٹّی پر نماز پڑھنے میں اور اس سے تیمّم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''



شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کا مذہب اختیار فرمایا ہے اور شوافع کا مذہب چھوڑ دیا، یہی وجہ ہے کہ مٹّی کی کوئی تفصیل ذکر نہیں فرمائی کہ اس میں اُگانے کی صلاحیت ہونی چاہیے یا نہیں۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے ایک دوسرے مسئلے کی جانب اشارہ ہو کہ تیمّم ہمارے نزدیک طہارتِ مطلقہ ہے، جب کہ شوافع کے نزدیک طہارتِ ضروریہ ہے، چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹّی کو مسلمان کے لیے وضو قرار دیا، لہٰذا تیمّم وضو ہی کی طرح طہارتِ مطلقہ شمار ہوگا۔

"وَقَالَ الْحَسَنُ"...... جان لیں کہ پانی کو دیکھ لینا اور اس کے استعمال پر قادر ہونا ہمارے نزدیک نواقض تیمّم میں سے ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نواقض تیمّم وہی ہیں جو نواقض وضو ہیں، پانی کو دیکھ لینا ان کے نزدیک نواقض تیمّم میں سے نہیں، گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مَا لَمْ يُحْدِثْ" سے ان کے مذہب کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

"وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا"...... امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تیمّم کرنے والے کے لیے وضو کرنے والے کی اِمامت کو ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ان کے نزدیک قاعد کی اِمامت قائم کے لیے ممنوع ہے۔

"وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ"......اس سے مُراد یحییٰ بن سعید انصاری القاضی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (جو مدینہ کے قاضی تھے) یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ مُراد نہیں ہیں۔

"عَلَى السَّبَخَةِ" ......لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زمین کی جنس پر اکتفا فرمایا ہے اور شوافع کی تفصیل کو چھوڑ دیا، جیسا کہ گزرا۔

---

٣٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ: "كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَإِنَّا أَسْرَيْنَا حَتّٰى كُنَّا فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً، وَلَا وَقْعَةَ أَحْلٰى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا، فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ، ثُمَّ فُلَانٌ، ثُمَّ فُلَانٌ، يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ، فَنَسِيَ عَوْفٌ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الرَّابِعُ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَامَ لَمْ يُوقَظْ حَتّٰى يَكُونَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ؛ لِأَنَّا لَا نَدْرِي مَا يَحْدُثُ لَهٗ فِي نَوْمِهٖ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأٰى مَا أَصَابَ النَّاسَ، وَكَانَ رَجُلًا جَلِيدًا، فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيرِ، فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيرِ، حَتَّى اسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ، قَالَ: "لَا ضَيْرَ"، أَوْ: "لَا يَضِيرُ، ارْتَحِلُوا". فَارْتَحَلَ فَسَارَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوءِ فَتَوَضَّأَ، وَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهٖ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ، قَالَ: "مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ! أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟" قَالَ: "أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ"، قَالَ: "عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ، فَإِنَّهٗ يَكْفِيكَ". ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَاشْتَكٰى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهٗ عَوْفٌ، وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ: "اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ". فَانْطَلَقَا، فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ، أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلٰى بَعِيرٍ لَهَا، فَقَالَا لَهَا: "أَيْنَ الْمَاءُ؟" قَالَتْ: "عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هٰذِهِ السَّاعَةَ، وَنَفَرُنَا خُلُوفًا"، قَالَا لَهَا: "انْطَلِقِي إِذًا"، قَالَتْ: "إِلٰى أَيْنَ؟" قَالَا: "إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَتْ: "الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ؟" قَالَا: "هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ، فَانْطَلِقِي"، فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ، قَالَ: فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا، وَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِإِنَاءٍ، فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ، وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا، وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ، وَنُودِيَ فِي النَّاسِ: "اسْقُوا وَاسْتَقُوا"، فَسَقٰى مَنْ

شَاءَ وَاسْتَقَىٰ مَنْ شَاءَ، وَكَانَ آخِرُ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، قَالَ: "اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ". وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَىٰ مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا، وَايْمُ اللهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا، وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "اجْمَعُوا لَهَا". فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ، حَتّٰى جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوهَا فِي ثَوْبٍ، وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا، وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا، قَالَ لَهَا: "تَعْلَمِينَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا، وَلَكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا". فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ، قَالُوا: "مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ؟" قَالَتِ: "الْعَجَبُ، لَقِيَنِي رَجُلَانِ، فَذَهَبَا بِي إِلَىٰ هَذَا الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ، فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا، فَوَاللهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هٰذِهِ وَهٰذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ، فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي: السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ، أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ حَقًّا". فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذٰلِكَ يُغِيرُونَ عَلٰى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، وَلَا يُصِيبُونَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ، فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا: "مَا أُرَىٰ أَنَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدْعُونَكُمْ عَمْدًا، فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ؟ فَأَطَاعُوهَا فَدَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ".

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: "صَبَأَ": خَرَجَ مِنْ دِينٍ إِلَىٰ غَيْرِهِ". وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: "الصَّابِئِينَ فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ الزَّبُورَ".

ترجمہ: حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رات بھر چلتے رہے، یہاں تک کہ جب رات کا اخیری پہر تھا تو ہم گہری نیند سو گئے، اور مسافر کے لیے رات کے آخری پہر سے زیادہ لذیذ نیند کا اور کوئی وقت نہیں ہوتا، تو ہم سورج کی دھوپ سے ہی بیدار ہوئے، اور پہلے بیدار ہونے والے فلاں، پھر فلاں تھے، ابورجاء نے ان کا نام ذکر کیا، لیکن عوف وہ نام بھول گئے، پھر چوتھے بیدار ہونے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سو جاتے تو آپ کو کوئی بیدار نہیں کرتا تھا، آپ خود ہی بیدار ہوتے تھے، کیوں کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند میں کیا بات پیش آئی ہو؟ تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور انھوں نے لوگوں کی حالت دیکھی، آپ دین کے معاملے میں بڑے سخت تھے، تو آپ بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے، آپ مسلسل بلند آواز سے تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ آپ کی آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو لوگوں نے اپنی حالت بیان کی،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، آگے چلو۔''

چنانچہ وہاں سے کوچ کی اور کچھ ہی دور تک پہنچے، پھر پڑاؤ ڈال کر وضو کا پانی منگوا کر وضو فرمایا اور نماز کے لیے اذان دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا جو علاحدہ تھا، اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے فلاں! تم نے کیوں لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہے اور پانی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم مٹّی سے تیمّم کرلو، وہ تمھیں کافی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے چلے، تو لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی، پھر آپ نے سواری سے اُتر کر فلاں کو بلایا، راوی ابورجاء نے نام ذکر کیا لیکن عوف وہ نام بھول گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلا کر فرمایا: ''تم دونوں جا کر پانی تلاش کرو۔''

چنانچہ دونوں حضرات گئے تو انھیں ایک عورت اونٹ پر سوار ملی جس کے پاس پانی کے دو توشے دان یا چمڑے کی پکھالیں تھیں، دونوں نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: گذشتہ کل اس وقت میں پانی کے پاس تھی، اور ہمارے مَرد گھر پر نہیں ہیں، دونوں نے اس عورت سے کہا کہ تب تو تم چلو! اس نے پوچھا: کہاں؟ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، اس نے پوچھا: کیا وہی جن کو صابئ کہا جاتا ہے؟ کہا: ہاں وہی جو تم سمجھ رہی ہو، تم چلو، دونوں حضرات اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور پورا واقعہ بتایا۔

راوی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس عورت کو اونٹ سے اُتارا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بَرتن منگوا کر دونوں توشے دان یا پکھالوں کا منھ کھول کر اس بَرتن میں پانی نکالا، اور دونوں پکھالوں کا منھ بند کر کے نیچے کا دہانہ کھول دیا، اور لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ پانی پی لو اور سواریوں کو پلاؤ، چنانچہ جنھوں نے پینا چاہا پیا اور سواریوں کو پلایا، اور بالآخر پانی کا ایک بَرتن اس شخص کو دیا جسے جنابت لاحق تھی، فرمایا: اِس کو لے جاؤ اور اپنے اوپر بہا دو۔ حال یہ کہ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اور اللہ کی قسم جب پکھالوں سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں محسوس ہوا کہ وہ پہلے کے مقابلے زیادہ بھری ہوئی ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کے لیے کھانا جمع کرو، تو لوگوں نے اس کے لیے عجوہ (عمدہ کھجور) آٹا اور ستّو وغیرہ جمع کیا، حتیٰ کہ لوگوں نے اس کے لیے کھانا جمع کر کے ایک کپڑے میں رکھ دیا، اور اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا اور کھانے کے سامان سے بندھا ہوا کپڑا اس کے سامنے رکھ دیا، آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ تم جانتی ہو کہ ہم نے تمھارے پانی میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے ہمیں سیراب فرمایا ہے، پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس آئی، اسے تاخیر ہو چکی تھی، گھر والوں نے پوچھا: تمھیں تاخیر کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: بہت عجیب واقعہ پیش آیا، مجھے دو شخص ملے، دونوں مجھے اُس شخص کے پاس لے گئے جنھیں صابئ کہا جاتا ہے، اس نے ایسا اور ویسا کیا، اللہ کی قسم وہ اِس (زمین) اور اُس (آسمان) کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے، اس عورت نے اپنی شہادت کی اور بیچ والی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا، اس کی مُراد زمین و آسمان تھی، یا وہ حقیقت میں اللہ کے رسول ہیں۔

پھر اس کے بعد مسلمان اس عورت کے علاقے کے اِرد گرد مشرکین پر حملہ کرتے تھے، لیکن اس عورت کے قبیلے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے تھے، اس عورت نے ایک دِن اپنے قبیلے والوں سے کہا: مجھے لگتا ہے کہ یہ لوگ تمھیں جان بوجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، تو کیا تمھیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہے؟ تو وہ لوگ اس عورت کی بات مان کر اسلام میں داخل ہو گئے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صَبَأَ" کے معنیٰ ہیں: ایک دین چھوڑ کر دوسرا اپنا لیا۔ اور ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صابئین اہل کتاب کے ایک فرقے کا نام ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔



"كُنَّا فِيْ سَفَرٍ"...... یہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے، اس میں چار طرح سے اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ خیبر سے واپسی کے وقت پیش آیا، ایک قول ہے کہ غزوۂ اولات الجیش میں پیش آیا۔ ایک قول ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت پیش آیا۔ اور ایک قول ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر پیش آیا۔ میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے، متعدد واقعات نہیں ہیں، البتہ اس کی تعیین میں رواۃ کا اختلاف ہے، میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر پیش آیا، اور ابوداود کی روایت میں جو مذکور ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ موتہ میں پیش آیا، یہ غلط ہے، اس لیے کہ اس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھے۔

امورِ دینیہ میں کوتاہی کی دو قسمیں:

"لَا ضَيْرَ"...... جان لیں کہ امورِ دینیہ میں کوتاہی دو قسم کی ہوتی ہے: ایک کوتاہی نیت کے اعتبار سے اور دوسری

وجودِ شئے کے اعتبار سے۔ یہاں "لَا ضَیْرَ" فرما کر جس کی نفی کی جا رہی ہے وہ پہلی قسم کی ہے کہ نیت کے اعتبار سے کوئی نقصان نہیں ہوا، البتہ وجودِ شئے کے اعتبار سے نقصان پایا گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ گناہ نہیں ہوگا، اگرچہ نماز وقت میں فوت ہو چکی ہے۔

"ارتَحِلُوْا" ......شوافع نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے چلنے کا حکم اس لیے فرمایا کہ اس جگہ شیطان حاضر تھا۔ ہم جواباً کہیں گے کہ تم شیطان کی جگہ چھوڑ دیتے ہو تو اس کا زمانہ بھی کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ شیطان کی جگہ اور زمانہ دونوں ہی چھوڑ دینے چاہیے۔ نیز حدیث میں مروی ہے کہ سورج شیطان کے دو سینگ کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ شوافع نے یہ بات صرف بطورِ جواب کہی ہے یا ان کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ شیطان کی جگہ میں نماز چھوڑ دی جائے گی؟ اس باب میں مجھے شوافع کی طرف سے صرف اِتنی ہی بات ملی ہے جو علّامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ہیں) نے ''الزواجر'' میں تحریر فرمائی ہے کہ ''معصیت والی جگہ کو چھوڑ دینا توبہ کے مکملات میں سے ہے۔''

"فَصَلّٰی بِالنَّاسِ"......''کتاب الآثار'' میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس نماز میں بھی جہری قراءۃ فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں کی قضا میں جہراً قراءۃ کرنا مناسب ہے۔ یہ مسئلہ صرف اسی کتاب میں ہے۔ اس میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، میرے نزدیک راجح وہی ہے جو ذکر کیا۔ پھر اگر کسی سے جماعت فوت ہو جائے تو اپنی مسجد کے سِوا دیگر مساجد میں جماعت پانے کی کوشش کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو ظاہر یہی ہے کہ واجب نہیں ہے، اور جماعت فوت ہو جانے کے بعد اس کا وجوب باقی نہیں رہے گا، البتہ جماعت پانے کی کوشش مستحب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اِس واقعے میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی فرض دو رکعات سے پہلے سنّتِ فجر کی قضا فرمائی۔

صابئین کون ہیں؟

"قَالَ أَبُو العَالِيَةِ"......علّامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صابئین ستارہ پرست تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ نبوت کے منکر تھے اور دینِ حنیف کے مخالف تھے۔ پھر یہ لفظ بُرائی کے القاب میں شمار ہونے لگا۔

میری رائے یہ ہے کہ تاریخ سے تحقیقی طور پر میرے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ اہلِ عرب خود کو حنیفیہ کہتے تھے اور بنی اسرائیل خود کو صابئ کہتے تھے، بنی اسرائیل اہلِ عرب سے برعکس تھے۔ اور علّامہ شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس صفحات میں ان کا مناظرہ نقل فرمایا ہے، جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ صابئین منکرینِ نبوت تھے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس

جگہ یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ فلاسفہ تھے اور انھوں نے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾[البقرة : ٦٢]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صابئین اور اہل کتاب کو ایک قرار دیا ہے، اور ان میں سے جو ایمان لائے اس کے لیے اجر کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کے لیے بھی یہی وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا یہ صراحت ہے کہ صابئین اہل کتاب ہیں، اس لیے کہ ان میں سے بعض کے ایمان کا ذکر بھی ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ "مَنْ اٰمَنَ" سے مُراد وہ لوگ ہیں جو مستقبل میں ایمان لائیں، اِس معنیٰ کے اعتبار سے آیت میں صابئین کے اہل کتاب ہونے کی کوئی دلیل نہ ہوگی اور آیت کا مطلب ہوگا کہ آخرت کی کامیابی کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے گا اس کے لیے نجات ہے، خواہ وہ یہودی ہو، یا نصرانی ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو، یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آخرت ان ہی کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ آیت میں اِجمال کے بعد تفصیل ذکر ہوئی ہے۔

اور ہم کتاب الایمان میں باب "الدينُ يُسْرٌ" کے تحت بیان کر چکے کہ "مَنْ اٰمَنَ" ثانی میرے نزدیک استیناف ہے۔ نیز ایک جگہ گزر چکا کہ صابئین میرے نزدیک وہ لوگ ہیں جو اعمالِ شاقہ کے ذریعے عالم امر کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ ہم اعمالِ حنیفیہ کے ذریعے جناتوں کو مسخر کرتے ہیں، تو اِس اعتبار سے یہ بغیر نیت تسخیر صرف خشوع، انکسار، مسکنت، تضرع اور فریضۂ عبدیت ادا کرنے کا نام ہے۔

"صَبَأَ" ......یعنی مائل ہوگیا۔ عن قریب آپ کو معلوم ہوگا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو لغت سے مناسبت ہے۔ چنانچہ یہاں آپ نے مہموز اور ناقص کے درمیان فرق پر تنبیہ فرمائی ہے۔



۷ - بَابٌ: إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلٰى نَفْسِهِ الْمَرَضَ، أَوِ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ، تَيَمَّمَ

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ.

ترجمہ: یہ باب اِس بیان میں ہے کہ جنبی شخص کو جب بیماری، موت یا پیاس کا اندیشہ ہوتو وہ تیمّم کرلے۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سخت سردی کی رات میں جنابت لاحق ہوئی تو آپ نے تیمّم فرمایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "تم خود کو قتل نہ کرو، بےشک اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمانے والے ہیں۔" پھر آپ نے اس کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔

۳۴۵ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ غُنْدَرٌ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: "قَالَ أَبُو مُوسٰى لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ لَا يُصَلِّي؟" قَالَ عَبْدُ اللهِ: "لَوْ رَخَّصْتُ لَهُمْ فِي هٰذَا، كَانَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُهُمُ الْبَرْدَ قَالَ هٰكَذَا، يَعْنِي تَيَمَّمَ، وَصَلّٰى". قَالَ: قُلْتُ: "فَأَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ؟" قَالَ: "إِنِّي لَمْ أَرَ عُمَرَ قَنَعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ".

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ "کیا اگر کسی کو پانی نہ ملے تو وہ نماز نہ پڑھے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں لوگوں کو اس کی

اجازت دوں گا تو کسی کو پانی ٹھنڈا محسوس ہونے پر وہ بھی یہی کرے گا، یعنی تیمّم کر کے نماز پڑھ لے گا۔ راوی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ پھر حضرت عمار نے حضرت عمر سے جو کہا اس کا کیا مطلب؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "مجھے نہیں لگتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات مان لی ہو۔"



"وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ العَاصِ"......اس واقعے سے متعلّق حدیث سنن میں ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔ پھر جنابت کی وجہ سے کیا ہوا تیمّم موجباتِ جنابت ہی سے ٹوٹے گا، نواقض وضو سے نہیں ٹوٹے گا۔

"حَدَّثَنَا بِشْرُ بنُ خَالِدٍ" ......اس میں حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا قصّہ ہے، اور اس روایت میں قصے کی ترتیب اصل کے مطابق نہیں ہے، جیسا کہ محمد بن سلام سے مروی روایت میں بھی اصل ترتیب نہیں ہے، قصے کی صحیح ترتیب عمر بن حفص سے مروی روایت میں ہے۔ (جو اس کے بعد آرہی ہے)

قصے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب جنابت کے لیے تیمّم کا انکار فرمایا تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عمار رضی اللہ عنہما کا قصّہ پیش کیا، پھر جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواباً یہ فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قول پر قناعت نہیں فرمائی ہے، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جنابت کے لیے تیمّم پر دلیل آیت کریمہ پیش کی، تب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی جواب نہ رہا اور آپ کو اندرونی بات بتانی پڑی اور آپ نے صراحت فرمادی کہ وہ تیمّم کا اِنکار اِس مصلحت کی وجہ سے کررہے تھے، سِرے سے تیمّم کا انکار مقصود نہیں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اِنکار بھی ان کے نزدیک اسی قبیل سے تھا۔ لہٰذا اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں حضرات کی جانب جو نسبت فرمائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

نیز اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں مذکور "لَمَسْتُمْ" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک جماع پر محمول ہے، ورنہ اِس آیت سے آپ پر اشکال ہی نہ ہوتا، اور آپ یہ فرماتے کہ آیت میں مذکور تیمّم جنابت کی وجہ سے نہیں بلکہ عورت کو چھونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا آپ کا آیت کریمہ کو جنابت کی وجہ سے تیمّم کے لیے ماننا یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں ملامسہ سے آپ کے نزدیک جماع مُراد ہے۔ ابوعمر نے جو نسبت آپ کی جانب فرمائی ہے وہ درست نہیں، کیوں کہ وہ بھی محلِ تردّد ہے۔

جان لیں کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مذاہب نقل کرنے میں بہت سی اغلاط ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان مذاہب پر کام

نہیں ہوا، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام مذاہب تو ارث کے ساتھ معمول بہا بھی نہیں رہے، لہٰذا علماء نے صرف ان کے اقوال سے مذاہب نکالے ہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ محض نقل سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، شئے تجربے سے سمجھی جا سکتی ہے، اور یہ ان اقوال پر عمل کے بعد ہی ممکن ہے، جیسا کہ آپ نے اس قصے میں دیکھ لیا کہ لوگوں نے محض الفاظ کے مدّنظر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب تیمّم کے انکار کی نسبت کر دی، اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: "لَا يُصَلِّيْ حَتّٰى يَجِدَ الْمَاءَ" حالانکہ جب آپ معاملے کی تحقیق کرو گے تو معلوم ہوگا کہ آپ اصلاً تیمّم کا انکار نہیں فرماتے تھے۔ پھر جب آپ کی جانب جنابت کے لیے تیمّم کے انکار کی نسبت ہوئی تو اس پر یہ تفریع بھی کی گئی کہ آپ کے نزدیک آیت میں ملامسہ سے مُراد عورت کو چھونا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ تمام تفریعات محض الفاظ کے مدّنظر ہیں، اور حقیقت حال ہم نے کھول بیان کر دی ہے۔

وِجادہ کی حجیت:

نیز وِجادہ کے حجّت ہونے کے بارے میں محدثین کے اختلاف کی وجہ بھی میرے نزدیک یہی ہے، اس لیے کہ وِجادہ کتاب سے اخذ کرنے کا نام ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کتاب روبرو گفتگو کے مانند نہیں ہو سکتی، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اگر وِجادہ کا پورا حق ادا کیا جائے اور عمل میں لا کر اسے سمجھا جائے تو وہ یقیناً حجّت ہے۔

---

٣٤٦ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيقَ بْنَ سَلَمَةَ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ لَهٗ أَبُو مُوسٰى: "أَرَأَيْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً، كَيْفَ يَصْنَعُ؟" فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: "لَا يُصَلِّي حَتّٰى يَجِدَ الْمَاءَ، فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: "فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِينَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: "كَانَ يَكْفِيكَ". قَالَ: "أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذٰلِكَ؟ فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ، كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ؟ فَمَا دَرٰى عَبْدُ اللهِ مَا يَقُولُ، فَقَالَ: "إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِي هٰذَا، لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلٰى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهٗ وَيَتَيَمَّمَ". فَقُلْتُ لِشَقِيقٍ: فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللهِ لِهٰذَا؟ قَالَ: "نَعَمْ".

ترجمہ: شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ "میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اُن سے دریافت کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! جب کسی کو

جنابت لاحق ہو اور اسے پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ پانی ملنے تک نماز نہ پڑھے۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ ''تمھیں تیمّم کافی ہے'' اس کا کیا جواب ہوگا؟ فرمایا کہ کیا تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے اِس پر قناعت نہیں فرمائی، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات چھوڑیے، آپ اِس آیت کا کیا جواب دو گے؟ اِس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہیں ملا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کو تیمّم کی اجازت دیں گے تو بہت ممکن ہے کہ جب کسی کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ وضو چھوڑ کر تیمّم کرے گا۔ راوی سلیمان اعمش نے شقیق بن سلمہ سے پوچھا کہ کیا اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تیمّم کو مکروہ قرار دیا؟ شقیق نے فرمایا: جی ہاں۔''



٨ - بَابٌ: التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

٣٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: "كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسٰى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسٰى: "لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ، فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: "لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هٰذَا، لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيدَ". قُلْتُ: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا؟ قَالَ: "نَعَمْ". فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: "أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا. فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ، أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: "أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ؟

وَزَادَ يَعْلٰى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ: "كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسٰى، فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: "أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَنِي أَنَا وَأَنْتَ فَأَجْنَبْتُ، فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيدِ، فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا. وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً؟".

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ تیمّم ایک ضرب ہے۔

حضرت شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا

کہ اگر کسی کو جنابت لاحق ہو، پھر اسے ایک مہینے تک پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمّم کر کے نماز نہ پڑھے؟ پھر آپ سورۂ مائدہ کی اِس آیت کا کیا جواب دو گے کہ ''پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹّی سے تیمّم کرو۔'' اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر لوگوں کو اس کی اجازت دی گئی تو بہت ممکن ہے کہ جب انھیں پانی ٹھنڈا لگے تو تیمّم کرلیں، میں نے پوچھا: کیا آپ نے اس وجہ سے تیمّم کو ناپسند کیا ہے؟ فرمایا: جی ہاں۔ پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات نہیں سنی جو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا تھا، تو مجھے جنابت لاحق ہوئی اور پانی نہ مل سکا، تو میں مٹّی میں لوٹ گیا جیسے چوپایہ لوٹتا ہے، پھر میں نے اس کا تذکرہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا: ''تمھیں یہی کافی ہے کہ تم اس طرح تیمّم کرلو۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر ہتھیلی کے ذریعے ایک ضرب لگائی، پھر ہاتھ کو جھاڑ دیا، پھر دونوں ہاتھ کو اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت پر پھیرا، یا بائیں ہاتھ کی پشت پر ہتھیلی پھیری، پھر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے چہرے کا مسح کیا۔ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر راضی نہیں ہوئے؟

اس روایت کو یعلیٰ بن عبید نے سلیمان اعمش سے، انھوں نے حضرت شقیق سے اس زیادتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات نہیں سنی جو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور آپ کو کہیں بھیجا تھا، پھر مجھے جنابت لاحق ہوئی تو میں مٹّی میں لوٹ گیا، پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جب آپ کو یہ خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''تمھیں اس طرح تیمّم کرلینا کافی ہے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک مرتبہ مسح فرمایا تھا؟[1]



قصے کی یہ ترتیب بھی اُلٹی ہے، کہ اس میں حضرت عمر و عمار رضی اللہ عنہما کا قصّہ مُراد واضح ہو جانے کے بعد ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ جنابت کی وجہ سے تیمّم کا اقرار کر رہے ہیں تو اِس قصے کی وجہ سے کیا اشکال ہوسکتا ہے؟

[1] فیض الباری کے عربی نسخے میں اِس باب کی تشریح سبقت قلم سے بعد والے باب کے تحت ذکر ہوگئی ہے۔

"ضَرْبَةً" ......ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگر چہ اس روایت میں ایک ہی ضرب کا ذکر ہے، لیکن یہ مختصر ہے، اور جمہور کا موقف دو ضرب کا ہے، جیسا کہ تفصیلی روایات میں مذکور ہے، لہٰذا اِجمال کے ذریعے تفصیل کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اِس روایت میں دیگر عام روایات کے مقابلے میں قصّہ مختصراً ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ راوی نے فرمایا کہ ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیلی کے ذریعے اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح فرمایا۔'' ہتھیلی کے ذریعے دونوں ہاتھ کے مکمّل مسح کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے، اسے خوب سمجھ لیں، یہ ان روایت میں اختصار کا دعویٰ کرنے کے لیے مفید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



۹ - بَابٌ

۳۴۸ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا مُعْتَزِلًا، لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ، فَقَالَ: "يَا فُلَانُ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ؟". فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ". قَالَ: "عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ".

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو علاحدہ دیکھا جس نے لوگوں کے ساتھ نہیں پڑھی، تو آپ نے دریافت فرمایا: اے فلاں! تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے جنابت لاحق تھی اور پانی نہیں مل سکا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم مٹّی پر تیمّم کرلو، تمھارے لیے وہ کافی ہے۔''





Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband

Eidgah Road, P.O.Deoband - 247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel: +91 84394 12767, +91 92599 87074
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com